

جدید نظرانی شیخ الحدیث

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
تَبْلُغُوا مَا تَسْتَغْتُمْ لِمَا كُنَّا لَدَيْهِ وَسَيُنْزِلُ سُلَامٌ لَكُمْ مِنْكُمْ

رُفْعُ الطَّالِبِينَ

فِي حَلِّ

زَاوَا الطَّالِبِينَ

مؤلف: مولانا محمد عاصم الہی بلند شہری رحمۃ اللہ

ترجمہ و تشریح

محمد حسین صدیقی

استاذ حدیث جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی

امک بکسٹور

جدید چرائی شریعہ الہیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ تَصَلُّوا مَا تَشَاءُوا فِي الْمَكَاتِ الَّتِي كُنْتُمْ تُدْعَوْنَ فِيهَا لِلدِّينِ وَلَسْتَ لَكُمْ مِنْهَا شَأْنٌ أَتَصَلُّوْنَ

رُفُضُ الطَّالِبِينَ

فِي حَجٍّ

زَادَ الطَّالِبِينَ

مؤلف: مولانا محمد عاشق الہی بلند شہری رحمۃ اللہ

ترجمہ و تشریح

محمد حسین صدیقی

استاذ حدیث جامعہ منورہ سائٹ، کراچی

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اردو بازار - کراچی

فون: ۲۷۲۵۶۷۳

مجلہ حقوق بحق ناسیہ محفوظ ہیں

کتاب کا نام ————— **روزنامہ الطائیفہ والا طائیفہ** جلد چہارم نمبر اول

تاریخ اشاعت ————— اپریل ۲۰۱۲ء

صفحات ————— ۵۲۸

باہتمام ————— **احکامی و مسوڑ پبلشرز**

ناشر ————— **مسوڑ پبلشرز کراچی**

شاہ زیب سینئر ذمہ دار، مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 0092-21-32729089

فیکس: 0092-21-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com



Darul Uloom Zakaria
P.O. Box 10786, Lenasia
1820 Gauteng
South Africa

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton BL1 3NE
U.K.
Tel/Fax : 01204-389080

ملنے پانچویں لیکچر پتہ

☐ مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509

☐ مکتبہ دارالہدی، اردو بازار کراچی۔

☐ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

☐ قدیمی کتب خانہ بالقائل آرام باغ کراچی

☐ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۱۹ مقدمہ
۲۱ جذبات تشکر..... حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب
۲۲ کلمات تبرک..... حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۲۳ تاثرات..... حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی المدنی
۲۴ کلمات تبرک..... حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب دامت برکاتہم
۲۶ تقریظ..... حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب بلند شہری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۲۷ حالات حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۳۴ تصنیفات و تالیفات
۳۶ چند بنیادی باتیں
۳۷ کتاب کے مقدمہ کا ترجمہ
۴۱ الباب الاول: فی جوامع الکلم و منابع الحکم و المواعظ الحسنہ
۴۱ ① اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے
۴۴ الجملة الاسمية:
۴۴ ② دین نصیحت کا کام ہے
۴۷ ③ مجالس کی باتیں امانت ہوتی ہیں
۴۸ ④ دعا عبادت کا مغز ہے
۴۹ ⑤ حیاء ایمان کا حصہ ہے
۵۱ ⑥ قیامت کے دن آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے دنیا میں محبت کرتا تھا
۵۳ ⑦ شراب کی مذمت
۵۵ ⑧ بردباری اختیار کرنا اور جلد بازی کو ترک کرنا
۵۶ ⑨ مؤمن شریف ہوتا ہے
۵۷ ⑩ فاجر کمینہ ہوتا ہے

صفحہ	عنوان
۵۸	۱۱) ظالم قیامت کے دن تاریکی میں ہوگا.....
۶۰	۱۲) سلام میں پہل کرنا تکبر سے دور رکھتا ہے.....
۶۱	۱۳) دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے.....
۶۳	۱۴) مسواک کرنے کی فضیلت.....
۶۵	۱۵) دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے.....
۶۶	۱۶) غیبت کرنا زنا سے بدتر ہے.....
۶۷	۱۷) پاکی ایمان کا حصہ ہے.....
۶۸	۱۸) قرآن قیامت کے دن مدعی ہوگا.....
۶۹	۱۹) گھنڈہ شیطان کی بانسری ہے.....
۷۰	۲۰) عورتیں شیطان کا جال ہیں.....
۷۱	۲۱) کھانا کھا کر شکر کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے.....
۷۲	۲۲) خرچ میں میانہ روی اختیار کرنے کی ترغیب.....
۷۳	۲۳) اچھے لوگوں سے دوستی رکھنا آدھی عقل ہے.....
۷۴	۲۴) اچھا سوال کرنا بھی علم میں داخل ہے.....
۷۵	۲۵) توبہ کرنا گناہ کو بالکل منہدم کر دیتا ہے.....
۷۶	۲۶) عقل مند اور نادان شخص کی پہچان.....
۷۸	۲۷) مؤمن محبت کرنے والا ہوتا ہے.....
۸۰	۲۸) گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے.....
۸۲	۲۹) قیامت کے دن بعض تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ ہوگا.....
۸۳	۳۰) بعض تاجروں کا حشر نبیوں صدیقیوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا.....
۸۵	۳۱) دنیا کے چار سب سے بڑے گناہ.....
۸۷	۳۲) نیکی اور برائی کی علامت.....
۸۹	۳۳) تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے.....
۹۰	۳۴) مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں.....
۹۱	۳۵) مؤمن سے لوگوں کو اطمینان رہتا ہے.....

صفحہ	عنوان
۹۲	۳۶) نفس سے مجاہدہ کرنے والا حقیقت میں مجاہد ہے.....
۹۳	۳۷) حقیقی مہاجر گناہوں کو چھوڑنے والا ہے.....
۹۴	۳۸) گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے.....
۹۵	۳۹) مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے.....
۹۷	۴۰) سارے مؤمن ایک جسم کے مانند ہیں.....
۹۸	۴۱) سفر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی ہدایت.....
۱۰۰	نوع آخر منها:
۱۰۰	۴۲) جہاد سے واپسی پر بھی جہاد والا ثواب ملتا ہے.....
۱۰۱	۴۳) مال دار کا مال منہول کرنا ظلم ہے.....
۱۰۲	۴۴) امیر خادم ہوتا ہے.....
۱۰۳	۴۵) محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے.....
۱۰۴	۴۶) علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے.....
۱۰۵	۴۷) مال کے حرص کی مذمت.....
۱۰۷	۴۸) سحری کے وقت کا خواب عموماً سچا ہوتا ہے.....
۱۰۸	۴۹) کمانے کے چار درجے.....
۱۰۹	۵۰) بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے.....
۱۱۰	۵۱) دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے.....
۱۱۱	۵۲) پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے.....
۱۱۲	۵۳) بہترین صدقہ کسی جاندار کا پیٹ بھرنا.....
۱۱۳	۵۴) علم اور مال والے کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا.....
۱۱۴	۵۵) منافق کی تین علامتیں.....
۱۱۶	۵۶) بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے.....
۱۱۸	۵۷) صبح یا شام اللہ کے راستہ میں نکلنا تمام دنیا سے بہتر ہے.....
۱۲۰	۵۸) ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے.....
۱۲۲	۵۹) استغفار کرنے کی شرائط.....

صفحہ	عنوان
۱۲۳	۱۰ خدا کی رضا مندی والدین کی رضا مندی میں ہے
۱۲۴	۱۱ چھوٹے بھائیوں پر بڑے بھائی کی حیثیت باپ والی ہوتی ہے :
۱۲۵	۱۲ بہترین خطا کا توبہ کرنے والے ہیں
۱۲۷	۱۳ ہر عبادت میں شریعت کی منشا کا لحاظ رکھنا ضروری ہے
۱۲۸	۱۴ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لغویات کو چھوڑ دے
۱۲۹	۱۵ ہر ایک سے قیامت کے دن اس کے ماتحت کے بارے میں سوال ہوگا
۱۳۱	۱۶ بہترین جگہ مساجد ہیں
۱۳۲	۱۷ بدترین جگہ بازار ہیں
۱۳۳	۱۸ برے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے تنہا بیٹھنا بہتر ہے
۱۳۴	۱۹ تنہا بیٹھنے سے بہترین لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا ہے
۱۳۵	۲۰ بری باتیں کرنے سے خاموش رہنا بہتر ہے
۱۳۷	۲۱ مؤمن کا تحفہ موت ہے
۱۳۸	۲۲ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے
۱۳۹	۲۳ تین باتوں کے علاوہ ابن آدم کا تمام کلام اس پر وبال ہے
۱۴۱	۲۴ ذکر کرنے والے کی مثال زندہ کی سی ہے
۱۴۳	۲۵ وہ علم جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے
۱۴۵	۲۶ سب سے بہترین ذکر کلمہ توحید اور بہتر دعا الحمد للہ ہے
۱۴۶	۲۷ خدا کو ہر حال میں یاد رکھنے والے کے فضائل
۱۴۸	نوع آخر منہ :
۱۴۸	۲۸ امانت داری اور ایفاء عہد کی اہمیت
۱۵۰	۲۹ حکیم کے لئے تجربہ ضروری ہے
۱۵۱	۳۰ تدبیر کے مثل کوئی عقل مندی نہیں
۱۵۲	۳۱ خاندانی شرافت حسن خلق کے برابر نہیں
۱۵۳	۳۲ لوگوں کی خاطر خدا کی نافرمانی جائز نہیں
۱۵۴	۳۳ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

صفحہ	عنوان
۱۵۵	متقی آدمی کے پاس مال ہونے میں کوئی حرج نہیں..... (۸۴)
۱۵۷	الجملة الاسمية التي دخلت عليها حرف "ان":..... (۸۵)
۱۵۷	بعض بیان جادو کی طرح اثر کرتے ہیں..... (۸۶)
۱۵۸	بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے..... (۸۷)
۱۶۰	بعض علم بھی جہل ہیں..... (۸۸)
۱۶۱	آدمی کی باتیں اس پر وبال ہیں..... (۸۹)
۱۶۲	ریا کی علامت و علاج..... (۹۰)
۱۶۳	نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے دور ہو..... (۹۱)
۱۶۵	مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے..... (۹۲)
۱۶۷	اولاد بخل اور بزدلی کا سبب بن جاتی ہے..... (۹۳)
۱۶۸	سچ اطمینان کا اور جھوٹ بے اطمینانی کا باعث ہے..... (۹۴)
۱۶۹	اللہ جمال کو پسند کرتا ہے..... (۹۵)
۱۷۰	ہر تیزی کے لئے سستی ہوتی ہے..... (۹۶)
۱۷۱	روزی آدمی کو موت کی طرح تلاش کرتی ہے..... (۹۷)
۱۷۳	شیطان آدمی میں خون کی طرح دوڑتا ہے..... (۹۸)
۱۷۴	میری امت کی آزمائش مال میں ہے..... (۹۹)
۱۷۵	غائبانہ دعا جلدی قبول ہوتی ہے..... (۱۰۰)
۱۷۶	گناہوں کے سبب آدمی رزق سے محروم ہو جاتا ہے..... (۱۰۱)
۱۷۸	اس وقت تک آدمی نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہ کرے..... (۱۰۲)
۱۸۰	صدقہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے..... (۱۰۳)
۱۸۲	آدمی کی فضیلت دوسرے پر تقویٰ کے ساتھ ہے..... (۱۰۴)
۱۸۳	اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ اعمال کو دیکھتا ہے..... (۱۰۵)
۱۸۵	مسلمان کے ساتھ بشارت کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے..... (۱۰۶)
۱۸۶	اللہ کے ہاں مقرب وہ ہے جو سلام میں پہل کرے..... (۱۰۷)
۱۸۷	سود کی مذمت..... (۱۰۸)

صفحہ	عنوان
۱۸۹	غصہ ایمان کو خراب کر دیتا ہے اور غصہ کا علاج
۱۹۱	نیکی جنت کا اور جھوٹ دوزخ کا راستہ دکھاتا ہے
۱۹۳	اللہ کی طرف سے جن کاموں کو حرام کیا گیا ہے
۱۹۵	اللہ کے لئے دوستی یا دشمنی کرنا
۱۹۷	ذکر اور علم کے علاوہ دنیا ملعون ہے
۱۹۹	بعض اعمال کا ثواب آدمی کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے
۲۰۱	اللہ دین کا کام فاسق و فاجر سے بھی لے لیتے ہیں
۲۰۳	مساجد کو مزین کرنا قیامت کی علامتوں میں سے ہے
۲۰۵	انما:
۲۰۵	جہل کا علاج سوال کرنے میں ہے
۲۰۷	اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے
۲۰۹	قبر جنت کا باغیچہ یا جہنم کا گڑھا ہے
۲۱۱	الجملة الفعلية:
۲۱۱	کبھی کبھار فقر کفر کا سبب بن جاتا ہے
۲۱۳	قیامت کے دن آدمی اس حال میں اٹھے گا جس حال میں مرا تھا
۲۱۴	ہر سنی سنائی بات دوسرے سے کہہ دینا بھی جھوٹ میں داخل ہے
۲۱۶	شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں
۲۱۷	مال کے غلام بننے والے پر اللہ کی لعنت ہے
۲۱۹	دوزخ کو خواہشات سے اور جنت کو مشقتوں سے ڈھانپا گیا ہے
۲۲۰	بوڑھے آدمی میں دو چیزیں جوان ہوتی ہیں
۲۲۲	بہترین شخص وہ عالم دین ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے
۲۲۳	مردے کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں
۲۲۵	سب سے بڑی خیانت
۲۲۷	ذخیرہ اندوزی کرنے والے کی مذمت
۲۲۹	نوع آخر من الجملة الفعلية:

صفحہ	عنوان
۲۲۹	۱۲۰ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا.....
۲۳۰	۱۲۱ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جاسکے گا.....
۲۳۱	۱۲۲ مؤمن کو بار بار ایک سوراخ سے ڈسا نہیں جاسکتا.....
۲۳۲	۱۲۳ پڑوسی کے حقوق.....
۲۳۳	۱۲۴ حرام کھانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا.....
۲۳۴	۱۲۵ مؤمن وہ ہے جس کی خواہش دین کے تابع ہو جائے.....
۲۳۶	۱۲۶ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے.....
۲۳۷	۱۲۷ کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے.....
۲۳۸	۱۲۸ حضور اکرم ﷺ سے محبت ایمان کی بنیاد ہے.....
۲۴۰	۱۲۹ مسلمان تین دن سے زیادہ کسی سے قطع تعلق نہ رکھے.....
۲۴۲	۱۳۰ کسی کا مال اس کی خوشی کے بغیر لینا جائز نہیں.....
۲۴۳	۱۳۱ شقاوت بدبختی کی علامت ہے.....
۲۴۵	۱۳۲ گھنٹی کی موجودگی میں فرشتے نہیں آتے.....
۲۴۶	صیغ الامر والنہی:
۲۴۶	۱۳۳ میری طرف سے چھوٹی سی بات کو بھی دوسرے کو پہنچا دو.....
۲۴۸	۱۳۴ ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھو.....
۲۴۹	۱۳۵ سفارش کرنے سے ثواب ملتا ہے.....
۲۵۰	۱۳۶ اللہ پر ایمان لانا اور پھر موت تک اس پر جمے رہنا.....
۲۵۲	۱۳۷ جو چیز شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو.....
۲۵۳	۱۳۸ برائی کے بعد فوراً نیکی کرلو.....
۲۵۳	۱۳۹ لوگوں سے اچھے اخلاق سے سلوک کرو.....
۲۵۵	۱۴۰ مؤمن کو اپنا دوست بناؤ.....
۲۵۷	۱۴۱ متقی کو اپنا کھانا کھلاؤ.....
۲۵۸	۱۴۲ امانت ادا کرو اور خیانت نہ کرو.....
۲۶۰	۱۴۳ بہترین لوگوں کو مؤذن ہونا چاہئے.....

صفحہ	عنوان
۲۶۱	۱۵۴) جو پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت مت دو.....
۲۶۳	۱۵۵) سفید بالوں کو نہ اکھیڑو.....
۲۶۴	۱۵۶) دنیا سے بے رغبتی کرو خدا محبت کرنے لگے گا.....
۲۶۵	۱۵۷) لوگوں کے پاس جو ہے اس سے بھی زہد کرو.....
۲۶۶	۱۵۸) دنیا میں مسافر کی طرح رہو.....
۲۶۸	۱۵۹) جائیداد مت بناؤ.....
۲۶۹	۱۶۰) مزدور کو مزدوری کام کے ختم ہونے پر فوراً ادا کرو.....
۲۷۰	۱۶۱) ڈاڑھی رکھو اور مونچھوں کو کٹواؤ.....
۲۷۲	۱۶۲) لوگوں کو بشارت سناؤ اور نرمی کا معاملہ کرو.....
۲۷۴	۱۶۳) بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو.....
۲۷۵	۱۶۴) مرغ کو برا مت کہو.....
۲۷۶	۱۶۵) غصہ کی حالت میں قاضی فیصلہ نہ کرے.....
۲۷۷	۱۶۶) ناز و نعمت کی زندگی سے بچنا چاہئے.....
۲۷۹	۱۶۷) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہیں پھیلانا چاہئے.....
۲۸۰	۱۶۸) مردوں کو برا کہنا منع ہے.....
۲۸۱	۱۶۹) سات سال کی عمر سے اپنی اولادوں کو نماز کا حکم دو.....
۲۸۳	۱۷۰) قرآن کی حفاظت کرو.....
۲۸۵	۱۷۱) مظلوم کی بددعا سے اپنے آپ کو بچاؤ.....
۲۸۷	۱۷۲) قبروں کے اوپر بیٹھنا منع ہے.....
۲۸۹	۱۷۳) چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو.....
۲۹۰	۱۷۴) اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کرنا منع ہے.....
۲۹۱	۱۷۵) جانوروں کی پشت کو منبر بنانا منع ہے.....
۲۹۲	۱۷۶) کسی جاندار کو باندھ کر نشانہ بنانا منع ہے.....
۲۹۳	۱۷۷) دوا آدمیوں کے درمیان بیٹھنا منع ہے.....
۲۹۴	۱۷۸) صدقہ دینے میں جلدی کرو.....

صفحہ	عنوان
۲۹۵	کسی کی عیب جوئی کرنا منع ہے..... (۱۸۶)
۲۹۶	مشرکین سے جہاد کرو..... (۱۸۷)
۲۹۷	جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو..... (۱۸۸)
۲۹۹	پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو..... (۱۸۹)
۳۰۱	لیس الناقصة:
۳۰۱	پہلوان کسے کہتے ہیں؟..... (۱۹۰)
۳۰۳	عورت کو اس کے خاوند کے خلاف اکسانا منع ہے..... (۱۹۱)
۳۰۴	چھوٹوں پر رحم نہ کرنے والا ہم میں سے نہیں..... (۱۹۲)
۳۰۵	بڑوسی کا خیال نہ رکھنے والا مؤمن نہیں..... (۱۹۳)
۳۰۶	مؤمن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا..... (۱۹۴)
۳۰۸	صلہ رحمی کی تعریف..... (۱۹۵)
۳۱۰	اصل دولت مندی دل کا غنی ہونا ہے..... (۱۹۶)
۳۱۲	کیا صلح کروانے میں جھوٹ بولنا جائز ہے؟..... (۱۹۷)
۳۱۴	اللہ کے نزدیک دعا سے پسندیدہ اور کوئی عمل نہیں..... (۱۹۸)
۳۱۵	گریبان کو پھاڑنے والا ہم میں سے نہیں..... (۱۹۹)
۳۱۷	سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہوتی..... (۲۰۰)
۳۱۸	الشروط الجزاء:
۳۱۸	جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے تو اللہ اس کو بلند کرتا ہے..... (۲۰۱)
۳۲۰	جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا..... (۲۰۲)
۳۲۱	جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے..... (۲۰۳)
۳۲۲	نیک کام کی رہنمائی کرنے والے کو کام کرنے کا ثواب ملتا ہے..... (۲۰۴)
۳۲۳	جو لوٹ مار کرے وہ نبی کی امت میں سے نہیں ہے..... (۲۰۵)
۳۲۴	خاموش رہنے والا نجات پاتا ہے..... (۲۰۶)
۳۲۵	جو مسلمانوں پر جھٹھارا اٹھائے وہ امت محمدیہ میں سے نہیں ہے..... (۲۰۷)
۳۲۶	جہاد کی لغوی و اصطلاحی تعریف..... (۲۰۸)

صفحہ	عنوان
۳۲۸	نرمی سے محروم رہنے والا تمام ہی خیر سے محروم رہتا ہے
۳۲۹	بادشاہ کے پاس رہنے والا فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے
۳۳۱	ریاکاری سے عمل کرنے والا کیا مشرک ہو جاتا ہے؟
۳۳۳	جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی میں سے ہوگا
۳۳۴	جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں
۳۳۵	جج کو جلدی کرنا چاہئے
۳۳۶	دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں
۳۳۷	ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں
۳۳۸	کسی کو تسلی دینے کی فضیلت
۳۳۹	جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں
۳۴۰	معادہ والے کو قتل کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا
۳۴۱	بھلائی کرنے والے کے بدلہ میں آدمی کیا کرے؟
۳۴۲	مسجد بنانے والے کو اللہ جنت دے گا
۳۴۳	دو غلے آدمی کی مذمت
۳۴۴	مسلمان کے عیب کو چھپانے کی فضیلت
۳۴۵	زبان کو برائی سے روکنے کی فضیلت
۳۴۷	دین کو چھپانے والے کی مذمت
۳۴۹	غلط فتویٰ دینے کی مذمت
۳۵۱	بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے ڈھانے کے مترادف ہے
۳۵۲	ایسی چیز سے اپنے کو مزین کرنا جو اس کے اندر نہ ہو اس کی مذمت
۳۵۳	بدعت کی مذمت
۳۵۴	سنت کو فساد کے زمانے میں اپنانے والا سوشہیدوں کا ثواب پاتا ہے
۳۵۷	جنت کی ضمانت
۳۵۸	کلمہ توحید کی گواہی دینے والے پر جہنم حرام ہے
۳۵۹	اللہ کے لئے دوستی کرنے والا ایمان کو مکمل کرنے والا ہے

صفحہ	عنوان
۳۶۱	تک دست کو معاف کرنے والا قیامت کے دن اللہ کے سایہ کے نیچے ہوگا
۳۶۲	نبی کی طرف غلط احادیث منسوب کرنے والا جہنمی ہے
۳۶۳	علم دین کے حصول کے لئے گھر سے نکلنے کی فضیلت
۳۶۴	سات سال تک اذان دینے والا جہنم سے بری ہو جاتا ہے
۳۶۶	جمعہ چھوڑنے والا شخص منافق ہو جاتا ہے
۳۶۷	جہاد کی تمنا بھی نہ کرنے والا منافق مرتا ہے
۳۶۹	جو شخص روزہ کی حالت میں لغویات کو نہ چھوڑے اس کو روزہ کا ثواب نہیں ملتا
۳۷۰	دنیا میں جھوٹی عزت پانے والے قیامت میں ذلیل ہوں گے
۳۷۱	لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کرنے والا جہنمی ہے
۳۷۳	دنیا کے لئے علم حاصل کرنے والا جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا
۳۷۵	جو نجوی کے پاس جائے اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی
۳۷۶	اللہ کا نام لے کر جو شخص پناہ مانگے اس کو پناہ دو
۳۷۸	جو شخص جو برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے
۳۸۰	جو ادا کرنے کی نیت سے قرض لے تو اللہ اس سے ادا کروا دیتے ہیں
۳۸۱	جو رمضان کا روزہ نہ رکھے تو تمام عمر کا روزہ اس کا بدلہ نہیں بن سکتا
۳۸۳	روزہ دار کے افطار کروانے والے کو ثواب ملتا ہے
۳۸۴	نبی کریم ﷺ کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے
۳۸۶	جو کسی کی زمین کا کوئی حصہ ناحق لے لے قیامت میں اس کو اس میں دھنسیا جائے گا
۳۸۸	نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھنے والا حقیقت میں نبی کو ہی دیکھتا ہے
۳۹۰	جو دعویٰ کرے جو اس میں نہیں تو وہ جہنم میں جائے گا
۳۹۲	روزہ رکھنے والے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں
۳۹۴	بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہئے
۳۹۶	قاضی کو گویا بغیر چھری کے ذبح کیا جاتا ہے
۳۹۷	اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا شرک ہے
۳۹۸	مہمان کا اکرام کرنا چاہئے

صفحہ	عنوان
۴۰۰	عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کرنے پر پوری رات عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے..... (۱۵۱)
۴۰۱	آدمی کا نسب اس کے کام نہیں آئے گا..... (۱۵۲)
۴۰۳	حاجی گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے..... (۱۵۴)
۴۰۵	شہادت کی تمنا پر شہید کا ثواب ملتا ہے..... (۱۵۵)
۴۰۶	اللہ کے راستہ کے لئے گھوڑا پالنے والے کی قیامت کے دن ہر چیز تولی جائے گی..... (۱۵۶)
۴۰۸	جس شخص کے بال ہوں وہ ان کو اچھی طرح رکھے..... (۱۵۷)
۴۰۹	نوع آخر منہ: (۱۵۸)
۴۰۹	نیکی اچھی لگے اور برائی بری تو وہ شخص مؤمن ہے..... (۱۵۹)
۴۱۱	نا اہل کے جب کام سپرد ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو..... (۱۶۱)
۴۱۲	کسی ایک کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کرنا منع ہے..... (۱۶۰)
۴۱۳	آدمی کی موت جہاں مقدر ہے وہ وہاں ہی مرتا ہے..... (۱۶۱)
۴۱۶	شور بہ میں پانی ڈال کر ہمسایہ کا خیال رکھو..... (۱۶۲)
۴۱۷	شرافت کے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے..... (۱۶۳)
۴۱۸	وضو میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خیال رکھنا چاہئے..... (۱۶۴)
۴۱۹	کھانا کھاتے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں..... (۱۶۵)
۴۲۱	آدمی جب بے حیا ہو جائے تو جو جی چاہے کرے..... (۱۶۶)
۴۲۲	کھانا داہنے ہاتھ سے کھانا چاہئے..... (۱۶۷)
۴۲۳	مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت پڑھنی چاہئے..... (۱۶۸)
۴۲۴	جس کام میں شرافت نہ ہو اس کو بائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے..... (۱۶۹)
۴۲۶	مسافر رات کو گھر میں نہ جائے..... (۱۷۰)
۴۲۷	مریض کو تسلی دینا چاہئے..... (۱۷۱)
۴۲۸	ذکر بعض المغیبات التي أخبر بها النبي وظهرت بعد وفاته صلوات الله تعالى و سلامه عليه:..... (۱۷۲)
۴۲۸	ایک جماعت حق پر قیامت تک جی رہے گی..... (۱۷۳)
۴۳۰	قرب قیامت کے جھوٹے اور مکار لوگ..... (۱۷۴)
۴۳۲	قیامت کے قریب لوگ جھوٹی قسم کھانے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں گے..... (۱۷۵)

صفحہ	عنوان
۴۳۴	قیامت کے قریب ہر شخص کو سود کا دھواں پہنچے گا
۴۳۵	دین دوبارہ اجنبی ہو جائے گا
۴۳۷	اصلاح کرنے والے قیامت تک رہیں گے
۴۳۹	قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے
۴۴۰	قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا اور فتنے پھیل جائیں گے
۴۴۲	قیامت کے قریب آدمی تمنا کرے گا کاش میں قبر والے کی جگہ ہوتا
۴۴۳	قیامت کے قریب صرف اسلام کا نام باقی رہ جائے گا
۴۴۵	قیامت کے قریب لالچ اور خوف ہوگا
۴۴۶	قیامت کے قریب صرف بدکار لوگ باقی رہ جائیں گے
۴۴۷	قیامت کے قریب بدکار لوگ سعادت مند بن جائیں گے
۴۴۸	قیامت کے قریب دین پر چلنے والا مثل چنگاری ہاتھ میں لینے والا ہوگا
۴۴۹	قیامت کے قریب لوگوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ہو جائے گی
۴۵۱	قیامت کے قریب آدمی جانوروں کی طرح کھائے گا
۴۵۲	قیامت کے قریب آدمی حلال اور حرام کی پرواہ نہیں کرے گا
۴۵۳	قیامت کے قریب نماز پڑھانے والا کوئی نہیں ملے گا
۴۵۴	قیامت کے قریب کے محبوب ترین لوگ
۴۵۵	قیامت کے قریب کے بعض لوگوں کا ثواب اول والوں کی طرح ہوگا
۴۵۶	ایسا وقت بھی آئے گا کہ آدمی کو صرف مال کام دے گا
۴۵۷	کیڑا پہننے والی بعض عورتیں برہنہ ہوں گی
۴۵۹	قیامت کے قریب پیشوا جاہل ہوں گے
۴۶۱	قرآن سیکھو اور سکھاؤ
۴۶۲	اہل کتاب کے طرز پر قرآن پڑھنا منع ہے
۴۶۳	الباب الثانی: فی الواقعات والقصص وفیہ اربعون قصۃ
۴۶۴	حدیث جبریل علیہ السلام
۴۶۷	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات

صفحہ	عنوان
۴۶۸	۲ کیا وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے؟
۴۶۹	۳ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے حالات
۴۷۰	۴ نماز کی برکت سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں
۴۷۱	۵ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۷۲	۶ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی سب سے بہتر دعا
۴۷۳	۷ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۷۴	۸ صفوں کو تیر کی طرح سیدھا کرنا چاہئے
۴۷۵	۹ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۷۶	۱۰ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ ﷺ سے چار باتیں سنیں
۴۷۷	۱۱ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۷۸	۱۲ جو صدقہ میں دیا وہی باقی رہ جاتا ہے
۴۷۹	۱۳ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات
۴۸۰	۱۴ مرنے والا راحت پاتا ہے یا اس سے راحت پائی جاتی ہے
۴۸۱	۱۵ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۸۲	۱۶ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں جب تک اس کے سامنے کھانا کھایا جائے
۴۸۳	۱۷ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۸۴	۱۸ اجازت لینے کا صحیح طریقہ
۴۸۵	۱۹ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۸۶	۲۰ بعض کو بعض کی وجہ سے روزی دی جاتی ہے
۴۸۷	۲۱ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۸۸	۲۲ مجلس میں آنے والے کے لئے کھسک جانا بھی آداب مجلس میں داخل ہے
۴۸۹	۲۳ حضرت واثلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حالات
۴۹۰	۲۴ کھانا سیدھے ہاتھ سے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا چاہئے
۴۹۱	۲۵ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات
۴۹۲	۲۶ بسم اللہ پڑھنے کی برکت

صفحہ	عنوان
۳۹۳	حضرت امیہ بن خثعمؓ کے مختصر حالات
۳۹۴	آداب سفر کی تعلیم
۳۹۵	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مختصر حالات
۳۹۶	نجات آخرت کا ذریعہ
۳۹۷	حضرت عقبہ بن عامرؓ کے مختصر حالات
۳۹۸	موزی جانور کو مارنے کا حکم
۳۹۹	حضرت علیؓ کے مختصر حالات
۵۰۰	ایمان و اسلام کا فقہی اصول
۵۰۱	حضرت اسامہؓ کے مختصر حالات
۵۰۲	قرضہ اچھی طرح ادا کرنے کا حکم
۵۰۳	حضرت ابو ہریرہؓ کے مختصر حالات
۵۰۴	کیا عورت کا بھی مرد سے پردہ ہے؟
۵۰۵	حضرت ام سلمہؓ کے مختصر حالات
۵۰۶	حضرت سلیمان علیہ السلام کا عجیب فیصلہ
۵۰۸	سواری پر آگے بیٹھنے کا حق اس کے مالک کا ہی ہے
۵۱۰	حضور اکرم ﷺ کا انداز مزاج
۵۱۱	تین قیمتی نصیحتیں
۵۱۲	حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مختصر حالات
۵۱۳	آداب مسجد
۵۱۵	برکت والا پانی
۵۱۶	حضرت طلحہؓ کے مختصر حالات
۵۱۷	بہترین کلمات
۵۱۸	حضرت جویریہؓ کے مختصر حالات
۵۱۹	حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت
۵۲۰	قیمتی نصیحتیں

صفحہ	عنوان
۵۲۳	غیبت اور بہتان تراشی میں فرق ۲۰
۵۲۵	برائی سے نفرت ایمان کی علامت ۲۱
۵۲۷	حیات دنیا کی حقیقت ۲۲
۵۲۹	اپنے ماتحتوں سے نرمی کا حکم ۲۳
۵۳۰	حضرت ابوسعود الانصاری <small>رضی اللہ عنہ</small> کے مختصر حالات ۲۴
۵۳۱	ضرورت کی ہر چیز اللہ سے مانگنی چاہئے ۲۵
۵۳۲	حضرت عبداللہ بن عباس <small>رضی اللہ عنہما</small> کے مختصر حالات ۲۶
۵۳۳	جانوروں کو ایذا رسانی سے ممانعت ۲۷
۵۳۴	حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کے مختصر حالات ۲۸
۵۳۵	فضیلت علم ۲۹
۵۳۷	ماتحتوں پر زیادتی کا حساب دینا ہوگا ۳۰
۵۴۰	حضور اکرم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی اتباع ضروری ہے ۳۱
۵۴۲	سنت و بدعت ۳۲
۵۴۳	حضرت عرباض بن ساریہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کے مختصر حالات ۳۳
۵۴۴	اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ ۳۴
۵۴۶	کتابیات ۳۵



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

زاد الطالبین حضرت مولانا عاشق الہی برنی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی وہ کتاب ہے جو علم حدیث کا ایک ایسا بیش بہا سرمایہ ہے جس سے متعدد لوگوں کی اصلاح ہوئی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ذکاوت طبع و ذہن رسا اور وقار کا وہ جوہر مرحمت فرمایا ہے جس کے ساتھ تفقہ فی الدین اور تبحر فی العلم کے ساتھ اللہ نے امت کا غم بھی عطاء فرمایا ہے، اس لئے ان کی اکثر کتابیں اصلاحی ہوتی ہیں اور ان کی تحریر میں ایک قسم کا درد ہوتا ہے جس کے پڑھنے کے بعد آدمی کے دل پر اثر ہوتا ہے، بقول شاعر:

در حقیقت ہیں زمانہ میں وہی خوش تقدیر
نام مرنے پہ بھی مٹتا نہیں جن کا زہار

اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ”روضۃ الطالبین“ کی تکمیل کی توفیق عطاء فرمائی، اس کے لئے اللہ کا جتنا شکر ادا کریں اتنا کم ہوگا، حدیث کی اس کتاب کی شرح کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ طلباء اور عام لوگوں میں بے حد مقبول ہوئی چند ہی ماہ میں پہلی طبع ختم ہوگئی، اور پھر چاروں طرف سے طبع ثانی کا مطالبہ شروع ہو گیا۔

دوسری طرف حضرت مولانا عاشق الہی برنی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی لوگوں کے سامنے اس شرح کی بہت ہی تعریف فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی، اور حکم بھی فرمایا کہ کتاب کو دوبارہ شائع کیا جائے اس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی کے حالات تحریر کروائے اور حکم فرمایا کہ طبع ثانی کے وقت اس کو بھی شامل کر لیا جائے، تاکہ جب وفاق کے امتحان میں مصنف کے بارے میں سوال کیا جائے تو طلباء کے سامنے پہلے سے وہ حالات ہوں، اب طبع ثانی میں ان حالات کو بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

کتاب کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ احادیث کی تشریح وغیرہ میں زیادہ صرف و نحو علم معانی و بیان کے علمی نکات بیان کرنے اور شوکت الفاظ عبارت آرائی وغیرہ کے تکلفات سے عداً اجتناب کیا گیا ہے، کیونکہ عموماً ان چیزوں کے پیچھے آدمی لگ کر احادیث کی اصل روح کھو بیٹھتا ہے۔

ان احباب کا شکریہ ادا کرنا میں واجب سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں کسی قسم کا بھی تعاون فرمایا ہو، خاص طور پر مولانا اشرف قریشی مدرس دارالعلوم کورنگی، مولانا ارشاد صاحب، مولانا جاوید الرحمن صاحب سابق مدرس جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، حافظ محمد ثانی صاحب اور مولانا ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب سب ہی کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں بہترین

بدلہ عطاء فرمائے۔

آخر میں اللہ جل شانہ سے دست بدعا ہوں کہ اس شرح سے قیامت تک کے لوگوں کو نفع بخشے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بجا طور پر مستفید کرے اور اس کام کو اپنی رضا اور پسندیدگی سے نوازے اور میرے لئے میرے متعلقین کے لئے اس کو مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گریہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

محمد حسین صدیقی

استاذ جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی



جذبات تشکر

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم مدظلہم

شیخ الحدیث و مدیر جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

حضرت مولانا عاشق الہی صاحب برنی رحمہ اللہ رحمۃ وسعۃ ہمارے اکابر میں سے ہیں ان کے قلم سے بیسیوں علمی، تحقیقی، اور اصلاحی کتابیں نقل کی جا چکی ہیں، طویل عرصہ تک تدریس سے منسلک رہے ہیں جس کی وجہ سے مروجہ نصاب تعلیم کے حسن و قبح پر ان کی گہری نظر ہے، انہوں نے ”زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین“ کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی تھی اس کتاب کے کئی فائدے واضح طور پر محسوس کئے گئے، ایک تو یہ کہ ابتدائی درجات ہی سے طلباء کو ذوق ہو جاتا ہے اگرچہ باقاعدہ کتب حدیث دیر سے شروع ہوتی ہیں، دوسرا یہ کہ چھوٹے چھوٹے اور پرکشش جملے بہت جلد طلباء کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں اور ازبر ہو جاتے ہیں، تیسرا فائدہ یہ کہ چونکہ احادیث فکری اور عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے تہذیب افکار، اصلاح عقائد، تطہیر اخلاق، اور تزکیہ نفوس میں بھی معاون ثابت ہوگی، چوتھا فائدہ یہ کہ اس کتاب سے نحوی اور لغوی قواعد کا اجراء ہو جاتا ہے جس سے ذہنوں میں وسعت اور فن میں پختگی آ جاتی ہے اور طالب علم ایک محدود دائرے میں محبوس نہیں رہتا اور اس کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فنی قواعد کی رعایت صرف عربی شعراء کے کلام میں ہی نہیں ہے بلکہ ان سے معلم انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث ادب اور لغت، نحو اور صرف ہی نہیں معانی اور بیان، نفسیات اور اخلاقی علوم اور معارف کا خزانہ ہیں ان گونا گوں فوائد کے پیش نظر اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ ہندوپاک کے بے شمار مدارس میں یہ نصاب میں داخل ہے، وفاق المدارس نے بھی اسے اپنے نصاب میں شامل کر رکھا ہے، اس کی شرح کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

میرے لئے انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ اس دیرینہ ضرورت کو ہمارے جامعہ بنوریہ کے ایک محترم استاذ نے پورا کیا، مولانا محمد حسین صاحب جامعہ بنوریہ کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں انہوں نے بڑی محنت اور توجہ سے ”روضۃ الطالبین“ کے نام سے اس کتاب کی شرح لکھی جس میں احادیث کی تخریج، نحوی ترکیب، لغوی تحقیق، اور احادیث کا ترجمہ کر کے کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو مزید علمی اور تحقیقی تالیف کی توفیق مرحمت فرمائے اور ان کی اس شرح کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

دعا گو خیر و برکت
محمد نعیم عفی عنہ

کلماتِ تبرک

استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ

مدیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الحمد لله وكفى، وسلام على عباده الذين اصطفى؛ خصوصاً على سيدنا محمد المصطفى وعلى آله وصحبه ما شفى وكفى.

اما بعد! دین اسلام کو اللہ جل شانہ نے امت محمدیہ کے لئے پسند فرمایا اور خاتم الانبیاء ﷺ کو اس امت میں مبعوث فرما کر اللہ جل شانہ نے اس امت کو مزید اعزاز بخشا، آپ ﷺ نے امت کی ہدایت رہنمائی اور آخرت کی کامیابی کے لئے ایک ایک لمحہ صرف کیا، ان کی دنیا و آخرت کی کامیابی کا کوئی راستہ ایسا نہ چھوڑا جس تک ان کی رہنمائی نہ کی ہو، تعلیم دین کے لئے آپ ﷺ نے تن من دہن کی بازی لگائی اور جان و مال ملک وطن سب کو قربان کیا، راحت و آرام کی قطعاً پرواہ نہ کی، اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز بیانی عطا فرمایا تھا اس کا نمونہ آپ کے ارشادات میں نمایاں نظر آتا ہے، ان کی فصاحت و بلاغت کی تہہ تک انسان کا پہنچنا مشکل ہے، علماء کرام نے ان کلمات ہدایت کی شرح و تفصیل اور ان کے اسرار و رموز کے بیان کرنے اور نکات کے حل میں اپنی زندگیاں خرچ کیں اور اپنا نام خوش نصیبوں میں لکھوایا۔

حضرت مولانا محمد عاشق الہی البرنی مدظلہ بھی ان خوش نصیب اشخاص میں سے ہیں جن کی زندگی خدمت دین اور جن کے شب و روز اصلاح امت اور دین کی فکر میں صرف ہوتے ہیں، رسول اکرم ﷺ سے ان کی محبت اور عشق نے انہیں اس دیار مقدس کا باشندہ اور ریاض الجنہ سے باطن کو سکون پہنچانے اور روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے مالا مال ہونے کا زریں موقعہ عطا فرمایا ہوا ہے موصوف نے ”مشکاة المصابیح“ کی احادیث مبارکہ سے طلبہ کے فائدہ کے لئے مختصر مختصر ایسی احادیث کا انتخاب فرمایا واقعی کتاب طلبہ کے لئے بہترین توشہ آخرت، ذریعہ نجات اور علم میں اضافہ کا ذریعہ ہے، جن کا پڑھنا روح کو سکون، دل کو اطمینان اور علم کو جلا بخشتا ہے، احادیث مبارکہ کی اپنی برکت اور مؤلف کے اخلاص نے اس میں چار چاند لگا دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے خدمت حدیث کی سعادت کا کچھ حصہ اس کتاب میں ان کے بعد والوں کے لئے بھی رکھا تھا جسے جناب مولانا محمد حسین صاحب مدظلہ نے اپنی محققانہ شرح ترکیب اور تخریج کے ذریعہ حاصل کر لیا، اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور دونوں جہاں کی کامیابی کا ذریعہ بنائے اور ان سے مزید دین کی خدمت لے اور اس خدمت حدیث کو فاتحہ خیر بنائے اور طلبہ علم کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

کتبہ محمد حبیب اللہ مختار

تأثرات

استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد طاہر الرحیمی المدنی

الحمد لولہ واصلی واسلم علی نبیہ صاحب جوامع الکلم وعلی آلہ وأصحابہ البررة والکرام
اما بعد! ناچیز نے جامعہ بنوریہ سائٹ ایریا کراچی کی حاضری و زیارت کے پرسعادت موقع پر جامعہ ہذا کے استاذ مولانا محمد
حسین صاحب کی مؤلفہ کتاب ”روضۃ الطالبین شرح زاد الطالبین“ کا جتنہ جتنہ مقامات سے استفادہ کیا، خدمت
حدیث نبوی تقریب خداوندی و قرب نبوی و حاضری و زیارت حرمین شریفین کا اعلیٰ و ارفع باعث و ذریعہ ہے، میں مولانا موصوف کو
اس کامیاب خدمت حدیث پر دلی تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں، جس طرح باغیچہ متعدد انواع کے پھولوں اور نیل بوٹوں کی عجیب
و غریب مرکب مہک و خوشبو پر مشتمل و حاوی ہوتا ہے اسی طرح یہ روضہ بھی طلباء و مستفیدین و ناظرین کے لئے ہمہ نوعی وکل جہتی
مضامین حدیثہ مثلاً ترجمہ، تشریح و ترکیب اور تخریج کی ایمان افروز اور روحانی و علمی مہک کا جامع و سرچشمہ ثابت ہوگا۔
حق سبحانہ و تعالیٰ جناب مؤلف ممدوح زاد اللہ حسن افادہ کی اس مخلصانہ کوشش کو سعی مشکور کا مصداق بنا کر طلباء و علماء حدیث
کے لئے اس مجموعہ کو مفید و نافع و موجب تسہیل بنائے۔

آمین رب العالمین بجاہ سید المرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم والحمد للہ رب العالمین

فقط

المخطیء العاثر المقصر محمد طاہر الرحیمی المدنی

(طہرنی اللہ من ذنوبی و آثامی نزیل کراتشی پاکستان)

۲۰ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ موافق ۲۰ اگست ۱۹۹۲ء یوم الخمیس



کلماتِ تبرک

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر نظام الدین شامزئی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے اور قیامت تک اس کی حفاظت خود فرمائیں گے، دین کی دو بنیادیں ہیں جس طرف نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ ”ترکت فیکم امرین“ (الحدیث) گویا قرآن و حدیث ہی پر دین قائم ہے اور اس کی حفاظت دین کی حفاظت اور اس کی خدمت دین کی خدمت ہے البتہ کچھ علوم ایسے ہیں کہ جو قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان علوم میں سے علم ادب بھی جو بذات خود کئی علوم کا مجموعہ ہے نحو، صرف، معانی، بلاغت، وغیرہ سب علوم اس میں شامل ہیں۔

ہمارے ہاں عام طور پر علم صرف، نحو، اور علم ادب کی تعلیم و تعلم کے لئے قرآن و حدیث کی مثالوں سے کام نہیں لیا جاتا، جب کہ بعض لوگ تو علم ادب کو قرآن و حدیث سے الگ اور بالا تر تصور کرتے ہیں، حالانکہ ادب عربی کو سیکھنے سکھانے کا اس کے سوا اور کوئی ارفع مقصد نہیں کہ اس کے ذریعہ سے قرآن و حدیث کے نکات و مفہیم کو کما حقہ سمجھا جاسکے قرآن کریم تو بالاتفاق فصاحت و بلاغت اور اعجاز کے اس اعلیٰ مقام پر ہے کہ جس کی تحدی اور چیلنج کا آج تک جواب نہیں دیا جاسکا حالانکہ اس کے لئے (تاریخ گواہ ہے) کافی کوششیں بھی ہوئیں لیکن حدیث میں ایسے حصے موجود ہیں جن کی مثال عالم عرب کے ادباء کے کلام میں موجود نہیں، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان پر افک و تہمت کے بارے میں جو حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے اس کی فصاحت و بلاغت اور مٹھاس و روانی اور تسلسل کا مزہ ہر وہ آدمی اٹھا سکتا ہے جس کو عربی ادب کا کچھ بھی ذوق ہو، اسی طرح ﴿وعلی الثلاثة الذین خلفوا﴾ کی تفسیر میں تین صحابہ کا جو واقعہ ان ہی حضرات میں سے خود ایک صاحب واقعہ سے منقول ہے، اس ادبیت کی مثال نہیں اس قسم کے ہزاروں جملے احادیث میں ایسے ہیں جس کی نظیر اب تک کے ادب عربی میں (چاہے وہ جاہلی ہو یا اسلامی) پیش نہیں کی جاسکتی۔

اسی طرح احادیث میں روایت بالمعنی کے شیوع کی وجہ سے اگرچہ اس سے نحوی قواعد کے لئے تو جمہور نحاۃ کے ہاں استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ نحوی قواعد کے سمجھانے کے لئے اس کو مثال میں بھی پیش نہ کیا جائے، حالانکہ اگر اس پر عمل ہو تو ان قواعد کا اصل مقصد بھی حاصل ہوگا اور تعلیم کی ابتداء ہی سے بچے کا قرآن و حدیث سے تعلق قائم ہوگا۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا عاشق الہی البرنی دامت برکاتہم نزیل مدینہ منورہ نے ان مذکورہ بالا مقاصد کے تحت زاد الطالبین کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی تھی جس میں علم ادب کی تحصیل بھی مقصود تھی اور نحوی قواعد کا اجراء اور احادیث سے اس کی امثلہ پیش کر کے علم حدیث کی خدمت بھی کی گئی تھی، یہ کتاب اگرچہ آسان اور واضح تھی لیکن اب چونکہ طلباء علوم دینیہ میں بھی معاشرے کے اثر سے محنت کا مادہ نہیں رہا اس لئے اس کتاب کی شرح اور تفصیل کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد حسین صاحب مدظلہ (مدرس جامعہ بنوریہ سائنٹ ایریا کراچی) کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس کتاب کی خدمت کی اور ایسی شرح لکھی جس میں نحوی صرنی اور ادبی لحاظ سے اب کوئی بات تشنہ نہ رہی، احقر نے اس شرح بنام ”روضۃ الطالبین شرح زاد الطالبین“ کا اکثر حصہ پڑھا، الحمد للہ مصنف اپنی محنت میں کامیاب ہوئے اللہ تعالیٰ اس خدمت کو ان کی دنیا و آخرت کی ترقیات کا ذریعہ بنائے اور مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نظام الدین شامزئی

۸ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ



تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

(سابق مفتی دارالعلوم کراچی، مقیم مدینہ طیبہ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه اجمعين وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين.

اما بعد! احقر نے تقریباً چالیس سال قبل ایک رسالہ بنام ”زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم“ لکھا تھا اور اس وقت تین فائدے پیش نظر تھے:

اول: یہ کہ درس نظامی کی ابتدائی صفوف میں حدیث کی کوئی کتاب آجائے۔

دوم: یہ کہ عبارات حدیث کی ترکیب نحوی بھی ہو جائے تاکہ طلبہ کو آگے بڑھنے اور پڑھنے میں آسانی ہو۔

سوم: یہ کہ نوعمری ہی سے احادیث شریفہ ازبر یاد ہو جائیں اور ان کے معانی اور مفہام دل میں جا گزریں ہو جائیں تو تزکیہ نفوس اور تربیت اخلاق کا بھی فائدہ ہو۔

الحمد للہ یہ کتاب بہت زیادہ مقبول ہوئی اور ہندوپاک کے اکابر نے احقر کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی خاص کر ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ کے اکابر نے مزید کرم فرمایا اور کتاب مذکورہ کو وفاق کے نصاب میں شامل کر دیا، متعدد حضرات نے اس کے حواشی بھی لکھے جو شرح، تخریج احادیث اور ترکیب نحوی پر مشتمل ہیں، حال ہی میں مولانا محمد حسین کراچی صاحب زید مجدہم نے ان مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے ایک شرح لکھی ہے جس کے چند اوراق میرے پاس بدست مولانا محمد عارف صاحب مدرس جامعہ بنوریہ سائنٹ کراچی مدینہ منورہ میں پہنچے، احقر نے ان صفحات پر نظر ڈالی ماشاء اللہ مولانا محمد حسین صاحب نے بڑی محنت اور جفاکشی سے شرح لکھی ہے احادیث کا ترجمہ توضیح لغات توضیح مفہوم ترکیب نحوی، تخریج احادیث پر کافی محنت کی ہے:

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ مؤلف کی شرح سے طلبہ کو مستفید فرمائے اور ان کو مزید علمی تالیفات کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وبالله التوفیق وهو خیر عون ورفیق

محمد عاشق الہی البرنی عفا اللہ عنہ

(مقیم مدینہ منورہ)

حالات حضرت مولانا عاشق الہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ (۱)

ضبط و تحریر: عبداللہ تسنیم ابن المصنف حفظہ اللہ

وطن، نام، نسب: احقر راقم الحروف نے حضرت والد صاحب دام ظلہ سے دریافت کیا کہ آپ کا وطن کہاں تھا؟ فرمایا: میں موضع بسی ڈاکخانہ بگرامی ضلع بلند شہر (یوپی، ہند) میں پیدا ہوا والد صاحب کا نام محمد صدیق تھا، اور داد کا نام اسد اللہ تھا، قوم راجپوت سے تھے، اصل وطن ضلع میرٹھ کے کسی گاؤں میں تھا، ہماری دادی صاحبہ بیوہ ہو گئی تھیں اس لئے بچوں کو لے کر اپنے میکہ (یعنی موضع بسی) میں آگئی تھیں، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ماموں تھے جن کا نام محمد اسماعیل تھا یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، گھرانے میں ان کی وجہ سے دین داری کا ماحول تھا اور والد صاحب کی تربیت میں ان کا بڑا دخل تھا اسی دینی ماحول کی وجہ سے احقر کو قرآن مجید کی تعلیم پر لگا دیا گیا۔

تاریخ پیدائش: تاریخ پیدائش کے بارے میں فرمایا کہ: ہمارا کوئی علمی گھرانہ نہیں تھا، اس لئے تاریخ پیدائش ضبط کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں نے اپنے اندازہ سے تیرہ سو تینتالیس (۱۳۳۳ھ) سن پیدائش تجویز کر رکھا ہے جب میں نے حفظ ختم کیا تو گھر والے کہتے تھے کہ اس نے بارہ سال کی عمر میں حفظ کر لیا چونکہ حفظ ۱۳۵۵ھ میں ختم ہوا تھا اس لئے میں نے سن پیدائش ۱۳۳۳ھ تجویز کر لیا، والعلم عند اللہ الخیر۔

والدین مرحومین: احقر نے عرض کیا کہ اپنے والدین کے بارے میں کچھ بتائیے؟

فرمایا: والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو دیر تک زندہ رہے اور انہوں نے میری کتابیں بھی پڑھیں، میرے ساتھ دارالعلوم کراچی میں تشریف لائے تھے، وہیں وفات پائی اور دارالعلوم کے قبرستان میں ان کی قبر ہے کسان آدمی تھے محنت مزدوری کر کے بچوں کی پرورش کرتے تھے مگر یہ انہی کی محنتوں کا ثمرہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو، انہوں نے حفظ قرآن پر لگایا پھر عربی پڑھنے پر ڈالا، مجھے خوب یاد ہے کہ گاؤں میں حفظ کرنے کے بعد جب باہر کے مدارس میں پڑھانے کے لئے لے چلے تو مختلف مدارس میں لے گئے میں چلتے چلتے تھک جاتا تھا، تو وہ اپنے کاندھے پر اٹھا لیتے تھے، بہت تنگدستی میں بھی انہوں نے مجھے علم پر لگایا جبکہ میں ان کی تنگدستی کے وقت میں دو چار پیسے کمانے کے لائق ہو گیا تھا۔ (رحمہ اللہ رحمة واسعة)

میری والدہ صاحبہ شیخ رحمت اللہ علیہا ساک بگرامی ضلع بلند شہر کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں، میری پانچ سال کی عمر تھی جب ان کی وفات ہو گئی، میرے ساتھ تو انہوں نے میری دو بہنیں بھی چھوڑی تھیں جن میں سے ایک کی وفات والدہ کی وفات کے پندرہ دن بعد ہو گئی دوسری بہن بارہ تیرہ سال کی عمر تک زندہ رہی، پھر اس کی بھی وفات ہو گئی، والدہ محترمہ کی وفات کے بعد

(۱) جب روضۃ الطالبین حضرت عاشق الہی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کی گئی تو نہایت مسرت کا اظہار مختلف لوگوں کے سامنے فرمایا اور پھر اپنے تفصیلی حالات تکمیل فائدہ کے لئے مدینہ منورہ سے ارسال فرمائے جو ہدیہ قارئین ہے۔

ہماری پرورش ہماری دادی نے کی۔

جب میں مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں پڑھتا تھا اس وقت میرے پیچھے ہی ان کی وفات ہوگئی۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔
ابتدائی اور متوسط تعلیم: تعلیم کے سلسلہ میں جو سوال کیا تو فرمایا:

قرآن مجید تو گاؤں ہی میں حفظ کر لیا تھا، مختلف اساتذہ سے قرآن مجید یاد کیا ان سب حضرات کی شاگردی میں ساڑھے دس پارے حفظ کئے تھے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ ہمارے گاؤں کی جامع مسجد میں مولانا الحاج الحافظ محمد صادق صاحب پنجابی ثم سنبھلی (جو مولانا عبدالوحید صاحب مدرس مظاہر العلوم سہارنپور کے بہنوئی تھے) امام بن کر تشریف لے آئے جو مولوی ریل کے لقب سے مشہور تھے، والد صاحب رحمہ اللہ ان کے پاس لے گئے انہوں نے چند دن تو ذہن اور حافظہ کو دیکھا بھالا اور آزمایا، پھر فرمایا: کہ تم میرے پاس فجر کی نماز پڑھا کرو اور پاؤ پارہ کا سبق لیا کرو پھر جب سبق سنا دواسی وقت چھٹی، میں فجر کی نماز میں ان کے پاس پہنچ جاتا تھا اور پاؤ پارہ کا سبق لے کر عموماً بارہ بجے تک سنا دیتا تھا میری بہن مرحومہ میرا ناشتہ وہیں پہنچا دیتی تھی جو بے دودھ کی گڑ کی چائے میں مکئی کی روٹی پر مشتمل ہوتا تھا، دوسرے طلبہ دو وقت آتے تھے، میں ظہر کے بعد بھی وہیں رہتا تھا، وہ مجھ سے طلبہ کو پڑھواتے تھے لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ میں چھٹی میں ہوں، یہ ان کا نزالہ طریقہ تھا جو طلبہ کی تالیف قلب کے لئے بہت کامیاب ہے، نوعمر بچہ کے لئے اس سے زیادہ خوشی کی کوئی چیز نہیں کہ اسے چھٹی مل گئی اب وہ مدرسہ ہی میں حاضر ہے لیکن اس کے دماغ میں یہ ہے میری چھٹی ہو چکی ہے، ان کی حسن تدبیر سے جو باقی قرآن مجید رہ گیا تھا چھ ماہ میں حفظ ہو گیا۔

اب فارسی اور عربی تعلیم کی بات سنو، جب قرآن مجید ختم ہو گیا تو مولانا موصوف رحمہ اللہ نے فارسی کا ”حمد نامہ“ شروع کر دیا، ”حکایات لطیف“، ”نحو میر“ اور ”صرف میر“، ”دستور المبتدی“، ”فصول اکبری“، اور ”ہدایۃ النحو“، ”منیۃ المصلی“ وغیرہ پڑھا دیں، اس کے علاوہ ”صغری کبری“ بھی ان سے پڑھیں اور یہ سارا انصاب تقریباً ایک ہی سال میں نبٹ گیا پھر والد صاحب رحمہ اللہ مجھے مراد آباد اور ضلع مراد آباد کے مدارس میں داخل کرانے کے لئے لے گئے کیونکہ یہ تعلیمی سال کا درمیان تھا اس لئے داخلہ کا موقع نہ تھا بالآخر مدرسہ قادر یہ حسن پور ضلع مراد آباد میں داخلہ ہو گیا، یہاں پر حضرت مولانا ولی احمد صاحب رحمہ اللہ خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہ مدرسہ کے ذمہ دار اور صدر مدرس تھے، ان کے پاس دوبارہ ”نحو میر“ پڑھی سال کے آخری دو تین مہینہ از جمادی الثانی تا شعبان مدرسہ مذکورہ میں گذارے، مدرسہ میں ایک مدرس مولانا عبدالعزیز ٹانڈوی بھی تھے یہ بھی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے متنبین میں سے تھے، ان سے ”بہشتی زیور“ پڑھی یہ ۱۳۵۶ھ کا واقعہ ہے، آئندہ سال مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں داخلہ لیا مدرسہ ہذا میں حضرت مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی رحمہ اللہ مدرس تھے جو مولانا محمد صادق صاحب کے داماد تھے اسی تعلق کی بناء پر مدرسہ امدادیہ کو اختیار کیا اور وہاں دو سال رہا، مدرسہ ہذا میں ”مفید الطالبین، نفخۃ الیمن، کافیہ، شرح جامی، مختصر القدوری، کنز الدقائق، اصول الشاشی، نور الانوار، میزان المنطق،

قطبی، مختلف اساتذہ سے پڑھیں، پھر شوال ۱۳۵۷ھ میں مدرسہ خلافت شہر علی گڑھ میں داخلہ لیا والد صاحب رحمہ اللہ چند ماہ قبل علی گڑھ پہنچ گئے تھے، وہاں ایک مسجد میں مقیم تھے، مجھے بھی وہیں بلا لیا تھا، مدرسہ مذکورہ جامع مسجد میں واقع تھا صدر مدرس حضرت مولانا فیض الدین بلخی رحمہ اللہ تھے، حضرت مولانا موصوف سے ”مختصر المعانی اور سراجی“ پڑھیں اور دوسرے حضرات سے ”شرح حسامی للبنانی، ہدایہ اولین، سلم العلوم، شرح عقائد، میبذی“ پڑھیں، علی گڑھ میں دو سال رہنا ہوا۔

درجات علیا کی تعلیم: سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ پھر بندہ نے شوال ۱۳۶۰ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا یہاں تین سال قیام رہا اور شعبان ۱۳۶۳ھ میں دورہ حدیث پڑھ کر فارغ ہوا، پہلے سال ”ہدایہ جلد ثالث، ملا حسن، توضیح تلویح، دیوان المتنبی، دیوان الحماسہ، اور عروض المفتاح“ پڑھیں، اس سال کے اساتذہ میں مولانا محمد زکریا قدوسی، مولانا صدیق احمد کشمیری، مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری رحمہ اللہ تھے، آخر الذکر بعد میں مدرسہ کے ناظم بھی ہو گئے تھے اور کئی سال ناظم رہے۔

دوسرے سال ”جلالین شریف، مشکوٰۃ المصابیح، شرح نخبۃ الفکر، اور حمد اللہ شرح سلم العلوم“ پڑھیں، ”جلالین شریف“ اور ”حمد اللہ“ مولانا عبدالشکور کالمپوری رحمہ اللہ کے پاس تھیں جو تقسیم ہند کے بعد خیر المدارس ملتان میں مدرس ہو گئے تھے، ”مشکوٰۃ شریف“ مولانا قاری سعید احمد اجڑاڑوی رحمہ اللہ کے پاس پڑھی جو مدرسہ مذکورہ کے مفتی اعظم تھے ان کی کتاب ”معلم الحجاج“ معروف و مشہور ہے جس سے عوام و خواص سب مستفید ہوتے ہیں، آپ کا حدیث کے ادب کا یہ عالم تھا کہ ظہر سے عصر تک دو ڈھائی گھنٹے دوزانو بیٹھ کر ”مشکوٰۃ المصابیح“ پڑھاتے تھے ہر لفظ سے اخلاص نکلتا تھا، مفتی بھی تھے اس لئے درس میں حدیث و فقہ کا پرکیف امتزاج ہوتا تھا۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة و رفع درجاتہ)

تیسرے سال مظاہر العلوم میں دورہ حدیث پڑھا، ”صحیح البخاری“ جلد ثانی اور کچھ حصہ جلد اول کا مولانا عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ کے پاس پڑھا جو اس وقت مظاہر العلوم کے ناظم تھے، بخاری شریف کی بقیہ جلد دوم حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے پڑھی، اور ”سنن ابو داؤد“ بھی انہی کے یہاں ہوئی جب درس میں ان سے صوفیہ کی معرفت کی باتیں سنیں تو بہت عقیدت ہو گئی لہذا بیعت کی درخواست کردی اور انہوں نے بیعت فرمالیا۔

”صحیح مسلم“ مولانا محمد اسعد اللہ صاحب کے یہاں ہوئی، ”جامع ترمذی اور شمائل ترمذی“ اور ”شرح معانی الآثار للامام الطحاوی“ مولانا عبدالرحمن صاحب کالمپوری رحمہ اللہ سے پڑھی، حضرت موصوف رحمہ اللہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے متعدد مدارس میں پڑھایا جن میں خیر

المدراس ملتان قابل ذکر ہے، ”سنن نسائی، سنن ابن ماجہ“، اور ہردو ”مؤطا“ مولانا منظور احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کے پاس پڑھیں، اس زمانہ کے اوقات کی برکت کا یہ عالم تھا کہ یہ سب کتابیں مکمل ایک ہی گھنٹہ میں پوری پوری پڑھی ہیں صرف اتنا تھا کہ بخاری شریف کا سبق مغرب کے بعد بھی ہو جاتا تھا، اساتذہ کرام کی کیا شان تھی علوم کی جامعیت، علم حدیث میں تفوق اور اخلاص میں بے مثال تھے۔

مدرسہ: راقم الحروف نے دریافت کیا کہ فارغ ہونے کے بعد کہاں کہاں پڑھایا؟

اس کے جواب میں فرمایا کہ سب سے پہلے تو مدرسہ آثار الولیٰ پٹالہ ضلع گورداس پور میں چھ ماہ پڑھایا، یہ مدرسہ مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ نے قائم کیا تھا جو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ تھے اور مدرسہ کا نام بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ہی رکھا تھا، آج بخاری شریف کا پرچہ لکھا اور کل ہی جا کر مدرسہ مذکورہ میں درس دینا شروع کر دیا، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ کھنور ضلع میرٹھ میں اور مدرسہ دعائیہ، مدرسہ رحیمیہ، مدرسہ امینیہ، اور مدرسہ کاشف العلوم میں درس دیا، یہ سب مدارس دہلی میں ہیں، آخر الذکر مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین میں واقع ہے، ایک سال مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور جھر کا ضلع گڑگاؤں (میوات) میں بھی پڑھایا، دہلی میں آٹھ سال قیام رہا، پھر آٹھ سال کلکتہ میں گزارے یہاں مدرسہ ندائے اسلام اور جامع العلوم کلکتہ میں پڑھایا، کلکتہ ہی میں زاد الطالین تالیف کی، پھر حج کا انتظام ہو گیا حج کر کے واپس ہو رہا تھا تو مراد آباد میں مولانا محمد حیات صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ارادہ تو کلکتہ جانے کا تھا، لیکن مولانا موصوف نے روک لیا ان کی خدمت میں ڈھائی سال رہا اور جامعہ عربیہ حیات العلوم میں حدیث وفقہ کی کتابیں پڑھائیں، ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان نے دارالعلوم کراچی کے لئے طلب فرمایا اور ان کی خدمت میں بارہ سال رہا۔

میں نے عرض کیا کہ ”بلند شہری“ اور ”برنی“ ان دونوں کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا ہندوستان میں ایک شہر ”بلند شہر“ کے نام سے ہے، ہمارا گاؤں اسی ضلع میں تھا اور بلند شہر کا پرانا نام ”برن“ تھا، اس لئے اردو میں بلند شہری اور عربی میں ”البرنی“ لکھتا ہوں، پہلی بار ”البرنی“ لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ زاد الطالین کا مسودہ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب ملتانی رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا تھا پھر میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو اس کا ناسل تیار کرنے لگے، نام کے آگے جب شہر کی نسبت بلند شہری آئی تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کو مناسب نہ جانا اور یہ نسبت ذرا عجیب سی محسوس ہونے لگی اس پر میں نے عرض کیا کہ اس کی جگہ البرنی لکھ دیں، اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور اسی کو نام کے ساتھ لکھ دیا، اس وقت سے عربی کتابوں پر ”البرنی“ لکھا جاتا ہے اور اردو کتابوں پر ”بلند شہری“ حسب سابق مرقوم ہوتا ہے۔

فرمایا کہ جب میں مدینہ منورہ ہجرت کی نیت سے حاضر ہوا تو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک شیخ کو ”زاد الطالین“ کا

ایک نسخہ دیا وہ ٹائل دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ البرنی کیا ہے؟ تو میں نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم پہلے تو کچھ اور تھا اب اس کا دوسرا مطلب ہو گیا ہے کہنے لگے وہ کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ چونکہ مدینہ منورہ میں تبر بنی ہوتا ہے اس لئے میں نے البرنی بمعنی المدنی محول کر لیا ہے۔

ذوقِ تالیف: احقر نے عرض کیا کہ آپ کو تصنیف کا ذوق کہاں سے ملا؟

فرمایا کہ یہ میرا فطری ذوق ہے جب میں مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں پڑھتا تھا اس وقت نوعری ہی میں جب ”مفید الطالبین“ اور ”نفحة الیمن“ پڑھی جاتی تھی عربی ادب میں ایک رسالہ یونہی حکایات وغیرہ کو کاٹ پیٹ کر لکھا تھا، مظاہر العلوم کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی، زمانہ تعطیل میں ان کے پاس جایا کرتا تھا انہیں تو ہر شخص کو جماعت کے کام میں لگانے کا خاص ذوق تھا مجھ سے بھی فرمایا کہ تمہیں جماعت میں سات چلے دیئے ہوں گے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو کتابیں لکھوں گا، یہ سن کر فرمایا کہ پہلے سات چلے دینا پھر کتابیں ہی لکھنا، سات چلے تو اب تک نہ دے سکا لیکن تصنیف و تالیف کا سلسلہ مظاہر العلوم کے زمانہ طالب علمی میں شروع ہو گیا تھا، مدرسہ کے شیخ اتجوید والقرأت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں برابر تین سال تک حاضر ہوتا رہا اور اسی حاضری کے دوران بعض کتب تجوید کا حاشیہ لکھا تھا، حضرت الاستاذ قاری محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ بہت محبت کرتے تھے اس زمانہ میں شاطبیہ کی شرح لکھ رہے تھے مجھے اس میں شریک رکھتے تھے میرا نام محمد عاشق الہی انہوں نے ہی تجویز کیا اس سے پہلے صرف محمد عاشق تھا، پھر جب دورہ پڑھ کر فارغ ہوا تو تیسرے ہی سال ”فضائل صلاة وسلام“ لکھی اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ”الدر الثمین“ کا ترجمہ لکھا اور ”اغلاط العوام“ مؤلفہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی اضافات کے ساتھ جدید ترتیب دی اس وقت سے برابر تالیف کا سلسلہ جاری ہے جب کہیں مدرس ہو گیا تو اس کام میں کمی آگئی اور جب کبھی مدرس چھوڑی تو کتابیں لکھنے کا خوب موقع ملا۔

احقر نے سوال کیا کہ اب تک کتنی تالیفات ہو چکی ہیں؟

فرمایا کہ گذشتہ ہفتہ میں نے اپنی تالیفات کو شمار کیا تھا تو اسی (۸۰) تک تعداد پہنچی۔

میں نے عرض کیا کہ ان میں عربی کس قدر ہیں اور اردو میں کتنی ہیں؟

ان میں مشہور کتابیں کون سی ہیں؟

فرمایا کہ عربی میں ”مجالى الاثمار شرح معانى الآثار للام الطحاوی“ اور ”زاد الطالبین“ اور ”روضة الاحباب“ اور ”التسهيل الضرورى لمسائل القدورى“ اور ”العناقيد الغالية من الاسانيد العالیه“ زیادہ معروف ہیں۔ اور اردو میں ”تحفہ خواتین“ ”مرنے کے بعد کیا ہوگا“ ”آئینہ نماز“ اور ”بے عملوں کے حیلے بہانے“، ”فضائل دعا“، ”فضائل توبہ واستغفار“، ”فضائل علم“ ”شرعی پردہ“ اور ”التحفة المرضیة فی شرح المقدمة الجزریة“ زیادہ معروف ہیں۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ الحمد للہ عوام اور خواص سب ہی احقر کی تالیفات کو پڑھتے ہیں، صلحاء میں مقبول ہونا عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ شانہ سے بہت بڑے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں، الحمد للہ ”زاد الطالبین“ علماء و طلباء میں بہت زیادہ مقبول ہے، عربی فارسی اردو میں احقر کے علم کے مطابق اس کے دس حواشی لکھے جا چکے ہیں، پاکستان، ہندوستان، برما، بنگلہ دیش، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ کے مدارس میں شامل نصاب ہے۔

میں نے دریافت کیا کہ آپ نے کسی کتاب کے حقوق اپنے لئے یا کسی ناشر کے لئے مخصوص کئے ہیں؟
فرمایا: میری کسی کتاب کے حقوق محفوظ نہیں، میری طرف سے اب بھی اور ہمیشہ کے لئے ہر مسلمان کو ہر کتاب شائع کرنے کی اجازت ہے جب جس کا جی چاہے اور جتنی تعداد میں چاہے شائع کر سکتا ہے (مزید فرمایا) کتابوں کا حق طباعت محفوظ لکھنا انگریزوں کے ترکات سینہ میں سے ہے کوئی شخص دینی کتاب لکھے پھر اس پر کسی ناشر سے حق تصنیف یا حق طباعت کے عنوان پر پیسے طلب کرے یا اس کا امیدوار رہے یہ تو علمائے اسلام کے ذہنوں میں بالکل ہی نہ تھا اللہ کی رضا کے لئے کتابیں لکھتے تھے، کتاب لکھنا اور پھر اس کا حق محفوظ کرنا یہ تو علمی احتکار ہے اگر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث کاندھلوی قدس سرہما اپنی تالیفات کے حقوق محفوظ کرتے تو سارے عالم میں ان کی کتابیں کیسے پھیل تیں؟

احقر نے عرض کیا کہ آپ کی بعض کتابوں پر ”حقوق طبع محفوظ“ لکھا ہوا ہے اس پر فرمایا کہ یہ سب ناشرین کی کرم فرمائی ہے مجھ سے اجازت لئے بغیر لکھ دیتے ہیں اور بعض لوگوں نے تو غضب ہی کر دیا میرے منع کرنے پر بھی اپنے نام دائمی حقوق محفوظ لکھ دیا یہ سب کتب فروشوں کی دنیا داری ہے وہ سمجھتے ہیں کہ حقوق طبع محفوظ لکھ دو (اگرچہ مولف نے اجازت نہ دی ہو) تاکہ کوئی دوسرا نہ چھاپ سکے (زیادہ مال کمانے کے لئے جھوٹ بھی لکھتے ہیں اور علوم دینیہ کی اشاعت میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اگر دینی کتابوں کی اشاعت اللہ کی رضا اور دین کو پھیلانے کے لئے کرتے تو ایسی حرکت نہ کرتے۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کی پرانی کتابوں پر نام کے ساتھ ”مفتی“ چھپا ہوا نہیں ہے یہ کب سے چلا اور کہاں سے چلا؟
فرمایا: میں تو برس برس مدرس ہی تھا، پھر مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ دارالعلوم کورنگی کراچی میں طلب فرمایا، تین چار سال تک تو صرف تدریس کا کام ہی کرتا رہا، پھر جب ایک سال حضرت موصوف بیمار ہو گئے تو احقر کو حکم دیا کہ فتاویٰ لکھا کرو، میں نے اس سے پہلے نہ فتاویٰ لکھے تھے نہ یہ کام سیکھا تھا، ان کا فرمانا ہی بہت بڑی دعا کا کام دے گیا، اور پورے شرح صدر کے ساتھ آٹھ نو سال تک فتاویٰ لکھتا رہا، جو فتاویٰ غیر ملکوں میں جانے والے ہوتے تھے حضرت موصوف کی خدمت میں پیش کر کے ان پر دستخط لے لیتا تھا، کئی سال تک دارالعلوم کا دارالافتاء میرے ہی حوالہ رہا جب میں مدینہ منورہ آنے لگا تو حضرت والا نے فرمایا کہ ہمارے دارالافتاء کا کیا ہوگا؟ مگر خوشی سے اجازت دے دی اور سعودیہ کے اکابر کے لئے تعارفی خطوط بھی لکھ دیئے۔

میں نے دریافت کیا کہ مدینہ منورہ میں کتنے سال ہو گئے؟

فرمایا: کہ اٹھارہ سال ہو چکے ہیں اور یہیں مرنے کی نیت سے پڑا ہوں، اللہ تعالیٰ حیا و میناً مدینہ منورہ ہی میں رکھ لے۔
احقر نے عرض کیا کہ: اکابر میں کن کن حضرات سے ملاقات ہوئی اور کن حضرات کی صحبتیں اٹھائیں؟

فرمایا: حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تو احقر کے استاذ حدیث بھی تھے اور ان سے بیعت بھی تھا، ان سے مکاتبت بھی رہتی تھی اور خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا، پھر مدینہ منورہ جب ہجرت کر کے آیا تو حضرت والا پہلے سے ہجرت فرما کر آچکے تھے برابر خدمت میں حاضری ہوتی تھی مجھے کتابیں لکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اپنی جیب خاص سے خرچ کر کے ان کو چھپواتے تھے، ”انعام الباری فی شرح اشعار البخاری“ حضرت قدس سرہ کے حکم سے ہی لکھی تھی، پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامپوری اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوری اور حضرت مولانا ولی احمد صاحب کیمپوری، رحمۃ اللہ علیہم سے احقر نے علم حاصل کیا، یہ حضرات حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلفاء تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بار بار زیارت کی، ان کی تقریریں بھی سنیں اور ان کے گھر پر بھی دیوبند میں حاضر ہوا حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ”زاد الطالبین“ پر تقریظ بھی لکھی تھی جو مکتبہ کے مطبوعہ نسخوں میں ہے، مظاہر العلوم سہارنپور کے دوران قیام حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ مؤسس جماعت تبلیغ سے بہت تعلق ہو گیا تھا احقر مدرسہ کی تعطیلات میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا بہت محبت اور شفقت فرماتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی سہارنپور اور دہلی میں خوب زیارت ہوئی، بارہ سال مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں رہا، بہت فیض پایا، مجھے تو عقیدت تھی ہی حضرت والا بھی شفقت فرماتے تھے، جب میں دارالعلوم سے مدینہ منورہ چلا آیا تو اصحاب مجلس سے فرماتے کہ ہمارے گھر کا ایک آدمی چلا گیا۔ (افاض اللہ تعالیٰ علینا من فیوضہم)

عرض کیا مدینہ منورہ میں کیا مشاغل ہیں؟

فرمایا: ایک تو وہی تصنیف و تالیف کا شغل ہے چھوٹے بڑے رسالے تو لکھتا ہی رہتا ہوں آج کل تفسیر انوار البیان زیر تصنیف ہے، بعض عربی اور عجمی طلباء آ جاتے ہیں کچھ پڑھ لیتے ہیں یہ میری سعادت ہے کہ میں اپنے اکابر کے فیضان کا واسطہ بن رہا ہوں۔ (والحمد للہ تعالیٰ علی ذلک)

راقم الحروف

عبداللہ تسنیم عفا اللہ عنہ

۱۴۱۴ھ / ۹/۲۲

تصنیفات وتالیفات

- ① مجانی الآثمار من شرح معانی الآثار
- ② الروای تخریج احادیث الطحاوی
- ③ زاد الطالبین من کلام رسول رب العلمین
- ④ الفوائد السنیه فی شرح الاربعین النوویه
- ⑤ تفسیر سورة فاتحه
- ⑥ القادیانیة ماهی
- ⑦ التحفة المرضیة فی شرح مقدمة الجزریة
- ⑧ امت مسلمہ کی مائیں
- ⑨ حالات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
- ⑩ حالات حضرت ابوذر داء رضی اللہ عنہ
- ⑪ حالات حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ
- ⑫ حالات حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
- ⑬ حالات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
- ⑭ حالات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
- ⑮ اسلام کے لئے صحابہ کرام کی جانبازی
- ⑯ آخرت کے فکر مندوں کے پچاس قصے
- ⑰ مسنون دعائیں
- ⑱ اصلاحي چہل حدیث
- ⑲ اوصاف مؤمن
- ⑳ اسلامی آداب قرآن وسنت کی روشنی میں
- ㉑ فضائل امت محمدیہ
- ㉒ آمینہ نماز
- ㉓ تحفہ خواتین
- ㉔ مسلم خواتین کے لئے بیس سبق
- ㉕ شاہ ولی اللہ کی خوابی چہل حدیث
- ㉖ اسلامی نام
- ㉗ خدا کا ذکر
- ㉘ اخلاص نیت
- ㉙ ہماری مصیبتوں کے اسباب اور ان کا علاج
- ㉚ حقوق الوالدین
- ㉛ انعام الباری فی شرح اشعار البخاری
- ㉜ تذکرہ اصحاب صفہ
- ㉝ چھ باتیں
- ㉞ اخلاقی چہل حدیث
- ㉟ گلشن حدیث
- ㊱ کسب حلال واداء حقوق
- ㊲ جامع الفتاوی
- ㊳ فضائل درود شریف
- ㊴ بچوں کے لئے نماز
- ㊵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں
- ㊶ مجموعہ وصایا امام اعظم رحمہ اللہ
- ㊷ عربی کا آسان قاعدہ
- ㊸ جانوروں کے حقوق
- ㊹ اکرام مسلمین
- ㊺ شرعی پردہ
- ㊻ فضائل علم

- ④۷ تکملة الاعتدال فی مراتب الرجال
- ④۸ زبان کی حفاظت
- ④۹ فضل مبین شرح حصن حصین
- ⑤۰ رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں
- ⑤۱ نصائح رسول کریم ﷺ
- ⑤۲ اسلامی احکام سے پہلو تہی کرنے والوں کے حیلے اور بہانے
- ⑤۳ فتنہ انکار حدیث اور اسکا پس منظر
- ⑤۴ تمام اقوام عالم کو دعوت فکر
- ⑤۵ طریقہ حج و عمرہ
- ⑤۶ کتاب العمرہ
- ⑤۷ حالات جہنم
- ⑤۸ احوال برزخ
- ⑤۹ میدان حشر
- ⑥۰ خدا کی جنت
- ⑥۱ فضائل دعاء
- ⑥۲ فضائل رمضان و صیام
- ⑥۳ کامیابی
- ⑥۴ وحدت اسلامیہ کے مطالبات
- ⑥۵ ترقی
- ⑥۶ وحدت دینی و دانش کی کسوٹی پر
- ⑥۷ قادیانیوں کا چہرہ ان کے اصل رنگ میں
- ⑥۸ بریلوی مکتب فکر کے علماء کے لئے لمحہ فکریہ
- ⑥۹ تحفۃ المسلمین
- ⑷۰ التسہیل الضروری فی مسائل القدوری
- ⑷۱ الحناقید الغالیۃ من الاسانید العالیۃ
- ⑷۲ حاشیہ مسلسلات شاہ ولی اللہ
- ⑷۳ تفسیر انوار البیان (کامل نو جلد)



چند بنیادی باتیں

حدیث کے لغوی معنی: حدیث کا لغوی معنی، بات، گفتگو، نیا وغیرہ۔

حدیث کا اصطلاحی معنی: آپ ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں، نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں، تابعی کے قول و فعل کو بھی حدیث کہتے ہیں، تقریر سے مراد آپ ﷺ کا کسی واقعہ کا سامنے ہونے یا علم میں آنے کے بعد خاموش رہنا، خاموشی بھی تائید ہے۔

موضوع: آپ ﷺ کی ذات مبارک ہے، کیونکہ حدیث پاک میں آپ کی ذات مبارک سے ہی بحث کی جاتی ہے کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، وغیرہ کیسا تھا۔

غرض و غایت: یہ اگرچہ دو لفظ ہیں مگر عقلاء کے نزدیک مصداق میں ایک ہی ہیں وہ یہ ہے کہ وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا جو پڑھنے اور پڑھانے پر وارد ہوتی ہیں، مثلاً: ”نَضَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَهَا وَأَذَاهَا أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي قِيلَ: وَمَنْ خُلَفَاؤُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: الَّذِينَ يَرَوُونَ أَحَادِيثِي أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بعض لوگوں نے فرمایا: ”الْفَوْزُ بِسَعَادَةِ الدَّارِينَ“۔ فضیلت: جہاں تک علم حدیث کے شرف و فضل کا تعلق ہے وہ لاتعداد آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے ثابت ہے، مثلاً قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

تَرْجَمَہ: ”اے محمد ﷺ! لوگوں کو سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔“

حدیث شریف میں آتا ہے:

”نَضَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَهَا وَأَذَاهَا“

تَرْجَمَہ: ”اللہ تبارک و تعالیٰ سرسبز و شاداب رکھے ایسے شخص کو جس نے میری بات سنی، پھر اس کی حفاظت کی اور اسے ایسے شخص تک پہنچا دیا جس نے اس کو نہیں سنا تھا۔“

دوسری حدیث میں آتا ہے:

”اللَّهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي قِيلَ: وَمَنْ خُلَفَاؤُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: الَّذِينَ يَرَوُونَ أَحَادِيثِي“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرمائیے صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون

ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ ہیں جو میری احادیث کو روایت کرتے ہیں۔ (اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں)

کتاب کے مقدمہ کا ترجمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي شرفنا على سائر الامم برسالة من اختصه من بين الانام بجوامع الكلم وجواهر الحكم، وصلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارك وسلم ما نطق اللسان بمدحه ونسخ القلم. أما بعد! فهذا كتاب وجيز منتخب من كلام الشفيح العزيز، اقتبسته من الكتاب اللا مع الصبيح المعروف "بمشكوة المصايح" وسميته "زاد الطالبين من كلام رسول رب العالمين" الفاظه قصيرة، ومعانيه كثيرة، ينتضر به من قرأه وحفظه، ويتهج به من درسه وسمعه، ورتبته على البابين يعم نفعهما في الدارين، والله أسأل أن يجعله خالصا لوجهه الكريم، وسببا لدخول دار النعيم فانه واسع المغفرة وانه ذو الفضل العظيم.

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ جس نے ہمیں عزت دی تمام امتوں پر، اس ذات کو رسول بنانے کے ساتھ جسے ساری مخلوقات میں مخصوص فرمایا ہے جامع کلمات کے ساتھ اور حکمتوں کے انمول موتیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے اس پر اور اس کے اہل و عیال پر اور اس کے ساتھیوں پر اور برکت دے اور سلامت رکھے جب تک کہ زبان آپ کی تعریف کو بولے اور قلم لکھے۔ اما بعد! پس یہ مختصر کتاب ہے جو سفارش کرنے والے عزت والے کے کلام سے چھانٹی گئی ہے، میں نے اس کو چنا ہے اس کتاب سے جو کہ روشن اور چمکدار ہے جو "مشکوة المصايح" کے ساتھ مشہور ہے، اور میں نے اس کا نام رکھا ہے "زاد الطالبين من كلام رسول رب العالمين" اس کتاب کے الفاظ کم ہیں اور اس کے معانی بہت ہیں، تازگی حاصل کرے گا جو اس کو پڑھتا ہے اور سنتا ہے، میں نے اس کو مرتب کیا ہے دو بابوں میں کہ ان دونوں بابوں کا نفع عام ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کو کرے خالص اپنی ذات کریم کے واسطے اور نعمت کے گھر (جنت) میں داخل ہونے کے لئے ذریعہ بنا دے پس بیشک وہ بہت بخشنے والا اور بیشک بڑی فضیلت والا ہے۔

لَا تَخْشَى: الْحَمْدُ، حَمْدُ (س) بمعنی تعریف کرنا قال تعالى: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

لله: (س) إِلَهًا بمعنی تخییر ہونا، قال تعالى: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾.

شَرَّفْنَا: (تفعیل) بمعنی تعظیم کرنا، شرف بزرگی (ک) شَرَّفَهُ صاحب عزت ہونا، شَرِيف (س) شَرَفًا بلند ہونا

سَائِر: سَائِر: (س) سَائِرًا باقی رہنا، (ف) کچھ باقی چھوڑنا۔

الْأَمَم: جمع امت کی ہے، بمعنی جماعت قال تعالى: ﴿مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ﴾

رِسَالَتُهُ: بمعنی خط، پیغام، جمع رسائل اور رسالات آتی ہے، قال تعالى: ﴿وَأَنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾.

إِخْتَصَّ: (افعال) إِخْتِصَاصًا، خاص کرنا، قال تعالى: ﴿وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ خَصَّ (ن) خَصًّا، خاص کرنا۔

الْأَنَامُ: بالقصر وبالمد بمعنى مخلوق، قال تعالى: ﴿وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ﴾

جَوَامِعُ: جمع ہے جامع اسم فاعل کی، وہ کلام جو لفظ کے اعتبار سے کم اور معنی کے اعتبار سے بہت ہوں، جَمَعَ (ف) جَمْعًا بمعنی جمع کرنا۔

الْكَلِمُ: جمع ہے الْكَلِمَةُ کی، وہ بمعنی لفظ جو انسان بولے، قال تعالى: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ كَلِمَ (ن ض) كَلَمًا بمعنی زخمی کرنا۔

الْوَجْهُ: چہرہ، سامنے کا حصہ، جمع أَوْجُهُ، وَجُوهُ آتی ہے، قال تعالى: ﴿وُجُوهُ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ﴾

الْكَرِيمُ: صاحب کرم در گذر کرنے والا، اللہ کے ناموں میں سے ہے، كَرَمَ (ن) كَرَمًا کرم میں غالب ہونا، تَكْرِيمًا تعظیم کرنا۔

صَلَّى: اچھی تعریف کرنا، مرادی معنی رحمت بھیجنا، درود بھیجنا، صَلَّى صَلَوةً نماز پڑھنا، صَلَّى (س) صَلَّى اُگ میں جلنا۔

تَعَالَى: بلند ہونا، عَلَا (ن) عَلُوا کہا جاتا ہے ”عَلَا النَّهَارُ“ دن چڑھنا، عَلَى (س) عَلَاءً بلند ہونا ”عَلَى فُلَانٍ فِي الْمَكَارِمِ“ درجہ میں بلند ہونا۔

إِلَيْهِ: اہل و عیال، اس کا استعمال صرف اشرف میں ہوتا ہے، خواہ شرافت دینی ہو یا دنیاوی، قال تعالى: ﴿اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا﴾

وَصَحْبِهِ: صاحب کی جمع ہے بمعنی ساتھی، ایک ساتھ زندگی گزارنے والے، صَحَبَ باب فَتَحَ سے جانور کی کھال اتارنے کے معنی میں آتا ہے۔ البتہ ”باب سَمِعَ“ سے رفاقت اور زندگی گزارنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ صُحْبَةً ساتھ ہونا دوستی کرنا، قال تعالى: ﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ﴾

بَارَكَ: برکت کی دعاء کرنا ”بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيكَ“ برکت دینا، بَرَكَ (ن) بُرُوكًا اونٹ کا بیٹھنا۔

وَسَلَّمَ: وَسَلَّم عَلَيْهِ السَّلَام علیکم کہنا، سَلَّمَ (س) سَلَامَةً بمعنی نجات پانا، بچا لینا، قال تعالى: ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ﴾ ”السلام“ اللہ کا نام ہے۔

نَطَقَ: نَطَقَ (ض) نَطَقًا نَطُوقًا وَمَنْطِقًا بولنا، قال تعالى: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾

اللِّسَانُ: جمع أَلْسِنَةٍ لِّسَانَاتٍ وغیرہ آتی ہے، بمعنی زبان، مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، قال تعالى: ﴿وَهَذَا لِّسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾

بِمَدْحِهِ: مَدَحَ (ف) تعریف کرنا، ”مَدَحْتُ اللَّوْلُو“ میں نے موتی کی تعریف کی۔

الْقَلَمُ: جس سے لکھا جائے، قلم کا اطلاق تراشنے کے بعد ہوتا ہے، تراشنے سے پہلے اس کو ”يَرَاعَهُ اور قَصَبَهُ“ کہا جاتا ہے، جمع أَقْلَامٌ قِلَامٌ، قال تعالى: ﴿عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾

بَعْدَ: ظرف زمان ہے اضافت لازمی ہے قال تعالى: ﴿لِلَّهِ الْأُمُورُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ﴾

وَجِيزٌ: بروزن قلیل، مختصر کلام وَجَزَ (ض، ك) وَجَزًا الْكَلَامَ مختصر کرنا، کم سخن ہونا۔

مُنْتَخَبٌ: چنا ہوا، اِنْتَخَبَ الشَّيْءَ، چنا، نَخَبَ (ن) نَخْبًا فُلَانُ الشَّيْءَ، کھینچنا، عمدہ حصہ لینا۔

الْشَّفِيعُ: سفارش کرنے والا، شَفَعَ (ف) شَفَاعَةً مَشْفَعٌ لَهُ مِنْهُ إِلَيْهِ، سفارش کرنا، قال تعالى: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ﴾
الْعَزِيزُ: عزت والا، شریف، قوی، بادشاہ، اللہ کے ناموں میں سے ہے، جمع عِزَّازٍ، وَأَعِزَّاءٌ آتی ہے عِزٌّ، عِزًّا، عِزَّةٌ، غالب
ہونا (ن) عِزًّا، قوی کرنا، قال تعالى: ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾.

إِفْتَبَسْتُهُ: حاصل کرنا، سیکھنا، قَبَسَ (ض) قَبَسًا مِنْهُ النَّارَ، شعلہ حاصل کرنا۔

الْأَلَمِيعُ: روشن چمکدار ہونا، لَمَعَ (ف) لَمَعًا وَلَمَعَانًا وَلُمُوعًا، البرق، بجلی کا چمکنا، روشن ہونا۔

الْصَّبِيحُ: خوب صورت، جمع صِبَاحٍ، صَبَحَ (س) صَبَحًا، چمکدار ہونا، صَبَحَ (ك) صَبَاحَةَ الْوُجْهِ، چہرے کا روشن ہونا۔
الْمَعْرُوفُ: اسم مفعول، مشہور، خیر، احسان، رزق، ہر وہ چیز جو شریعت میں بہتر ہو، عَرَفَ (ض) عِرْفَةً وَعِرْفَانًا پہچاننا،
عَرَفَ (ن) عَرَفَةً عَلَى الْقَوْمِ، چودہری، قال تعالى: ﴿فَاتَّبَاعُ بِالْمَعْرُوفِ﴾.

الْمِشْكُوهُ: طاق، چراغ دان، قال تعالى: ﴿كَمْ مِشْكُوهٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾

الْمِصَابِيحُ: مصباح کی جمع ہے، بمعنی چراغ۔

سَمِيئَتُهُ: سَمًا (ن) وَسُمُوءًا ملند ہونا، "سَمَوْتُ إِلَيْهِ بَصَرِي"، اس کی طرف میں نے نگاہ اٹھائی، اگر مصدر "سَمَوًا" ہو تو
بمعنی نام رکھنا، قال تعالى: ﴿سَمِيئَتُوهَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ﴾.

زاد: سفر کے لئے تیار کیا ہوا کھانا، جمع أَزْوَادٍ، آتی ہے، زَادَ (ن) زَوْدًا، توشہ لینا قال تعالى: ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾
الطَّالِبِينَ: طالب کی جمع ہے، شاگرد، جمع طُلَبَاءٍ طَلَبَ (ن) طَلَبًا الشَّيْءَ دھونڈنا، علم حاصل کرنا، قال تعالى: ﴿ضَعُفَ
الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾

رَسُولٌ: بھیجا ہوا جمع رُسُلٍ، قال تعالى: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾

رَبٌّ: سردار، مالک، پرورش کرنے والا، اللہ کے ناموں میں سے ہے جمع أَرْبَابٍ، رُبُوبٌ، رَبٌّ (ن) رَبًّا، القوم سردار ہونا قال
تعالى: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾.

الْعَالَمِينَ: جمع عالم، ساری مخلوق ماسوی اللہ، قال اللہ تعالى: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾.

الْفَاطَةُ: واحد لَفِظٌ، لَفِظَ (ض، س) "لَفِظًا الشَّيْءَ وَبِالشَّيْءِ مِنْ فَمِهِ" منہ سے پھینکنا، قال تعالى: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ
إِلَّا لَدَيْهِ﴾.

قَصِيرَةٌ: چھوٹا، چھوٹے قد کا ہونا، جمع قِصَارٍ، قَصِيرَاتٍ، قَصَائِرُ آتی ہے، قَصَرَ (ك) قَصْرًا وَقَصَارَةً چھوٹا ہونا۔

مَعَانِيہُ: کلام کا مضمون، معنی الکلمۃ، جمع مَعَانٍ، اس سے انسان کے صفات محمودہ بھی مراد لئے جاتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے "فلان
حسن المعانی".

كَثِيرَةٌ: بہت، كَثُرَ (ك) كَثَرَةً، وَكَثَارَةً، بہت ہونا (ن) كَثُرَ الرَّجُلُ كَثُرَتْ فِيهِ، لَكُمْ فِيهَا
مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ

يَتَنَصَّرُ: تروتازہ ہونا، نَصَرَ (ن، س، ك) نَصْرَةً، نَصُورًا، تروتازہ ہونا قال تعالى: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ﴾

قرأ: (ف، ن) قَرَأَ وَقِرَاءَةً پڑھنا، قال تعالى: ﴿فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ﴾.

حَفِظَهُ: (س) حفاظت کرنا، زبانی یاد کرنا، اس سے حفیظ بھی ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ہے قال تعالى: ﴿حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾.

يَبْتَهِجُ: خوش ہوتا ہے، بَهَجَ (ف) بَهَجًا خوش کرنا (س) بَهَجًا خوش ہونا (ک) بَهَاجَةً وَبُهَجَانًا خوبصورت ہونا قال تعالى: ﴿حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ﴾.

دَرَسَهُ: دَرَسَ (ن) دُرُوسًا پڑھنا، وِدْرَاسًا باہم پڑھنا، مدرسہ تعلیم حاصل کرنے کی جگہ، قال تعالى: ﴿وَدَّرَسُوا مَا فِيهِ﴾. وَرَتَّبَهُ: رَتَبَ (ن) رَتَبًا وَرُتُوبًا قائم و ثابت ہونا، رَتَبَ فِي الصَّلَاةِ نماز میں سیدھا کھڑا ہوا۔

الْبَائِيْنَ: یہ تثنیہ ہے باب کا معنی دروازہ، مراد کتاب کا باب ہے، جمع أَبْوَاب ہے، قال تعالى: ﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ﴾. يَعُمُّ: عَمَّ (ن) عُمُومًا عام ہونا، الْعَائِم سب کو شامل ہونے والا اسی سے ہے عام لوگ جمع عوام۔

نَفَعَهَا: نَفَعَ (ف) نفع دینا اسی سے النافع ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ہے قال تعالى: ﴿أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾. الدَّارَيْنِ: دَارٌ کی تثنیہ ہے گھر، رہنے کی جگہ، جمع دُور دِيَارٌ، أَذُورٌ، دُورَاتٍ، دُورَان، قال تعالى: ﴿أُولَئِكَ لَهُمْ عُقُوبَى الدَّارِ﴾. أَسْأَلُ: سَأَلَ (ف) سُؤلاً، وَسْأَلَةً طلب کرنا، درخواست کرنا، سائل، مانگنے والا جمع سَائِلُونَ آتی ہے۔

يَجْعَلُهُ: جَعَلَ جَعْلًا بنانا، پیدا کرنا، جَعَلَهُ حَاكِمًا اس نے اسے حکم مقرر کیا، قال تعالى: ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾. خَالِصًا: بے کھوٹ، صاف رنگ، جمع خُلَصَ ہے خُلَصَ (ن) خُلُوصًا خالص ہونا قال تعالى: ﴿لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا﴾. سَبَّابًا: راستہ، ذریعہ، رسی جمع سَبَابٍ.

دُخُولٌ: دَخَلَ (ن) دُخُولًا اندر آنا، داخل ہونا، قال تعالى: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ﴾.

النَّعِيمِ: آرام، نَعِمَ (ف، س) نِعْمَةً خوش حال ہونا، دَارُ النَّعِيمِ سے مراد جنت ہے، قال تعالى: ﴿أُولَئِكَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾.

وَاسِعٌ: کشادہ ہونا، وَسِعَ (ف، س، ك) وَاسِعَةً وَوُسْعًا، کشادہ ہونا، کشادہ کرنا، قال تعالى: ﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعٌ الْمَغْفِرَةِ﴾.

الْمَغْفِرَةِ: معافی، بخشش، غَفَرَ (ص) غَفْرًا وَغُفْرَانًا معاف کرنا، چھپانا، قال تعالى: ﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعٌ الْمَغْفِرَةِ﴾. الْفَضْلُ: فَضِلَ (ن، س) فَضْلًا باقی رہنا، زائد ہونا، قال تعالى: ﴿إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ﴾.

الْعَظِيمِ: زیادتی احسان، بڑا ہونا، صفت عظیم ہے، العظم ہڈی کو کہتے ہیں، ”ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ“، بڑے فضل والا۔ جَوَاهِرُ: جمع جَوْهَرَةٍ کی بمعنی قیمتی پتھر۔

الْحِكْمُ: جمع ہے حکمت کی بمعنی عدل، بردباری علم، حَكَمَ (ك) حِكْمَةً بمعنی دانا ہونا قال تعالى: ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ﴾.

الباب الأول

پہلا باب

فی جوامع الکلم ومنابع الحکم والمواعظ الحسنة

لُغَاتُ: مَنَابِعُ: جَمْعُ مَنَبْعٍ كِي، نَبَعَ (س، ك) نَبَعًا وَنَبْعَانًا، چشمہ سے پانی نکلنا۔ اَلْمَوَاعِظُ: جَمْعُ هُوَ مَوْعِظَةٌ كِي، مَعْنَى وَعِظٌ، نَصِيحَتٌ، وَعَظٌ وَعَظًا وَعِظَةٌ نَصِيحَتٌ كَرْنَا اِیْسِی بَات كِهْنَا جَس سے دل نرم ہو جائے، قَالَ تَعَالَى: ﴿قُلْ اِنَّمَا اَعْطُكُمْ بِوَاحِدَةٍ﴾ اَلْحَسَنَةُ: نِیْكَی، بھلائی، حَسَنٌ كَامُونَتٌ هے، جَمْعُ حِسَانٌ، حَسَنَاتٌ اور حَسَنٌ، مَذَكَّرُ كِي جَمْعُ صَرَفُ حِسَانٌ آتی هے، حَسَنٌ (ك، ن) حُسْنًا خُوب صُورَت، اچھا ہونا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ﴾.

اعمال کا درودار نیتوں پر هے

① قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهَاجَرَتْهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهَاجَرَتْهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

تَرْجَمَہ: ”نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”تمام کاموں کا دارودار نیتوں پر هے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو وہ نیت کرے، پس جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے تو اس کی ہجرت هے اللہ اور اس کے رسول کے لئے اور جس نے ہجرت کی دنیا کمانے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے، تو جس نے جس غرض کے لئے ہجرت کی اس کی ہجرت اسی غرض کے لئے هوگی۔“

لُغَاتُ: اَعْمَالُ: عَمَلٌ كِي جَمْعُ هے بمعنی کام (س) کام کرنا، قَالَ تَعَالَى: ﴿لَنَّا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ اَلنِّيَّاتُ: نِيَّةٌ كِي جَمْعُ هے دل کا ارادہ، نَوَىٰ يَنْوِي نِيَّةً، ”بِتَشْدِيدِ الْبَاءِ وَتَخْفِيفِ الْيَاءِ“ معنی قصد کرنا ارادہ کرنا۔

اِمْرِي: معنی مرد اس کی ضد اِمْرَأَةٌ آتی هے بمعنی عورت۔ هِجْرَتُ: تَرْكُ وَطَنٍ (ن) هَجْرًا وَهَجْرَانًا، اصطلاح میں ہجرت کے دو معنی آتے ہیں، تَرْكُ وَطَنٍ، دوسرا تَرْكُ مَعْصِيَةٍ، یہاں پر اول والا ہی معنی مراد هے، قَالَ تَعَالَى: ﴿مِنْ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ﴾ دُنْيَا: مَوْجُودَةُ زَنْدُكِي، دَنَا، يَذْنُوْا، دُنُوْا، (ن) کسی چیز کا قریب ہونا، قَالَ تَعَالَى: ﴿خَسِرَ

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ يُصِيبُهَا: أَصَابَ يُصِيبُ إِصَابَةً، (باب افعال) أَلْشَى لَنَا، حاصل کرنا، پالینا پہنچنا، صَابَ (ض) يَصِيبُ صَيْبًا، نشانہ پر لگنا، درست ہونا، قال تعالى: ﴿أَوْ يُصِيبُهمْ عَذَابُ الْيَمِّ﴾ يَتَزَوَّجُهَا: نکاح کرنا، قال تعالى: ﴿زَوَّجْنَاهَا لِكَيْلَا يَكُونُ﴾

تشریح: حدیث کا شان و رود: جس طرح قرآن کی آیتوں کا شان نزول ہوتا ہے تو اسی طرح احادیث کا بھی شان و رود ہوتا ہے، حدیث بالا کے بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں ایک روایت ”مَوَاهِبُ لَدُنِّيَّہ“ میں بحوالہ ”مُنْتَهَى الْأَمْثَالِ لِلْسُّيُوطِيِّ“ کی ہے، اس روایت میں ہے کہ ایک صاحب نے ہجرت کی اور پھر ایک عورت سے نکاح کر لیا، دوسری روایت ”طبرانی“ میں ہے اس روایت میں اس عورت کا نام ”ام قیس“ بتایا گیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس عورت کا نام تو قیلہ تھا کنیت ام قیس تھی۔^(۱)

حدیث کی فضیلت: یہ بہت ہی عظیم الشان حدیث ہے اس حدیث کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ثلث علم ہے۔^(۲)

اس کی وجہ بیان کی ہے کہ انسان کے کل اعمال کی تین قسمیں ہیں: اول: وہ عمل جس کا تعلق دل سے ہو، دوم: وہ عمل جس کا تعلق زبان سے ہو، سوم: وہ عمل جس کا تعلق اعضاء سے ہو، اس حدیث کا تعلق ان تینوں ہی کے ساتھ ہے۔

ابن دقیق العید نے فرمایا کہ: علماء نے اس حدیث کو ثلث الاسلام کا لقب دیا ہے۔^(۳) امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث نصف فقہ ہے۔ علماء عموماً اس حدیث سے ہی اپنی کتابوں کو شروع کرتے ہیں تاکہ پڑھنے پڑھانے والے اپنی نیتوں کو اول ہی سے درست کر لیں۔^(۴)

الْأَعْمَال: یہ عمل کی جمع ہے، عمل اور فعل کو بعض علماء نے مترادف بتایا ہے،^(۵) لیکن امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فرق ہے فعل عام ہے، اختیاری اور غیر اختیاری دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، بخلاف عمل کہ یہ صرف اختیاری پر ہی بولا جاتا ہے۔

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”عمل وہ ہے جس میں مشقت ہو بخلاف فعل کے کہ اس میں^(۶) مشقت نہیں ہوتی۔“

نیات: یہ نیت کی جمع ہے، پھر نیت کی علماء نے تین قسمیں بیان کی ہیں:

اول:..... ”تمییز عبادت عن العادات“، نیت کے ذریعہ عبادت کو عادت سے جدا کرنا، مثلاً ایک آدمی نماز کی حالت میں کھڑا ہے، اگر اس نے نیت کی ہے تو نماز ہے ورنہ وہ ویسا ہی کھڑا ہے۔

دوم:..... ”تمییز عبادت عن الْعِبَادَةِ“، نیت کے ذریعہ ایک عبادت کو دوسری عبادت سے جدا کرنا مثلاً نیت کے ذریعہ ظہر

(۱) فتح الباری ۸/۱، فیض الباری، مرقاۃ، تعلیق، فضل الباری ۱۳۹/۱، عمدۃ القاری، ص ۲۸/۱، مرآۃ المفاتیح ۳۴/۱

(۲) فتح الباری، مرقاۃ، ۳۲/۱ (۳) فتح الباری ۱۰/۱ (۴) فتح الباری، ۱۱/۱، مرآۃ المفاتیح، ۳۲/۱

(۵) قاموس، یہ لغت کی کتاب ہے، جس کے مصنف مجد الدین ابن یعقوب فیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ء ہیں (۶) فیض الباری، ص ۵/۱

وعصر کی نماز میں فرق کرنا۔

سوم: ”تمییز معبود عن المعبود“: نیت کے ذریعہ ایک معبود کی عبادت سے دوسرے معبود کی عبادت کو جدا کرنا، مثلاً کوئی نماز پڑھ رہا ہے اب نیت سے معلوم ہوگا کہ اللہ کے لئے پڑھ رہا ہے یا کسی اور معبود کے لئے۔ (۱)
حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں وہی عمل قابل قبول ہوگا جو صحیح نیت سے کیا گیا ہو اگر نیت صحیح نہیں تو وہ عمل فاسد اور مردود ہوگا۔ (۲)

دنیا کے ساتھ عورت کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا؟

سُئِلَ: ”دنیا میں عورت بھی داخل تھی، تو پھر عورت کو مستقل کیوں ذکر کیا؟“
محدثین نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں:

اول: مورد حدیث چونکہ ایک عورت کا ہی واقعہ ہے اس لئے خصوصیت سے اس کو بیان کر دیا۔ (۳)

دوم: یہ جواب صاحب ”مَوَاهِبُ لَدُنِيهِ“ نے دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو انصار نے ان کے ساتھ ہمدردی کی کہ اپنی جائیداد اور مال وغیرہ ان کو دینا چاہا، یہاں تک کہ بعض انصار نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہا کہ میری بیویوں میں سے جو تم کو پسند ہو میں اس کو طلاق دیتا ہوں تم اس سے نکاح کر لینا تو اس بات کا احتمال ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ مکہ میں مال اور بیویوں سب کو چھوڑ دو مدینہ میں سب کچھ مل جائے گا مال بھی اور عورت بھی اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ان دونوں ہی کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

سوم: عورت کا فتنہ بڑا فتنہ ہے اس میں بڑے بڑے لوگ پھنس جاتے ہیں، اس وجہ سے عورتوں کو خاص طور سے بیان فرمایا (۴) بقول اکبر الہ آبادی:

اکبر نہ دب سکے کبھی برٹش کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیوی کی نوج سے

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۱ پر ہے، اور پوری حدیث بھی انہی الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجه البخاری ومسلم فالبخاری فی مواقع متعددة مثلاً فی باب کیف کان بدء الوحی وفی باب الخطاء والنسیان الخ، واخرجه مسلم فی کتاب الامارة فی باب قوله انما الاعمال بالنية.
ترکیبِ حَدِيثٍ: قال: فعل، النبی: فاعل۔ صلی: فعل۔ لفظ اللہ: فاعل۔ علی: حرف جار۔ ہ: مجرور جار مجرور یہ متعلق ہوا صلی فعل کے صلی فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ معطوف علیہ۔ و: حرف عطف، سلم: فعل ضمیر۔ ہو: فاعل، فعل اپنے

(۱) التعلیق الصبیح ص ۹/۱، مرعاة المفاتیح ۳۴/۱ فتح الباری

(۲) فیض الباری، فتح الباری، ۱۰/۱، التعلیق الصبیح ص ۱۰/۱ (۳) عمدة القاری ص ۲۸/۱، فضل الباری، ۱۳۹/۱

فاعل سے مل کر جملہ معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ دعائیہ انشائیہ معترضہ ہوا۔

انما: کلمہ حصر۔ الاعمال: مبتداء۔ باء: حرف جار۔ النیات: مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا محذوف فعل کے، محذوف فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر الاعمال مبتداء کی خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، انما: کلمہ حصر۔ لامری: ل: حرف جار۔ امری: مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا ثابت محذوف کے ثابت صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مقدم۔ ما: موصولہ۔ نوی: فعل، ضمیر فاعل، نوی فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول اپنے صلہ سے مل مبتداء مؤخر، مبتداء مؤخر خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

فمن: فاء: تفصیلیہ۔ من: موصولہ۔ کانت: فعل ناقص۔ ہجرتہ: مضاف ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر کانت کا اسم ہوا۔

الی: حرف جار۔ لفظ اللہ: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ رسول: مضاف، ہ: مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر الی جار کا مجرور ہوا جار اپنے مجرور سے مل کر اسم محذوف کے متعلق ہو کر خبر ہوئی کانت کی، کانت اپنے اسم اور خبر سے مل کر من کا صلہ ہوا موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء متضمن معنی شرط ہوا۔

فہجرتہ: فاء: جزائیہ۔ ہجرتہ: مضاف ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ الی: حرف جار۔ لفظ اللہ: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ رسولہ: مضاف۔ ہ: مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر الی جار کا مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر محذوف اسم کے متعلق ہو کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر قائم مقام جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ من: موصولہ۔ کانت: فعل ناقص۔ ہجرتہ: مضاف ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر اسم ہوا کانت کا۔ الی: حرف جار۔ دنیا: موصوف۔ یصیب: فعل ضمیر فاعل۔ ہا: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف علیہ۔ او: حرف عطف، امراة: موصوف۔ یتزوجھا: فعل، ضمیر فاعل۔ ہا: ضمیر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر الی جار کا مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر محذوف اسم کے متعلق ہو کر خبر ہوئی کانت کی، کانت اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء متضمن معنی شرط ہوا۔ فہجرتہ: فاء: جزائیہ۔ ہجرتہ: مضاف، ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔

الی: حرف جار۔ ما: موصولہ۔ ہاجر: فعل ضمیر فاعل۔ الی: حرف جار۔ ہ: مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا ہا ہاجر فعل کے، ہاجر فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، صلہ اپنے موصول سے مل کر الی جار کا مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر یہ متعلق ہوا ”کانتہ“ کے کانتہ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر قائم مقام جزاء شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

الجملة الاسمية

جملہ اسمیہ

اس باب میں وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جو ترکیب میں جملہ اسمیہ ہوں گی، یعنی ان کا پہلا لفظ اسم سے ہوگا

دین نصیحت کا کام ہے

② الدِّينُ النَّصِيحَةُ.

ترجمہ: ”دین سراسر نصیحت ہے۔“

لُغَاتُ: الدِّينُ: بمعنی ملت و مذہب، جمع اَدْيَانِ آتی ہے۔ النَّصِيحَةُ: اسم مصدر ہے، خیر خواہی کرنا، جمع نَصَائِحُ آتی ہے، خالص کے معنی میں بھی آتا ہے، تَوْبَةُ نَصُوحًا، خالص توبہ، قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا﴾

نَصُوحًا

تَشْرِیح: مطلب یہ ہے کہ نصیحت اور خیر خواہی افضل ترین عمل ہے، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث تمام دین کا خلاصہ ہے کیونکہ نصیحت کے معنی اخلاص کے ہیں اور اخلاص ہی تمام عبادات کی جان ہے، اس کے بغیر عبادات مردود ہیں۔^(۱)

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے یہاں تک فرمایا کہ: النصیحة کے معنی ادا کرنے کے لئے کلام عرب میں کوئی لفظ نہیں، یہی بات علامہ خطاب نے کہی ہے،^(۲) مگر بعض علماء نے فرمایا کہ: عرف میں نصیحت اس کو کہتے ہیں کہ: خلوص و محبت کے ساتھ کسی کو کوئی خیر کی بات بتائے،^(۳) اردو میں اس کا قریب ترین ترجمہ خیر خواہی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، تمام قسم کی خیر خواہی اس میں داخل ہو کہ کوئی سلام کرے تو جواب دے، کوئی بیمار ہو جائے تو عیادت کو جائے، کسی کو دھوکہ نہ دے، چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا ادب کرے، چغلی نہ کرے، غیبت نہ سنے اور نہ کرے وغیرہ، (الی غیر ذلك ما لا یکاد ینحصر فی العبارة)^(۴)

تمام کی تمام خیر خواہیاں اس میں داخل ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جو امح الکلم عطا فرمایا تھا، یہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ ایک مختصر سی حدیث میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو جمع فرمادیا۔^(۵)

(۱) شرح مسلم فتح الباری ۱/۱۳۸، تقریر بخاری من افادات شیخ الحدیث محمد زکریا رحمہ اللہ ۱/۱۵۸

(۲) فتح الباری ۱/۱۳۸ (۳) فتح الباری ۱/۱۳۸، مرقاة ۹/۲۲۳، اشعة اللمعات ۳/۱۳۰

(۴) مرقاة شرح مشکوٰۃ ۹/۲۲۳، شرح الرعین ۶۱، ۶۲ (۵) مظاہر حق ۲/۵۳۲

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة على الخلق“، ص ۴۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

وعن تميم الدارى انّ النّبي صلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قال: الدين النصيحة ثلاثا قلنا: لمن، قال: للّٰه
ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ”البخارى“ فى كتاب الايمان (فى باب قول النّبي صلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم الدين
النصيحة). واخرجہ ”مسلم“ فى كتاب الايمان فى باب بيان الدين النصيحة
ترکیبِ حَدِيثِ: الدين: مبتدا۔ النصيحة: خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



مجالس کی باتیں امانت ہوتی ہیں

③ الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ.

تَرْجَمَةٌ: ”مجالس امانت کے ساتھ وابستہ ہیں۔“

لُعَامَتُ: الْمَجَالِسُ: جمع مجلس کی ہے، بیٹھنے کی جگہ، جَلَسَ (ض) جُلُوسًا وَمَجْلِسًا، بیٹھنا، قال تعالى: ﴿تَفْسَحُوا فِي الْمَجَالِسِ﴾. الْأَمَانَةُ: جمع امانات آتی ہے، بمعنی محفوظ کرنا، فریضہ خداوندی، اَمِنَ (س، ض) محفوظ ہونا، قال تعالى: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ﴾.

تَشْرِیح: اس حدیث میں مجلس کے آداب میں سے یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ مجلس کی تمام باتیں مصلحت اور اصحاب مجلس کی اجازت کے بغیر دوسروں سے اس کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ: کسی شخص کے لئے یہ بات زیبا نہیں کہ جب کسی مجلس میں کسی کے بارے میں کوئی بات ہو تو وہ اس بات کو لوگوں کے سامنے افشاء کرتا پھرے، ہاں تین مجلسوں کی باتوں کو افشاء کرنے کی اجازت ہے:

① جس میں کسی کے ناحق قتل کی بات ہو رہی ہو۔

② کسی عورت کی عصمت لوٹنے کی بات ہو رہی ہو۔

③ کسی کا مال ناحق لینے کی بات ہو رہی ہو، اس میں حکم ہے کہ ان کے متعلقہ لوگوں کو فوراً آگاہ کر دے تاکہ وہ اپنے آپ کو بچالیں۔^(۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس مجلس کی بات بھی افشاء کرے جس میں دین یا قوم کو نقصان پہنچانے کی گفتگو ہو رہی ہو۔^(۲)

یہ حدیث ”مشکوٰۃ“ میں ”باب الحذر والتانی فی الامور“ ص ۴۳۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المجالس بالامانة الا ثلثة مجالس، سفک دم حرام، او فرج حرام، او اقتطاع مال بغير حق.

تَحْرِیجِ حَدِيثِ: أخرجه ابو داؤد فی کتاب الادب عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

تَرْکِیْبِ حَدِيثِ: المجالس: مبتداء۔ باء: حرف جار۔ الامانة: مجرور، جار مجرور سے مل کر محذوف اسم کے متعلق ہو کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دعاء عبادت کا مغز ہے

④ الدُّعَاءُ مُغْزُ الْعِبَادَةِ.

ترجمہ: ”دعا عبادت کا مغز ہے۔“

الْغَايَةِ: الدُّعَاءُ: یہ دعا کا مصدر ہے، دَعَا يَدْعُو (ن) دُعَاءٌ وَدَعْوَى پکارنا، مدد طلب کرنا، قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾. مُغْزٍ: ہڈی کا گودا، جمع مِغَاخِ آتی ہے۔

تشریح: تمام عبادات کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں عاجزی آجائے اور یہ بات دعا میں بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہے (۱) اسی وجہ سے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (۲) جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں تو عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے یہاں پر عبادت سے مراد دعا ہے، آپ ﷺ نے بھی فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دعا کے شروع میں اللہ کی تعریف اور پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور پھر یقین کے ساتھ دنیا و آخرت کے بارے میں جو مانگنا ہے مانگے آخر میں پھر درود پڑھے مگر کسی گناہ کے کام، قطع رحمی، یا وہ امور جو عقلاً یا شرعاً محال ہوں ان امور کی دعا نہ کرے، دعا قبول ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ آدمی حرام مال و غذا سے بچے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: مسافر، پراگندہ بال پریشان حال شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے لیکن اس کا کھانا، اس کا لباس اور اس کا مال حرام ہوتا ہے تو کیسے اس کی دعا قبول ہوگی۔

یہ حدیث ”مشکوٰۃ“ میں ”کتاب الدعوات“ ص ۱۹۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدُّعَاءُ مُغْزُ الْعِبَادَةِ.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی کتاب الدعوات عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال الترمذی هذا حدیث غریب.

ترکیب حدیث: الدعاء: مبتداء۔ مخ: مضاف۔ العبادۃ: مضاف الیہ: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتداء کی خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

حیاء ایمان کا حصہ ہے

⑤ الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: ”حیاء ایمان کا حصہ ہے۔“

لُعَاتِكُ: الْحَيَاءُ: شرم و حیاء، قال تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً﴾. شُعْبَةٌ: فرقہ، شاخ، پانی بننے کی جگہ، مراد فرقہ و شاخ ہے جمع شُعَبٌ و شُعَابٌ آتی ہے۔

تفسیر: حیاء کی تعریف: حیاء کی تعریف میں ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ اس کیفیت کا نام ہے جو آقا کے سامنے درخواست و طلب سے آدمی کو باز رکھے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے کسی نے حیاء کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ: اللہ کی بے شمار نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں کو دیکھ کر نفس میں جو حالت پیدا ہو اس کو حیاء کہتے ہیں، حیاء کو ایمان کا حصہ بیان کیا گیا، کیوں کہ حیاء کی وجہ سے آدمی بہت سے گناہوں (زنا، چوری، گالی گلوچ، وغیرہ) سے بچ جاتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر حرام کام ہے تو اس میں حیاء کرنا واجب ہے، اگر مکروہ ہے تو مندوب اور اگر مباح ہو تو حیاء عرفی ہے اور جس میں حیاء نہ ہو تو اس کو مجنون اور پاگل کہا جائے گا۔ (۱)

شعبۃ: شعبۃ میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی حیاء ایمان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

سؤال: ایمان کے اور بہت سے حصے اور شاخیں ہیں تو یہاں خصوصی طور سے حیاء کو کیوں بیان کیا؟

جواب: حیاء ہی ایسی چیز ہے جو بوجہ خوف دنیا و آخرت کے ہر معروف کی طرف داعی اور ہر منکر سے مانع ہوتی ہے، یعنی تمام امور کی انجام دہی کے لئے یہی سبب بنتی ہے، اس لئے خصوصی طور سے بیان کیا گیا۔ (۲)

حیاء کرنے سے آدمی بہت سے گناہوں سے رُک جاتا ہے مثلاً زنا، ناچ گانا، چوری وغیرہ۔

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا حیاء کو خصوصی طور سے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر طبعی ہے، عموماً اس کی طرف ذہن نہیں جاتا اس لئے یاد دلایا گیا کہ حیاء بھی ایمان کا حصہ ہے۔ (۳)

اس حدیث کو شاعر نے کیا خوب ادا کیا ہے:

إذا لم تخش عاقبة الليالي * ولم تستحي فاصنع ما تشاء

فلا والله ما في العيش خير * ولا الدنيا اذا ذهب الحياء

يعيش المرأ ما استحي بخير * ويبقى العود ما بقي الحياء

ترجمہ: ”جب تو راتوں کے انجام سے نہیں ڈرتا، اور شرم نہیں کرتا تو جو تو چاہے کرتا رہے، اللہ کی قسم زندگی میں کوئی

خیر نہیں، اور نہ دنیا میں جب کہ حیا چلی گئی ہو آدمی کی زندگی جب تک ہی ہے جب تک خیر کے ساتھ زندہ رہے کیونکہ ٹہنی کی بقاء اسی وقت تک ہے جب تک اس کا تنا باقی ہے۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۲، پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الایمان بضع وسبعون شعبة افضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الایمان.

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری فی کتاب الایمان (باب امور الایمان) عن ابی هريرة واخرجہ مسلم فی شعب الایمان عن ابی هريرة رضي الله تعالى عنه.

ترکیب حدیث: الحياء: مبتداء۔ شعبة: موصوف۔ من: حرف جار۔ الایمان: مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر محذوف کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت ہوئی موصوف صفت سے مل کر خبر ہوئی مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

قیامت کے دن آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے دنیا میں محبت کرتا تھا

⑥ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.

ترجمہ: ”آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے۔“

لُغَاتُكَ: الْمَرْءُ: مرد، ضدِ امْرَأَة، قَالَ تَعَالَى: ﴿يَوْمَ يَقْرَأُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ﴾. أَحَبَّ: باب افعال سے بمعنی محبت کرنا، قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنِّي لَا أُحِبُّ الْإِفْلِينَ﴾.

تفسیر: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حدیث کا معنی عام ہے کہ آدمی اچھے آدمی سے محبت رکھے تو قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا اور اگر کسی فاسق و فاجر سے محبت رکھے تو قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ”الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ“، (۱) آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے۔

شان و رود: بخاری شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے یہ مضمون منقول ہے کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کسی سے محبت تو رکھتا ہے مگر اس جیسے اعمال نہیں کرتا، تو آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ: ”الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ“ کہ محشر میں ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ دنیا میں محبت رکھتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس حدیث کو سننے کے بعد ہوئی۔ (۲)

بعض علماء نے یہاں تک فرمایا کہ: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے خاتمہ بالخیر کی بشارت ہے جو اللہ کے نیک بندوں سے دنیا میں محبت رکھتے ہیں کیونکہ قیامت میں یہ ان کے ساتھ اسی وقت ہوگا جب کہ خاتمہ بالخیر ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: کوئی شخص رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ستر برس بھی عبادت کرے تب بھی اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ دنیا میں محبت رکھتا ہے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحب فی اللہ والبغض فی اللہ“ ص ۲۲۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابن مسعود قال: جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله: كيف تقول في رجل أحب قوما ولم يلحق بهم فقال: المرء مع من أحب.

(۱) ترمذی شریف و مظاہر حق ۴/۵۶۴ (۲) مسلم (نوٹ) اس قسم کے سوالات کئی صحابہ سے نقل کئے گئے ہیں۔

(۳) احیاء العلوم ۲/۲۳۰، اس مسئلہ کی لمبی بحث ہے احیاء العلوم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الادب عن عبد اللہ بن مسعود واخرجه مسلم فی البر والصلة عن ابن مسعود وابی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: المرء: مبتداء۔ مع: مضاف۔ من: موصول۔ احب: فعل ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر موصول کا صلہ، موصول اپنے صلہ سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر فعل محذوف کا ظرف ہو کر مبتداء کی خبر ہو کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



شراب کی مذمت

⑦ الْخَمْرُ جُمَاعُ الْإِثْمِ.

تَرْجَمَہ: ”شراب ہر قسم کے گناہوں کا مجموعہ ہے۔“

لُغَاتِی: الْخَمْرُ: انگوری شراب، اور ہر نشہ آور چیز جو عقل کو ڈھانپ لے، خَمَرَ (ن) خَمَرًا، چھپانا، دوپٹہ کو بھی خمار کہتے ہیں اس سے بھی سر کو چھپایا جاتا ہے، قال تعالیٰ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ﴾. جُمَاعُ: مبالغہ بہت جمع کرنے والا، جَمَعَ (ف) جَمْعًا، اکٹھا کرنا، قال تعالیٰ: ﴿وَجَمَعَ فَأَوْعَى﴾. الْإِثْمُ: بمعنی گناہ، اِثْمًا (س) اِثْمًا اِثْمًا وَاثْمًا گناہ کرنا۔ تَشْرِیح: اس حدیث کی شرح میں محدثین فرماتے ہیں کہ:

”شراب پینے کے بعد جب انسان کی عقل و حواس اس کے قبضہ میں نہیں رہتے ہیں تو وہ بہت سے ایسے گناہوں کا ارتکاب کر لیتا ہے جو اسے معلوم بھی نہیں ہوتے جیسے کہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے: الْخَمْرُ الْفَوَاحِشُ وَأَكْبَرُ الْكَبَائِرِ مَنْ شَرِبَهَا وَضَعَ عَلَى أُمِّهِ وَخَالَتِهِ وَعَمَّتِهِ^(۱)، شراب بے حیائی کی جڑ ہے اور بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ہے جس نے شراب پی تو گویا اس نے اپنی ماں، خالہ، پھوپھی کے ساتھ ہم بستری کی۔“

شراب پینے کی جہاں قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں ہیں اسی طرح سے دنیا کے بڑے بڑے فلاسفوں اور ڈاکٹروں نے بھی اس کی مذمت کی ہے، مثلاً: ڈاکٹر پارس اٹلی کہتے ہیں:

”اگر دنیا میں شراب نہ ہوتی تو ہمیں دنیا کے نصف گناہ اور بیماریاں معلوم نہ ہوتیں۔“

ایک اور فلاسفر کا مقولہ ہے کہ: ”دنیا میں نصف سے زائد گناہ شراب کی بدولت سرزد ہوتے ہیں۔“ ایک ڈاکٹر کے بقول:

- ① یہ خوراک نہیں بلکہ زہر ہے۔
- ② جسم کی طاقت کو ختم کرتی ہے۔
- ③ ہاضمہ کو بھی خراب کرتی ہے۔
- ④ اس سے قبض بھی پیدا ہوتا ہے۔
- ⑤ بھوک کے نظام کو بھی خراب کرتی ہے۔
- ⑥ قوت مردانہ کو ختم کرتی ہے۔

- ④ درد سر اور کثرت تشنگی اس کی ناقابل بیان ہے۔
 ⑤ آواز بھی بھاری ہو جاتی ہے۔
 ⑥ دائمی کھانسی کی شکایت بھی ہو جاتی ہے۔
 ⑦ مدھوشی میں آدمی اپنا پوشیدہ راز ظاہر کر دیتا ہے جس کا نقصان اکثر تباہ کن ہوتا ہے۔
 ⑧ چہرے کی ہیئت کو بگاڑنے کے ساتھ پیٹ کو بڑھا دیتی ہے۔^(۱)
 بہر حال شراب ام الخبائث ہے یعنی ہر برائی کی جڑ، اس کی وجہ سے بہت سے گناہ وجود میں آتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
 عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی خطبته:
 الخمر جماع الاثم والنساء حبائل الشیطان وجبّ الدنیا رأس کل خطیئة، قال: سمعته اخرّوا النساء
 اخرهنّ اللہ.

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوٰۃ الی رزین وھکذا ذکرہ المنذری فی الترغیب ۲/۲۵۷.
 ترکیب حدیث: الخمر: مبتداء۔ جماع: مضاف۔ الاثم: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر ہو کر جملہ اسمیہ
 ہوا۔

(۱) یہ مضمون ”الداء والدواء لابن القیم“ ص ۹ تفسیر المنار اور کچھ حصہ معارف القرآن سے لیا گیا ہے۔

بردباری اختیار کرنا اور جلد بازی کو ترک کرنا

① الْاَنَاةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ.

تَرْجَمَةٌ: ”بردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔“

لَعَلَّكُمْ: الْاَنَاةُ: بردباری، وقار، انتظار، اِنِّیْ یَأْنِیْ (س، ض) بمعنی دیر کرنا۔ الْعُجْلَةُ: جلدی کرنا عَجَلَ (س) عَجَلًا جلدی کرنا، قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾. شَیْطَانٌ: جمع شَیَاطِیْنِ بمعنی سرکش ہونا، دیو، شَیْطَانٌ: (ن) مخالفت کرنا، قَالَ تَعَالٰی: ﴿الشَّيْطَانُ یَعِدُّكُمْ الْفَقْرَ﴾.

تَشْرِیْحٌ: مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب کسی دنیاوی کام کو اس کے تمام پہلوؤں پر نظر کئے بغیر شروع کیا جائے اور وہ کام انجام کو نہ پہنچے تو اب دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام شیطان کی طرف سے ہو گا اسی وجہ سے انجام کو نہیں پہنچا تو اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ پہلے کام کے تمام پہلوؤں کو دیکھ لیا جائے اس کے بعد اس کو شروع کیا جائے، البتہ نیک کام میں جلدی کرنا یہ محمود ہے جیسے کہ قرآن مجید میں نیک لوگوں کی تعریف میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾ کہ وہ اچھے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔^(۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ:

”عبادات اور طاعات کے شروع کرنے میں جلدی کرنا یہ اچھا ہے مگر درمیان عبادت میں جلد بازی کرنا یہ مذموم ہے اور جو اس حدیث میں ممانعت ہے وہ اس بات پر کہ عبادت کے دوران جلد بازی نہ کرے یہ شیطان کی طرف سے ہوگی، مثلاً کوئی آدمی نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اب نماز کو جلدی شروع کرے یہ تو محمود اور اچھا ہے مگر جب نماز شروع کر دی تو پھر جلد بازی نہ کرے اس وقت جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوگی۔“^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والثانی فی الامور“ ص ۴۲۹، پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سهل بن سعد الساعدي رضى الله تعالى عنه قال: الاناة من الله والعجلة من الشيطان.

تَحْقِيقٌ حَدِيثٌ: اخرجہ الترمذی فی باب البرِّ والصلة عن سهل بن سعد الساعدي رضى الله تعالى عنه وقال حديث غريب.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: الْاَنَاةُ: مبتداء۔ من: حرف جار۔ لَفْظُ اللَّهِ: مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا محذوف اسم کے اور پھر خبر مبتداء کی مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واو: حرف عطف۔ الْعُجْلَةُ: مبتداء۔ من: جار الشيطان: مجرور، جار مجرور محذوف اسم کے متعلق ہو کر خبر مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

مؤمن شریف ہوتا ہے

① الْمُؤْمِنُ غَرَّ كَرِيمٌ

ترجمہ: ”مؤمن بھولا بھالا شریف ہوتا ہے۔“

لُغَاتُ: غَرَّ: نا تجربہ کار جوان، بھولا بھالا، جمع أَغْرَارُ آتی ہے، قال تعالى: ﴿وَعَرَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ﴾ کَرِيمٌ: صاحب کرم اللہ کے ناموں میں سے ہے، کَرَمٌ (ك) كَرَمًا وَكَرَامَةً، قال تعالى: ﴿فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾.

تَشْبِيہ: ”غر“ کا معنی ہوتا ہے دھوکہ کھانے والا، حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ نیک آدمی نرم مزاج ہوتا ہے، اور وہ ہر ایک پر اعتماد کر لیتا ہے اس وجہ سے وہ ہر ایک دھوکہ دینے والے سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔

دوسری وجہ دھوکہ کھانے کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے، کوئی بھی اس کو کسی قسم کی بات کہہ دے وہ سچ مان لیتا ہے۔

تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے سامنے ہمیشہ آخرت ہوتی ہے اس لئے کوئی آدمی اس سے کوئی بات کہہ دے تو وہ اس کو مان لیتا ہے اور آخرت کے انعام جو معاف کرنے پر وارد ہوئے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سب کو معاف کر دیتا ہے اور کسی سے انتقام نہیں لیتا۔^(۱)

معاف کرنے کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی پکارے گا کہ جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو وہ کھڑا ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جائے، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: لوگوں کو معاف کرنے والے۔

بہر حال مؤمن آدمی کے سامنے اس قسم کے فضائل ہوتے ہیں اس لئے وہ سب کو معاف کر دیتا ہے، لوگ اس وجہ سے اس کو بھولا بھالا سمجھتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرفق والحياء وحسن الخلق“ ص ۴۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: المؤمن غرّ كريم
والفاجر خبّ لئيم.

تَخْرِیجِ حَدِيثِ: أخرجه الترمذی فی (باب ماجاء فی البخل) وقال حدیث غریب، وأخرجه ابو داؤد
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه فی کتاب الادب (باب فی حسن العشرة).

تَرْکِیْبِ حَدِيثِ: المؤمن: مبتداء۔ غر: خبر اول۔ کریم: خبر ثانی مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

فاجر کمینہ ہوتا ہے (۱۰) وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَّئِيمٌ

تَرْجَمَةٌ: ”اور فاجر مکار، کمینہ ہوتا ہے۔“

لُعَاتِي: فَاجِر: حد سے تجاوز کرنے والا اور خوب گناہ کرنے والا، جمع فُجَّار آتی ہے، فَجَرَ (ن) تجاوز کرنا، قال تعالى: ﴿وَلَا يَلْدُوا إِلَّا فَاَجِرًا كَفَّارًا﴾. خَبٌّ: بالفتح: بمعنی مکار، دعا باز، دھوکہ دینے والا، جمع خُبُوب، خَبٌّ (س) خَبًّا وَخَبًّا مکار ہونا۔ لَّئِيمٌ: کمینہ، ذکیل، جمع لئَام، لُؤْمَاء، لُؤْمٌ (ك) کمینہ ہونا، قال تعالى: ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾.

تَشْبِيحٌ: ”خب“ کہتے ہیں مکار، دھوکہ باز کو، حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ فاسق و فاجر دھوکہ باز اور مکار ہوتا ہے وہ کسی سے دھوکہ نہیں کھاتا الا یہ کہ کوئی اس سے بھی بڑا دھوکہ باز اور مکار ہو اور جب اس کو کسی نے دھوکہ دے دیا تو پھر یہ شب و روز اسی فکر میں رہتا ہے کہ کب میرا بس چلے اور میں اس سے بدلہ لے لوں۔

یا مطلب یہ ہے کہ جیسے کہ مؤمن کے بارے میں گذرا کہ اس کے سامنے آخرت ہوتی ہے اس لئے وہ دنیا میں سب کو معاف کر دیتا ہے مگر فاسق و فاجر کی نظروں کا معاملہ اوجھل ہوتا ہے، اس لئے یہ انتقام کا جذبہ رکھتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ دنیا ہی کی زندگی کو سمجھتا ہے، بہر حال فاسق و فاجر حصول دنیا ہی کو مقصود بنائے ہوتا ہے، اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، اگر کسی مقصد کی خاطر کسی کو دھوکہ بھی دینا پڑے تو وہ دھوکہ بھی دے دیتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے قیامت کے دن دھوکہ باز کو جنت کے قریب بلایا جائیگا، اور جب وہ جنت کے قریب پہنچے گا اور داخل ہونا چاہے گا تو جنت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا، اسی طرح اس سے معاملہ کیا جائے گا اور اس کو کہا جائے گا کہ جس طرح دنیا میں تم لوگوں سے دھوکہ بازی کرتے تھے آج تمہارے ساتھ بھی دھوکہ بازی کی جاتی ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرفق والحياء وحسن الخلق“ ص ۴۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: المؤمن غرّ كريم
والفاجر خبّ لئيم.

تَحْنِيحٌ حَدِيثٌ: اخرجہ الترمذی (فی باب ما جاء فی البخل) وقال: حدیث غریب، و اخرجہ ابو داود
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه في كتاب الادب (باب في حسن العشرة).

تَرْكِيبٌ حَدِيثٌ: الفاجر: مبتداء۔ خب: خبر اول۔ لئيم: خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ظالم قیامت کے دن تاریکی میں ہوگا

﴿الظُّلُمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

تَرْجَمَہ: ”ظلم قیامت کے روز اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔“

لِغَايَةِ الظُّلُمِ: بے موقع رکھنا، جمع ظُلُمَات (ض) بے موقع رکھنا، (س) رات کا تاریک ہونا، قال تعالیٰ: ﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ﴾. يَوْمَ: دن جمع أَيَّام جمع الجمع أَيَّامُہُمْ، قال تعالیٰ: ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾. الْقِيَامَةِ: موت کے بعد اٹھنا، قَامَ يَقُومُ (ن) قَوْمًا وَقِيَامًا، کھڑا ہونا، قال تعالیٰ: ﴿لَا أَقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾.

تَشْرِیح: ”ظالم قیامت کے دن تاریکی میں ہوگا“، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ظالم کو میدان محشر میں تاریکیاں اس طرح گھیرے ہوئے ہوں گی کہ وہ نور جو مومنوں کو ملے گا یہ اس سے بالکل محروم ہوں گے جس کے بارے میں خداوند قدوس کا فرمان ہے ﴿نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾، تَرْجَمَہ: قیامت کے دن مومنوں کے لئے نور ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا“، (اس کی روشنی میں وہ اپنی منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچیں گے)۔

بعض علماء نے فرمایا کہ: اس حدیث میں جو لفظ ”ظلمات“ استعمال ہوا ہے اس سے مراد قیامت کے دن کی تکالیف اور مشکلات ہیں جن میں قیامت کے دن ظالم لوگ گھرے ہوئے ہوں گے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (۱)

تَرْجَمَہ: ”کہہ دیجئے کہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی تکالیف سے نجات دیتا ہے۔“

ظلم کی قباحت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسانی زندگی مخ ہو کر رہ جاتی ہے اور معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے، اسلام چاہتا ہے کہ انسانوں کی آپس میں ہمدردی اور بھائی چارگی ہو مگر ظلم سے یہ سب ختم ہو کر رہ جاتا ہے معاشرہ بالکل آتش کدہ کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود فرمایا:

”يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَىٰ نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالِمُوا.“

تَرْجَمَہ: ”اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر لیا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی ظلم حرام کیا ہے لہذا

ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔“

یہ ”صحیح مسلم“ کی لمبی حدیث کا ٹکرا ہے، مسلم ”کتاب البرِّ والصلۃ والادب“، ”باب تحریم الظلم“ ظلم کے بارے میں قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اس کی مذمت آئی ہے، مثلاً ”آل عمران پارہ ۳، آیت ۱۸“، سورہ ۲۵۸، سورہ

فرقان آیت ۲۵، سورۃ ابراہیم پ ۱۴ آیت ۲۲، سورۃ حج پ ۷۱، آیت ۷۱، سورۃ مؤمن آیت ۴۵، سورۃ اعراف پ ۸ آیت ۳۳ اور احادیث کی تو تقریباً ہر کتاب میں باب ظلم موجود ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الظلم“ ص ۴۳۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الظلم ظلمات یوم
القیامۃ.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری (ابواب المظالم والقصاص) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہما وأخرجه فی باب تحریم الظلم عن جابر بن عبد اللہ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم.
ترکیب حدیث: الظلم: مبتداء۔ ظلمات: موصوف۔ یوم: مضاف۔ القیامۃ: مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے
مل کر محذوف فعل کا مفعول ہو کر صفت ہوئی، موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



سلام میں پہل کرنا تکبر سے دور رکھتا ہے

(۱۲) الْبَادِيُ بِالسَّلَامِ بَرِيٌّ مِّنَ الْكِبَرِ.

تَرْجَمَةٌ: ”سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے۔“

لُغَاتُكَ: الْبَادِيُ: اسم فاعل، پہل کرنے والا، بَدَأَ (ف) شروع کرنا، بَرِيٌّ: (ک، س، ف) بُرُوًّا، بَرَاءَةً، بری کرنا، نجات پانا، قال تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ بَرِيٌّ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ الْكِبَرُ: غرور، بڑا گناہ، كَبَرُ (ك) كِبَرًا وَكِبَرًا مرتبہ میں بڑا ہونا۔ (ن) كَبَرُ (س) كِبَرًا عمر میں بڑا ہونا، قال تعالى ﴿أَمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرُ﴾.

تَشْرِیح: جب دو انسان ایک ہی حالت میں ہوں یعنی دونوں پیدل ہوں یا دونوں سواری پر ہوں تو اس صورت میں ان میں سے جو پہلے سلام کرے گا وہ کبر اور بڑائی سے دور ہوگا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر سے بڑائی نکال دے گا۔^(۱) تکبر کی تعریف: تکبر یہ ہے کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو تمام کمالات کا اہل سمجھے اور دوسرے کو اس کا اہل نہ جانے ایسا شخص دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتا اور دوسرے کو سلام کرنے میں اپنی توہین سمجھتا ہے، اس لئے حدیث میں فرمایا گیا کہ: جو شخص سلام میں پہل کرے گا کبر سے بری ہے۔^(۱)

تکبر کی مذمت: تکبر کی مذمت قرآن مجید کی متعدد آیات اور متعدد روایات سے ہوتی ہے، مثلاً ایک جگہ ارشاد نبی ﷺ ہے کہ: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

نیز ایک روایت میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد نبی کریم ﷺ نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”عظمت اور کبریائی میری چادر ہیں جو ان میں سے کسی کا دعویٰ کرے گا میں اسے جہنم میں ڈالوں گا۔“

بہر حال، تکبر بہت سخت گناہ ہے بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا ہر ایک اس سے دور رہے اور علاج کرتا رہے، ایک علاج تو حدیث بالا میں بھی فرمایا گیا ہے کہ جو سلام میں پہل کرتا رہے گا اللہ اس کے اندر سے تکبر کو نکال دیں گے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب السلام“ ص ۴۰۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله ان النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: البادي بالسَّلامِ بَرِيٌّ مِّنَ الْكِبَرِ.

تَحْقِيقُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشکوٰۃ فی باب السلام الی البیهقی فی شعب الایمان.

تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: الْبَادِي: صیغہ اسم فاعل ضمیر اس میں فاعل۔ بالسَّلام: باء حرف جار۔ السلام: مجرور، جار مجرور سے مل کر یہ الْبَادِي کے متعلق ہو کر مبتداء۔ بری: شبہ فعل ضمیر اس میں کا فاعل۔ من: حرف جار۔ الْكِبَرُ: مجرور، جار مجرور سے مل کر بری کے متعلق، بری اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتداء کی خبر مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت

(۱۳) الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ.

ترجمہ: ”دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔“

لُغَاتُكَ: سِجْنُ: قید خانہ، جمع سِجُونُ ہے، سِجْنُ (ن) سِجْنًا قید کرنا، قال تعالى: ﴿إِذْ أَخْرَجْنِي مِنَ السِّجْنِ﴾ جَنَّةُ: باغ جمع جَنَّات، جَنَّانُ ہے، علماء اہل لغت نے لکھا ہے کہ: جس کلمہ میں (ج-ن) کا مادہ ہو اس میں چھپنے کا معنی ہوگا، مثلاً، جَنِينٌ، ماں کے پیٹ کا بچہ، جُنُونٌ، دیوانہ، جن، ”جن“ کو بھی جن اسی لئے کہتے ہیں، قال تعالى: ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ كَافِرٌ: اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا، جمع كَافِرُونَ ہے، كُفَّارٌ: (ن) كُفْرًا، چھپانا، قال تعالى: ﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾.

تَفْسِيرُ: دنیا کی زندگی مؤمن کے لئے قید خانہ ہونے کا کیا مطلب؟ مؤمن کے لئے دنیا کی زندگی قید خانے کے مثل ہے، یعنی جس طرح قیدی اپنی زندگی آزاد ہو کر اور اپنی مرضی سے نہیں گزارتا تو اسی طرح ایک مؤمن دنیا میں اپنی زندگی آزاد ہو کر اور اپنی مرضی سے نہیں گزارتا بلکہ ہر معاملہ میں اللہ کے حکم کو سامنے رکھتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ قیدی جیل خانے میں جی نہیں لگاتا اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا تو اسی طرح مؤمن بھی دنیا میں جی نہیں لگاتا۔^(۱)

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ جب مؤمن جنت میں داخل ہو جائے گا اور وہاں کی نعمتیں دیکھے گا تو اس کو اس وقت یہ دنیا قید خانہ معلوم ہوگی۔^(۲)

دنیا کی زندگی کافر کے لئے جنت ہونے کا کیا مطلب؟ کافر کے لئے دنیا کی زندگی جنت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر دنیا میں آزاد ہو کر زندگی گزارتا ہے جس کام کا جب دل چاہا کر لیا اور وہ اسی دنیا کو اپنا گھر سمجھتا ہے جس طرح مؤمن جنت کو اپنا مسکن اور گھر سمجھتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ: کافر اپنا مقصد زندگی دنیا کے حصول کو بناتا ہے اور دنیا کی لذتوں اور شہوتوں کو جمع کرنے میں اتنا منہمک ہو جاتا ہے کہ وہ اسی دنیا کو نعمت کدہ سمجھنے لگتا ہے۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۳۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر.

تَخْرِیجِ حَدِیثِ: أخرجه مسلم فی اول کتاب الزهد عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وأخرجه الترمذی فی ابواب الزهد.

تَرْکِیْبِ حَدِیثِ: الدنيا: مبتداء - سجن: مضاف - المؤمن: مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر معطوف علیہ - واؤ: حرف عطف - جنة: مضاف - الکافر: مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف الیه سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



مسواک کرنے کی فضیلت

﴿السَّوَاكُ مِطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ﴾.

ترجمہ: ”مسواک کرنا منہ کی پاکی کا سبب ہے اور اللہ کی رضا مندی کا سبب ہے۔“

لُغَاتُكَ: السَّوَاكُ: دانت صاف کرنے کی لکڑی، جمع مَسَاوِيكُ ہے، سَاكَ (ن) سَوَّكَ بمعنی ملنا، رگڑنا۔ مِطْهَرَةٌ: صفائی کا آلہ، یا صفائی حاصل کرنے کی جگہ، جمع مَطَاهِرُ ہے، طَهَرَ (ف) طَهَّرًا وَطَهُورًا، پاک کرنا، (ن) ف) طَهُورًا وَطَهَارَةً، پاک کرنا، قال تعالیٰ: ﴿وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾. الْفَمُ: منہ، اصل میں فُوہ ہے جمع افْوَاهِ آتی ہے، فَاهُ (ن) فَوَاهُ بمعنی منہ سے بولنا، قال تعالیٰ: ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ﴾. مَرْضَاةٌ: خوشنودی حاصل کرنے کی جگہ، رَضِيَ (س) رِضًى، راضی ہونا، قال تعالیٰ: ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ﴾.

تشریح: علماء فرماتے ہیں کہ: چالیس سے زائد احادیث میں مسواک کے روحانی و جسمانی فوائد مذکور ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ: مسواک کرنے میں بہتر (۷۲) فائدے ہیں، علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے مراقی کے حاشیہ میں مسواک کے وہ فوائد جن کو ائمہ کرام رحمہم اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عطاء رحمہ اللہ سے نقل کئے ہیں درج کیا ہے، ان میں چند حسب ذیل ہیں:

۱ مسواک کرنے سے کشادگی اور مال میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

۲ بلغم کو دور کرتی ہے۔

۳ سر کے درد کو دور کرتی ہے۔

۴ بینائی کو تیز کرتی ہے۔

۵ معدے کو درست رکھتی ہے۔

۶ زبان کی فصاحت حافظہ اور عقل کو بڑھاتی ہے۔

۷ کھانے کو ہضم کرتی ہے۔

۸ بڑھاپے کو مؤخر کرتی ہے۔

۹ حالت نزاع کی حالت جلدی ختم کرتی ہے۔

۱۰ موت کے وقت کلمہ شہادت یاد دلاتی ہے۔

ایک حدیث کے مطابق جو شخص مسواک کے ساتھ نماز پڑھے وہ بغیر مسواک کی نماز پر ستر گنا فضیلت رکھتی ہے۔^(۱)

مسواک پکڑنے کا طریقہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے کی طرف اور انگوٹھا اوپر کی جانب مسواک کے نیچے اور باقی انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں۔^(۱)

مسواک کرتے وقت کی دعا: مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے:

”اللَّهُمَّ طَهِّرْ فَمِي وَنَوِّرْ قَلْبِي وَطَهِّرْ بَدَنِي وَحَرِّمْ جَسَدِي عَلَى النَّارِ.“^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب السواک“ ص ۴۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم السَّوَاكُ

مطهرة للفم ومرضاة للرب.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه النسائي (باب الترغيب في السواك، وأخرجه الدارمي أيضا).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: السواك: مبتداء۔ مطهرة: صیغہ اسم آلہ ضمیر اس میں فاعل۔ للفم: ل: حرف جار، الفم: مجرور، جار مجرور

سے مل کر یہ مطہرہ کے متعلق ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ مرضاة صیغہ اسم ظرف، ضمیر اس میں اس کا فاعل۔ للرب:

ل: حرف جار۔ رب: مجرور، جار مجرور سے مل کر یہ مرضاة کے متعلق ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی

خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے

⑩ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى.

ترجمہ: ”اوپر کا ہاتھ (دینے والا) بہتر ہے نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے۔“

لغات: الْيَدُ: ہاتھ، اصل میں يَدًى ہے جمع اُيْدًى، اور اُيَادًى ہے، قال تعالى: ﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾، الْعُلْيَا: ہر بلند جگہ، یہ الِاعْلَى اسم تفضیل کا مؤنث ہے، عَلًى (ن) عَلُوًّا، عَلًى (س) عَلَاءً، بلند ہونا، قال تعالى: ﴿وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ السُّفْلَى: یہ اَسْفَلَ کی مؤنث ہے، بمعنی پست تر، سَفَلَ (ن، س، ك) سُفُولًا، پست ہونا، قال تعالى: ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى﴾.

تشریح: شرح مسلم میں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس بات میں اتفاق ہے کہ بغیر ضرورت کے سوال کرنا حرام ہے اور جو شخص کما کر اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے تو وہ کما کر ہی اپنی ضرورت پوری کرے کسی سے سوال نہ کرے، اگر مجبور ہو جائے تو سوال کر سکتا ہے لیکن تین شرائط کے ساتھ: اول: اس سوال کرنے میں اپنے کو ذلیل نہ کرے۔ دوم: مبالغہ کے ساتھ سوال نہ کرے۔ سوم: جس سے مانگ رہا ہے اس کو ایذا و تکلیف نہ پہنچائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن بقدر غذا ہو تو اس کو ہاتھ دراز کرنا حرام ہے اور زکوٰۃ لینا بھی جائز نہیں ہے

سُئِلَ: سوال کرنے کی کس کو اجازت ہے؟

جواب: اگر کسی شخص کو اپنی موت کا خوف ہے تو اب سوال کر کے جان بچانا ضروری ہو جاتا ہے اگر اس صورت میں وہ نہ مانگے اور اسی بھوک کی حالت میں مر جائے تو گناہ گار ہوگا۔

خلاصہ حدیث کا یہ ہوا کہ آدمی ہر ممکن سوال سے بچے کیونکہ سوال کرنے والا ہاتھ اچھا نہیں ہوتا، دینے والا ہاتھ اچھا ہوتا ہے

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب من لا تحل له المسئلة ومن تحل“ ص ۱۶۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال وهو علی المنبر وهو یذكر الصدقة

والتعفف عن المسألة: ”اليد العليا خیر من اليد السفلى واليد العليا هي المتفقة والسفلى هي السائلة.“

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری فی کتاب الزکوٰۃ عن حکیم بن حزام (باب الاستعفاف عن المسئلة)

واخرجہ مسلم فی کتاب الزکوٰۃ عن حکیم بن حزام وعبد اللہ ابن عمر وابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہم.

ترکیب حدیث: الید العلویا: موصوف صفت سے مل کر مبتداء خیر: صیغہ اسم تفضیل، ضمیر فاعل۔ من: حرف جار۔ الید

السفلی: موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر خیر کے متعلق اور پھر یہ خیر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی

مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

غیبت کرنا زنا سے بدتر ہے

﴿۱۶﴾ الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزَّانَا.

ترجمہ: ”غیبت کرنا زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔“

لَاغَايَ: الْغَيْبَةُ: پیٹھ پیچھے برائی کرنا، غَابَ (ض) غَيْبَةً، وَاعْتَابَهُ، غَيْبَتَ کرنا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَلَا يَغْتَبُ بَعْضُكُمُ بَعْضًا﴾. أَشَدُّ: شَدَّ (ض) شِدَّةً سخت ہونا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ الزَّانَا: زَنَى (ض) زَنَى وَزَنَاءً، زَنَا کرنا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا﴾.

تشریح: غیبت کی تعریف: غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق ایسی بات کرنا کہ اگر وہ سنے تو نا پسند کرے اور وہ بات اس میں واقعہ موجود ہو۔ اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود نہیں تو اس کو بہتان کہتے ہیں، جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے۔^(۱)

اس حدیث بالا میں غیبت کو زنا سے بدتر فرمایا گیا ہے اس کی کئی وجوہات علماء کرام رحمہم اللہ نے لکھی ہیں، مثلاً ایک یہ کہ زنا میں آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں نے گناہ کیا ہے اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور توبہ واستغفار بھی کرتا ہے مگر غیبت کرنے والا غیبت کو معمولی گناہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے توبہ کی طرف اس کا دھیان نہیں جاتا۔

دوسرا مطلب بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ: غیبت کرنے والا اس کو گناہ ہی شمار نہیں کرتا اس لئے یہ وعید فرمائی گئی۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ غیبت کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ حقوق العباد ہے جس کی غیبت کی ہے جب تک وہ معاف نہیں کرتا اللہ بھی اس کو معاف نہیں کرتا۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ میں ص ۳۱۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن أبي سعيد وجابر رضي الله عنهما قالَا: قال رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الغيبة أشد من الزنا، قالوا: يا رسول الله كيف الغيبة أشد من الزنا؟ قال: ان الرجل ليزني فيتوب فيتوب الله عليه وفي رواية فيتوب فيغفر الله له وان صاحب الغيبة لا يغفر له حتى يغفرها له صاحبه وفي رواية انس قال صاحب الزنا فيتوب وصاحب الغيبة ليس له توبة.

تخریج حدیث: أخرجه البيهقي في شعب الإيمان.

ترکیب حدیث: الغيبة: مبتداء۔ اشد: صیغہ اسم تفضیل ضمیر اس کا فاعل۔ من: حرف جار۔ الزنا: مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا اشد کے، اور اشد خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

پاکی ایمان کا حصہ ہے

(۱۷) الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ.

تَرْجَمَةٌ: ”پاکی ایمان کا آدھا حصہ ہے۔“

لُغَاتُكَ: شَطْرُ: جزء، نصف، جانب، دوری سب معنی میں استعمال ہوتا ہے، جمع أَشْطُر، شَطُور، شَطَرَ (ن) شَطْرًا، دو برابر حصہ میں کرنا، قال تعالى: ﴿قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾.

تَشْرِیحُ: طہارت نصف ایمان ہے: طہارت پاکی اور نظافت کو کہتے ہیں اور اس کی ضد نجاست آتی ہے، اصطلاح میں طہارت اس کو کہتے ہیں کہ: نجاست حکمی اور نجاست حقیقی سے پاکی حاصل کی جائے۔

حدیث بالا میں طہارت کو نصف ایمان فرمایا گیا ہے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ: جب ایک کافر مسلمان ہوتا ہے تو اس کے پچھلے گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، سب معاف ہو جاتے ہیں، تو یہ کل ہوا، اور وضو یعنی طہارت حاصل ہونے سے اس کے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں کبیرہ نہیں اس لئے طہارت نصف ایمان ہوا۔

بعض شراح فرماتے ہیں کہ: یہاں ایمان سے مراد نماز ہے جیسے کہ قرآن مجید میں آتا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾، اللہ تمہاری نمازوں کو ضائع کرنے والا نہیں، اس آیت میں ایمان سے مراد نماز ہے تو اب مطلب یہ ہوا کہ صحت صلوٰۃ کے لئے طہارت اہم ترین شرط ہے اس لئے طہارت کو نصف صلوٰۃ فرمایا گیا۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ“ میں صرف یہ نہیں کہ ظاہری اعضاء پر پانی بہا دے بلکہ اس کے ساتھ باطنی طہارت یعنی اپنے دل کو تکبر، حسد، اور تمام خصائصِ رذیلہ سے اپنے آپ کو پاک کرے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الطہارۃ“ میں ص ۳۸۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي مالك الاشعري قال: قال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ نُورٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حَبَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمَعْتَقُهَا أَوْ مَوْبِقُهَا (رواه مسلم وفي رواية لا اله الا الله والله اكبر تملأن ما بين السماء والارض لم اجد هذه الرواية في الصحيحين ولا في كتاب الحميدي ولا في الجامع ولكن ذكرها الدارمي بدل سبحان الله والحمد لله).

تَخْرِيجُ حَدِيثِ: أخرجه مسلم في كتاب الطہارۃ عن أبي مالك الاشعري.

تَرْكِيبُ حَدِيثِ: الطُّهُورُ: مبتداء۔ شَطْرُ: مضاف۔ الْإِيمَانُ: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

قرآن قیامت کے دن مدعی ہوگا

⑱ الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ.

ترجمہ: ”قرآن تمہارے لئے یا تمہارے خلاف حجت ہے۔“

لُغَاتُ: الْقُرْآنُ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی ہوئی کتاب۔ قَرَنَ: (ض) باندھنا، ملانا، جمع کرنا، قال تعالیٰ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾. حُجَّةٌ: بمعنی دلیل، جمع، حُجَج، حِجَاب، حَجَّ (ن) حَجَّ، دلیل میں غالب ہونا۔ تَشْرِیح: قیامت کے دن قرآن مدعی ہوگا: مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے حقوق کو ادا کرے تو قیامت کے دن قرآن اس کے بارے میں سفارش کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرمائیں گے ایسے شخص کے لئے قرآن حجت اور دلیل بن جائے گا۔

اس کے مد مقابل اگر قرآن کے حقوق ادا نہ کئے جائیں تو قیامت کے دن قرآن اس کے لئے ضرر کا باعث ہوگا، جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ قرآن ایسا سفارشی ہے جس کی سفارش قبول کی جائے گی اور ایسا مدعی ہے جس کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا، جس نے اس کو اپنے آگے رکھا اس کو جنت میں داخل کرائے گا اور جس نے اس کو اپنے پس پشت ڈالا تو اس کو جہنم میں گرا دے گا۔^(۱)

نیز ایک دوسری روایت میں قرآن کے بارے میں آتا ہے کہ: ”يُحَاجُّ الْعِبَادَ“ قرآن بندوں سے جھگڑا کرے گا، اپنے حقوق کے بارے میں جس طرح انسان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جھگڑتے ہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف قرآن پڑھ لینا نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”كتاب الطهارة“ ص ۳۸ پر ہے، پوری حدیث ماقبل میں حدیث نمبر ۱۷ کے ضمن میں مذکور ہے۔

تَخْرِیجِ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الطہارات عن أبی مالک الاشعری.

تَرْکِیْبِ حَدِيثٍ: القرآن: مبتداء۔ حجة: موصوف مصدر ضمیر فاعل۔ لك: ل: حرف جار۔ ك: مجرور، جار مجرور سے مل کر اسم محذوف کے متعلق ہو کر معطوف علیہ۔ و: حرف عطف۔ علیك: علی: حرف جار۔ ك: مجرور، جار مجرور سے مل کر اسم محذوف کے متعلق ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر صفت جتہ کے اور پھر یہ مبتداء کی خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

گھنٹہ شیطان کی بانسری ہے

①۹ الْجَرَسُ مَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ.

تَرْجَمَةٌ: ”گھنٹہ شیطان کی بانسری ہے۔“

لُغَاتُكَ: الْجَرَسُ: گھنٹہ، جَعِ اجْرَاسَ. مَزَامِيرُ: مِزْمَارُ کی جمع ہے، بمعنی بانسری، زَمَرَ (ض، ن) زَمَرًا، زَمِيرًا، بانسری بجانا۔

تَشْرِیحُ: اس حدیث میں ”مزامیر“ جمع اس وجہ سے استعمال فرمایا کہ بانسری میں ایسا تسلسل ہوتا ہے کہ وہ منقطع نہیں ہوتی گویا ہر سلسلہ ایک مزار ہے اس وجہ سے اس کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا۔^(۱)

اس کو شیطان کی بانسری اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح گانا بجانا انسان کو ذکر سے روکتا ہے اسی طرح اس سے بھی انسان ذکر و عبادت سے رک جاتا ہے۔ محدثین اس حدیث کو آداب سفر میں لاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سفر کے دوران جانور کے گلے میں گھنٹی ہو اور وہ مسلسل بجتی رہے تو پھر انسان دوسری عبادت میں مشغول نہیں ہو سکتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”یہ زندیقوں کی ایجاد ہے اس کو اس لئے ایجاد کیا کہ: ”يُشْغِلُوا الْمُسْلِمِينَ عَنْ كِتَابِ اللَّهِ وَالصَّلَاةِ“ مسلمان اس میں مشغول ہو کر قرآن اور نماز سے غافل ہو جائیں۔“^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب آداب السفر“ ص ۳۳۸ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه ان رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال الجرس مزامير الشيطان.

تَحْرِیجُ حَدِيثٍ: اخرجه مسلم في باب كراهية الكلب والجرس في السفر عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: الجرس: مبتداء، مزامير: مضاف، الشيطان: مضاف اليه، مضاف مضاف اليه سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

عورتیں شیطان کا جال ہیں

(۲۰) النِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ.

تَرْجَمَہ: ”عورتیں شیطان کا جال ہیں۔“

لُغَاتِی: حَبَائِلُ: یہ جمع حَبَالِہ کی بمعنی جال، حَبَلٌ، (ن) حَبْلًا، رسی سے باندھنا، قال تعالى: ﴿حَبَالُهُمْ وَعَصِيَّهُمْ يُخَيِّلُ﴾.

تَفْسِیْرُی: شیطان عورتوں کی وجہ سے اکثر گناہ کرواتا ہے جیسے کہ سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو بھی مبعوث نہیں فرمایا مگر یہ کہ شیطان اس بات سے ناامید نہیں ہوا کہ ان کو عورتوں کے ذریعہ ہلاک کر دے۔“ (۱)

اسی طرح حضرت حسن بن صالح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”شیطان عورتوں کو خطاب کر کے یہ کہتا ہے کہ: اے عورتو! تم میرا آدھا لشکر ہو اور تم میرے ایسے تیر ہو کہ جس کو تمہاری وجہ سے مارتا ہوں وہ نشانہ سے خطا نہیں کرتا اور تم میری بھید کی جگہ ہو اور میری حاجت پوری کرنے میں قاصد کا کام دیتی ہو۔“ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۳۴۴ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:
عن حذیفة رضى الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته:
الخمير جماع الاثم والنساء حبايل الشيطان وحب الدنيا رأس كل خطيئة قال وسمعتة يقول اخروا
النساء حيث اخرهن الله.

بَحْثُی: حَاضِرٌ: عزاء صاحب المشکوۃ الی رزین وھکذا ذکره المنذری فی الترغیب. ۲۵۷ / ۳.
تَرْکِیْبُی: حَاضِرٌ: النساء: مبتداء۔ حبايل: مضاف۔ الشيطان: مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر خبر مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

کھانا کھا کر شکر کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے

﴿۲۱﴾ الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ.

ترجمہ: ”کھانا کھا کر اللہ کا شکر کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔“

لُعَاتِي: الطَّاعِمُ: طَعِمَ (س) طَعَمًا وَطَعَامًا بِمَعْنَى كَهَانَ كَهَانًا، قَالَ تَعَالَى: ﴿فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ﴾ الشَّاكِرُ: شَكَرَ: (ن) شُكْرًا شُكْرَانًا، قَدْ رَدَانِي كَرْنَا، احْسَبَنَّ كَا اعْتَرَفَ كَرْنَا، قَالَ تَعَالَى: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾. الصَّائِمُ: صَامَ (ن) صَوْمًا رُزْهَ كَهْنَا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ﴾ الصَّابِرُ: صَبَرَ (ض) صَبْرًا، صَبْرًا وَبِرْدَاثَتِ كَرْنَا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ﴾.

تشریح: کھانا کھا کر شکر ادا کرنے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ کھانے کے شروع میں کھانے کی دعا ”بسم اللہ وَعَلَى بَرَکَةِ اللہ“ پڑھے اور کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے، اور روزے کا کم از کم شکر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مفسداتِ صوم سے روکے رکھے۔

تو اب اس حدیث میں کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والے کو روزہ دار صابر سے تشبیہ دی گئی ہے وہ تشبیہ اس میں نہیں ہے کہ دونوں ہر اعتبار سے برابر ہیں بلکہ تشبیہ اس میں ہے کہ دونوں نفسِ ثواب میں برابر ہیں ^(۱) ورنہ صبر کرنے والا فقیر شکر کرنے والے مال دار سے بہت بہتر ہے۔ ^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الاطعمۃ“ ص ۳۶۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخْرَجَهُ الدَّارِمِيُّ فِي كِتَابِ الْاَطْعَمَةِ وَاخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ بِلَفْظٍ مُخْتَلَفٍ وَاخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهَ بِلَفْظِ التِّرْمِذِيِّ.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: الطَّاعِمُ: مَوْصُوفٌ - الشَّاكِرُ: صِفَتٌ، مَوْصُوفٌ صِفَتٌ سَلَمٌ كَرَمَبْدَاءٍ - كَالصَّائِمِ: كَ: حَرْفُ جَارٍ، الصَّائِمُ: مَوْصُوفٌ - الصَّابِرُ: صِفَتٌ، مَوْصُوفٌ صِفَتٌ سَلَمٌ كَرَمَجُورٍ هَوَا جَارٌ كَا جَارٌ مَجُورٍ سَلَمٌ كَرَمَتَلَقٌ هَوَا ”الثَّابِتُ“ كَے اور پھر یہ خبر، مَبْدَاءُ خَبَرٍ سَلَمٌ كَرَمَلَهَ اسْمِیہ خَبَرِیہ هَوَا۔

(۱) جیسے کہ نحوی مثال دیتے ہیں کہ زید کا لاسد، یہاں پر یہ مراد نہیں ہوتا کہ زید بالکل شیر کی طرح ہے بلکہ شجاعت میں تشبیہ مراد ہوتی ہے۔

(۲) التعلیق الصبیح ۴/۳۵۹

خرچ میں میانہ روی اختیار کرنے کی ترغیب

﴿۲۲﴾ اِلٰقْتِصَادُ فِی النِّفْقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ.

ترجمہ: ”خرچ میں میانہ روی اختیار کرنا آدمی آمدنی ہے۔“

لُغَاتُكَ: اِلٰقْتِصَادُ: قَصَدَ (ض) قَصْدًا وَاَقْتَصَدَ، میانہ روی اختیار کرنا، قال تعالى: ﴿وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ﴾، النِّفْقَةُ: خرچ، جمع نفقات، قال تعالى: ﴿وَلَا يَنْفِقُونَ نِفْقَةً صَغِيرَةً﴾، نصف: کسی چیز کا آدھا، جمع اَنْصَافٍ، نِصْفَ (ن، ض) نِصْفًا آدھا لینا، قال تعالى: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾، الْمَعِیْشَةُ: زندگی کا ذریعہ، عَاشَ يَعِیْشُ (ض) عَیْشًا مَعَاشًا، مَعِیْشًا، زندہ رہنا، قال تعالى: ﴿بَطَرْتُ مَعِیْشَتَهَا﴾.

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی ضروریات زندگی میں میانہ روی اختیار کرنا چاہئے کہ نہ وہ بخل کرے اور نہ ہی اسراف اور فضول خرچی کرے (۱) میانہ روی ان دونوں کے وسط میں ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے۔

علماء کرام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”انسان کی معاشی زندگی کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے، ایک آمدنی اور دوسرا خرچ ان دونوں میں جو شخص میانہ روی اختیار کرے وہ ہمیشہ خوش رہے گا، (۲) اگر آدمی اخراجات کو اپنی آمدنی سے زیادہ کرتا ہے تو نہ صرف اس سے اس کی خوش حالی مفقود ہوگی بلکہ معیشت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، نیز میانہ روی کو ہر حال میں اختیار رکھے، خواہ امیر ہو یا غریب، جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ: ”اِلٰقْتِصَادُ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَى“ میانہ روی غربت اور کشادگی دونوں میں اختیار کی جائے۔“ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والتأني في الامور“ ص ۴۲۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة والتودد الى الناس نصف العقل وحسن السؤال نصف العلم.

ترجمہ: عزاء صاحب المشکوۃ الى البيهقي في شعب الايمان.

ترکیب حدیث: الاقتصاد: مصدر موصوف۔ فی: حرف جار۔ النفقة: مجرور، جار مجرور سے مل کر الکائن کے متعلق ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء۔ نصف: مضاف۔ المعيشة: مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اچھے لوگوں سے دوستی رکھنا آدھی عقل ہے

(۲۳) وَالتَّوَدُّدُ إِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ.

ترجمہ: ”لوگوں سے دوستی رکھنا آدھی عقل ہے۔“

لغات: التَّوَدُّدُ: دوستی کرنا، وَدَّ (س) وَدَّاءً وَدَادًا محبت کرنا، قال تعالى: ﴿تَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ﴾. النَّاسُ: اسم ہے واحد نَسَانٌ ہے، تصغیر نَوَيْسٌ ہے، نَاسٌ يَنْوَسُ (ن) نَوَسًا، قال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا﴾. الْعَقْلُ: وہ نور جس سے غیر حسی چیزیں معلوم کی جاتی ہیں، جمع عُقُول، عَقْلَ (ض) عَقْلًا، سمجھ دار ہونا، قال تعالى: ﴿مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ﴾.

تشریح: اچھے لوگوں سے دوستی رکھنا اور اس دوستی کی برکت سے اپنے معاملات وغیرہ کو درست کرنا نصف عقل ہے، پوری عقل مندی اس وقت ہوگی جب انسان کوئی کسب یا پیشہ اختیار کر کے جائز اور پاکیزہ روزی بھی حاصل کرے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”آدمی کسی کو دوست بنانے سے پہلے اس میں پانچ باتیں دیکھے:

اول: عقل، دوست بنانے کے لئے لازم ہے کہ عقل والا ہو، بیوقوف کو دوست بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

دوم: اچھے اخلاق والا ہو، اگر اچھے اخلاق والا نہیں تو بسا اوقات آدمی غفلت مند ہوتا ہے مگر غصہ اور شہوت وغیرہ اس کو صحیح کام کرنے نہیں دیتے۔

سوم: فاسق نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، اگر اسمیں خوف خدا نہیں تو وہ کسی وقت بھی دھوکہ دے دے گا یا معاصی میں مبتلا کر کے الگ ہو جائے گا۔

چہارم: بدعتی نہ ہو، اگر بدعتی ہے تو اس کی صحبت سے اس پر بھی بدعت کا اثر ظاہر ہو جائے گا۔

پنجم: دنیا کی محبت رکھنے والا نہ ہو، اس کی دوستی سے اس میں بھی دنیا کی محبت آ جائے گی، جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ“ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والثانی فی الامور“ ص ۴۲۰ پر ہے، پوری حدیث ماقبل میں حدیث نمبر ۲۲ کے ضمن میں مذکور ہے۔

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوٰۃ الی البیہقی فی شعب الایمان.

ترکیب حدیث: التودد: مصدر موصوف۔ الی: حرف جار۔ الناس: مجرور، جار مجرور سے مل کر اثابت کے متعلق ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء۔ نصف: مضاف۔ العقل: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اچھا سوال کرنا بھی علم میں داخل ہے

﴿۲۶﴾ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ.

ترجمہ: ”اچھے انداز سے سوال کرنا آدھا علم ہے۔“

لغائیک: حُسْن: خوب صورتی، جمع محاسن (ن) حُسْنًا خوبصورت ہونا، قال تعالیٰ: ﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَٰیءِ﴾۔
تشریح: کسی علمی مسئلہ میں خوب سوچ سمجھ کر اچھی طرح سوال کر کے اپنے شک کو دور کرنا آدھا علم ہے، اس سوال کی بناء پر اس کا شک اور تردد ختم ہو جائے گا، اور اس کو پورا علم حاصل ہو جائے گا۔

سؤال: سوال کرنے والا تردد اور شک میں ہوتا ہے گویا وہ اس مسئلہ سے ناواقف اور جاہل ہے تو اس حدیث میں اس کو نصف علم والا کیوں کہا گیا؟

جواب: جب آدمی سوال کر رہا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو کچھ نہ کچھ علم ہے اور سوال کر کے وہ اپنے ناقص علم کو کامل کر رہا ہے اس وجہ سے اس کو نصف علم والا کہہ دیا۔^(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جو سوال بغیر سوچے سمجھے یا حصول علم کے علاوہ کسی اور نیت سے ہو تو وہ نصف علم نہیں ہوتا، اس کی مثال ملا علی قاری رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ایک شاگرد کی دی ہے کہ وہ خاموش رہتا تھا، اما ابو یوسف رحمہ اللہ اس سے فرماتے کہ تم بھی پوچھا کرو، ایک دن جب امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے روزے کے بارے میں فرمایا کہ صبح سے غروب تک ہوتا ہے اس پر اس طالب علم نے سوال کیا کہ حضرت اگر سورج غروب نہ ہو تو پھر کیا کریں؟ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا: ”فَإِنَّ سَكُوتَكَ خَيْرٌ مِنْ كَلَامِكَ“ تمہاری خاموشی سوال کرنے سے بہتر ہے۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والثانی فی الامور“ ص ۴۳۰ پر ہے، پوری حدیث ماقبل میں حدیث نمبر ۲۲ کے ضمن میں مذکور ہے۔

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوٰۃ الی البیہقی فی شعب الایمان۔

ترکیب حدیث: و: حرف عطف - حسن: مضاف - السؤال: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء - نصف: مضاف - العلم: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

توبہ کرنا گناہ کو بالکل منہدم کر دیتا ہے

﴿۲۵﴾ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ.

تَرْجَمَہ: ”گناہ کر کے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔“

لُغَاتِہ: التَّائِبُ: اسم فاعل توبہ کرنے والا، تَابَ (ن) تَوْبًا وَتَوْبَةً، متوجہ ہونا، قال تعالى: ﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ﴾، الذَّنْبُ: گناہ، جمع ذُنُوب، جمع الجمع ذُنُوبَات، قال تعالى: ﴿بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾.

تَشْرِیْح: سب سے زیادہ بلند مقام انسان کی بندگی کا ہے اور بندگی کا بہترین مظاہرہ توبہ کے وقت میں ہوتا ہے کہ توبہ واستغفار کے وقت بندہ انتہائی ندامت اور احساس پستی کی حالت میں ہوتا ہے بندے کی یہ صفت اللہ کو بہت پسند ہے اس حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے تیرے سب گناہ معاف کر دیئے۔^(۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”جب بندہ توبہ کے ذریعہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے تو دو شکلوں میں سے ایک ضرور ہوتی ہے، اول: یہ کہ اس کے گناہوں کو بالکل مٹا دیا جاتا ہے جیسے اس حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے، دوم: یہ کہ اس کو ثواب ملتا ہے مگر گناہ نہیں مٹایا جاتا مگر توبہ تو ہر دو حال میں فائدہ دیتی ہے۔“^(۲)

مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”توبہ کرنے سے بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کے گناہوں کے داغ کو بھی عموماً مٹا دیا جاتا ہے، ایک حدیث میں آتا ہے: ”كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ“ توبہ کرنے کی وجہ سے بندہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا کہ اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے۔“

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو بالکل مٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کے گناہوں پر کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوگا۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاستغفار والتوبة“ ص ۲۰۶ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له.

تَحْرِیْحِ حَدِیْثِ: أخرجه ابن ماجة فى كتاب الزهد (باب ذكر التوبة) والبيهقى فى شعب الایمان.
تَرْكِیْبِ حَدِیْثِ: التائب: صیغہ اسم فاعل ضمیر فاعل۔ من: حرف جار۔ الذنب: مجرور، جار مجرور سے مل کر التائب کے متعلق ہو کر مبتداء۔ كمن: ك: حرف جار۔ من: موصولہ۔ لا: نفی جنس۔ ذنب: اس کا اسم۔ له: جار مجرور، (كأن) کے متعلق ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور ہوا ك حرف جار کا، جار مجرور یہ متعلق ہوا كأن کے اور پھر یہ خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

عقل مند اور نادان شخص کی پہچان

﴿۲۶﴾ الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ. تَرْجَمَةً: ”عقل مند شخص وہ ہے جس نے نفس کو تابع کر لیا ہو اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور نادان شخص وہ ہے جو اپنی خواہشات کے تابع ہو اور اللہ پر امیدیں باندھے۔“

لُغَاتُ: الْكَيْسُ: عقلمند، ہوشیار، جمع اَكْيَاسٌ ہے، كَاسٌ (ض) كَيْسًا، وَكِيَاَسَةً، بمعنی چالاک ہونا، دَانَ: دان (ض) دَيْنًا بمعنی ذلیل ہونا، تابع بنانا، نَفْسُهُ: مصدر بمعنی روح، خون، بدن مراد دل ہے، قال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ الْمَوْتُ: زندگی کی ضد ہے، قال تعالى: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ﴾ الْعَاجِزُ: قدرت نہ رکھنے والا، عَجِزَ (س) عَجْزًا عَجُوزًا، عاجز ہونا، قال تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ﴾ اتَّبَعَ: تَبَعَ (س) پیچھے چلنا ہوئی: خواہش، عشق خواہ خیر میں ہو یا شر میں، قال تعالى: ﴿وَاتَّبَعَ هَوَاهُ﴾ تَمَنَّى: ارادہ کرنا (ن) آزمائش کرنا، قال تعالى: ﴿إِلَّا إِذَا تَمَنَّى﴾.

تَشْرِيحُ: من دان نفسه: اس سے مراد محاسبہ ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ عقل مند وہ ہے جو اپنی زندگی میں اپنے قول و فعل کا محاسبہ کرتا رہے، پھر اگر نیکوں کا غلبہ معلوم ہو تو شکر ادا کرے اور اگر برائیوں کا غلبہ ہو تو توبہ و استغفار کرے، اسی وجہ سے ایک دوسری روایت میں آتا ہے: ”حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا“، اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔ (۱)

”من أتبع نفسه هواها وتمنى على الله“: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ: باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں سے دور رہو، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو محض آرزوؤں کے سہارے نہ دنیا میں کامیاب کیا ہے اور نہ ہی آخرت میں کرے گا۔ (۲)

غرض یہ کہ اس حدیث میں عقلمند کی علامت یہ ارشاد فرمائی گئی کہ جو اپنی خواہشات کے تابع نہ ہو، اور نادان بیوقوف کی علامت یہ ارشاد فرمائی گئی کہ جو اپنے نفس کو خواہش کے تابع بنا دے، مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تمنا قائم کرے کہ اللہ میری مغفرت کر ہی دے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب استعجاب المال والعمر للطاعة“ ص ۲۵۱ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ.

تَخْرِجُ مَجْدِيثًا: اخرجہ الترمذی فی ابواب صفة القيامة وكذا اخرجہ ابن ماجة فی ”كتاب الزهد“
(باب ذكر الموت والاستعداد له).

تَرْكِيْبُ مَجْدِيْثٍ: الكيس: مبتداء۔ من: موصول۔ دان: فعل ضمير فاعل۔ نفسه: مضاف مضاف اليه سے مل کر مفعول ہوا فعل کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ عمل: فعل ضمير فاعل۔ لما: ل: حرف جار۔ ما: موصول۔ بعد الموت: مضاف مضاف اليه سے مل کر مفعول فيہ ہوا فعل مقدر کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول فيہ سے مل کر صلہ ہوا ما کا، موصول صلہ سے مل کر مجرور ہوا، جار مجرور سے مل کر عمل فعل کے متعلق ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

العاجز: مبتداء۔ من: موصول۔ اتبع: فعل ضمير فاعل۔ نفسه: مضاف مضاف اليه سے مل کر مفعول اول۔ ہواھا: مضاف مضاف اليه سے مل کر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر معطوف علیہ۔ و تمنی: فعل ضمير فاعل۔ علی اللہ: جار مجرور متعلق تمنی فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے مل کر جملہ اسمیہ معطوفہ ہوا۔



مؤمن محبت کرنے والا ہوتا ہے

(۲۷) الْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ.

تَرْجَمَہ: ”مؤمن محبت کی جگہ ہے اور ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو خود بھی کسی سے محبت نہ کرے اور دوسرے بھی اس سے محبت نہ کریں۔“

لُغَاتِی: مَأْلَفٌ: اسم ظرف ہے، دوستی کی جگہ، جمع مألوف، أَلَفَ: (س) أَلَفًا، مانوس ہونا، محبت کرنا۔ تَشْبِیْہ: لفظ ”مَأْلَفٌ“ میں احتمالات: محدثین فرماتے ہیں کہ: لفظ مألوف میں کئی احتمالات ہیں:

پہلا احتمال: یہ کہ اس کو مصدر میسی مانا جائے، اس وقت یہ فاعل اور مفعول دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ یہ خود بھی دوسروں کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور دوسرے بھی اس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں۔

دوسرا احتمال: جس کو علامہ طبری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا کہ: مألوف کو مصدر بطور مبالغہ کے مانا جائے۔ جیسے زید عدل، زید عدل نہیں ہوتا بلکہ عادل ہوتا ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مؤمن محبت کرنے والا ہی ہوتا ہے۔ تیسرا احتمال: یہ کہ اس کو اسم مکان مانا جائے مطلب یہ ہوگا کہ اس کی محبت دوسرے میں آ جاتی ہے اور دوسرے کی محبت اس میں آتی ہے۔^(۱)

ایک روایت میں اس کی مزید وضاحت آئی ہے۔ فرمایا:

”إِنَّ أَقْرَبَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا الْمُؤْطِنُونَ أَكْنَافًا الَّذِينَ يَأْلَفُونَ وَيُؤْلَفُونَ.“^(۲)

تَرْجَمَہ: تم میں سے مجھ سے سب سے زیادہ قریب نشست میں وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں اچھے ہیں اور ان کے پہلو دوسرے کے لئے نرم ہیں اور وہ اوروں سے محبت کرتے ہیں اور دوسرے ان سے محبت کرتے ہیں۔ اگر اس محبت کو درمیان سے نکال دیا جائے تو پھر یہ دنیا کی زندگی جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے اور پھر تفرقہ بازی کی ایسی آگ بھڑکتی ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة على الخلق“ ص ۲۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن أبي هريرة رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: المؤمن مألوف ولا خير فيمن لا يألف ولا يؤلف.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشكوة الى البيهقي في شعب الايمان.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: المؤمن: مبتداء۔ مألّف: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ لا: نفی جنس۔ خیر: اس کا اسم۔ فی: حرف جار۔ من: موصولہ۔ لا یألف: فعل، ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر معطوف علیہ۔ ولا یؤلف: فعل، ضمیر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ ہو کر صلہ موصول من کا، موصول صلہ سے مل کر مجرور ہوائی کا، جار مجرور یہ کائن کے متعلق ہو کر لائے نفی جنس کی خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر المؤمن مبتداء کی خبر، مبتداء اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

(۲۸) الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ.

ترجمہ: ”گانا دل میں نفاق اس طرح اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔“

لُغَاتُ: الْغِنَاءُ: گانا، جمع أَغَانِي، غَنَى (س) غَنَى، مال دار ہونا، قال تعالى: ﴿وَاللَّهُ غَنِيَ حَمِيدٌ﴾، غَنَى (تفعیل) تَغْنِيَةً، تَرْنَم سے گیت گانا يُنْبِتُ: نَبَتَ (ن) نَبَتًا وَنَبَاتًا، بمعنی سبزہ زار ہونا، قال تعالى: ﴿يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ﴾ النِّفَاقُ: مصدر باب مفاعلہ کا ہے کہ زبان سے اسلام ظاہر کرنا اور دل میں کفر رکھنا، الْقَلْبُ: دل، جمع قُلُوب، قَلْبَ (ض) قَلْبًا الٹ پلٹ کرنا، قال تعالى: ﴿وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ﴾. الزَّرْعُ: کھیتی، جمع زُرُوع، زَرَعَ (ف) زَرَعَاتٍ ذالنا، قال تعالى: ﴿كَزَرَعٍ أُخْرَجَ شَطْأُهُ﴾.

تَشْرِیح: ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت آئی ہے: إِنَّ الْغِنَاءَ وَاللَّهُوَ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ الْقُرْآنَ وَالذِّكْرَ يُنْبِتَانِ الْإِيمَانَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ،^(۱) بے شک گانا اور کھیل یہ دونوں نفاق کو اس طرح اگاتے ہیں جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ قرآن کی تلاوت اور ذکر یہ دونوں قلب میں ایمان کو اس طرح اگاتے ہیں جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”فتاویٰ قاضی خان“ میں لکھا ہے کہ: لہو و لعب کی چیزوں یعنی ساز اور باجوں کا سننا حرام اور سخت گناہ ہے اور استدلال میں یہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: باجوں کا سننا گناہ ہے اور اس کے پاس بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔^(۲)

آج امت کے پستی میں جانے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ امت تلاوت اور ذکر کو چھوڑ کر گانے بجانے میں مشغول ہو گئی ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جتنی اسلامی سلطنتوں کو زوال آیا ان میں سے اکثر کا باعث یہی تھا کہ ان کے بادشاہ ناچ گانوں کی محفلوں میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البیان والشعر“ ص ۴۱۱ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الغناء ينبت النفاق في

القلب كما ينبت الماء الزرع.

تَخْرِجُ مَجْدِيثٍ: عزاء صاحب المشكوة الى البيهقي في شعب الايمان.

تَرْكِيبُ مَجْدِيثٍ: الغناء: مبتداء۔ يَنْبِتُ: فعل ضمير فاعل۔ النفاق: مفعول۔ فَيَ: حرف جار۔ القلب: مجرور، جار مجرور سے مل کر يَنْبِتُ کے متعلق ہوا۔ کما: ك: حرف جار۔ ما: مصدر یہ۔ يَنْبِتُ: فعل، الماء: فاعل۔ الزرع: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر ك حرف جار کا مجرور ہوا پھر جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا يَنْبِتُ کے۔ يَنْبِتُ فعل اپنے فاعل، مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی الغناء مبتداء کی۔ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



قیامت کے دن بعض تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ ہوگا

②۹ التَّجَارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنْ اتَّقَى وَبَرَ وَصَدَّقَ.

ترجمہ: ”قیامت کے دن تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ ہوگا مگر وہ تاجر جس نے پرہیزگاری اختیار کی اور نیکی کی اور سچ بولا۔“

لُغَاتُكَ: التَّجَارُ: جمع تاجر کی، سوداگر، تَجَرَ (ن) تِجَارَةً، تجارت کرنا، قال تعالى: ﴿هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ﴾ يُحْشَرُونَ: حَشَرَ (ن) حَشَرًا: بمعنى جمع کرنا، قال تعالى: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾، اتَّقَى: پرہیز کرنا، وَقَى (ض) وَقَايَةً، حفاظت کرنا، قال تعالى: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾، بَرَ: (س. ض) سچ بولنا، قال تعالى: ﴿بِكِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾، صَدَّقَ (ن) صَدَقًا صِدْقًا، سچ بولنا، قال تعالى: ﴿قُلْ صَدَقَ اللَّهُ﴾. تَشْرِیح: اس حدیث میں ان تاجروں کی مذمت کو بیان کیا گیا ہے جو صحیح طور سے لین دین نہ کریں مگر ان تاجروں کو اس سے مستثنیٰ فرمایا گیا جن میں تین صفات ہوں: ① تقویٰ ② نیکی ③ سچ بولنا۔

اگرچہ تقویٰ میں بقیہ دونوں صفات داخل ہوگئی تھیں، لیکن تاجر جن برائیوں میں عام طور سے مبتلا ہوتے ہیں ان کے تدارک کے لئے ان دو صفات کو مزید اہتمام سے بیان فرمایا۔

تاجروں کے لئے چند اصول: اسی طرح سے بعض اور بھی اصول ہیں مثلاً: کھوٹ و ملاوٹ اور دغا و فریب نہ کریں، اور ایک یہ بھی کہ قسم کھا کر چیزوں کو فروخت نہ کریں اس سے حدیث میں منع فرمایا گیا اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو جھوٹی قسم کے ذریعہ مال فروخت کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے کلام نہیں فرمائیں گے، اور تاجروں کے لئے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ناپ تول میں انصاف رکھیں اور بھی بہت سے اصول ہیں جو احادیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، خلاصہ یہ کہ اگر تاجر شریعت کے اصول کے مطابق تجارت نہ کرے تو اس کے لئے بہت سی وعیدیں ہیں، منجملہ ان میں سے یہ حدیث بالا بھی ہے کہ قیامت کے دن ایسے تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ ہوگا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساهلة فی المعاملہ“ ص ۲۴۳ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبید ابن رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التَّجَارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنْ اتَّقَى وَبَرَ وَصَدَّقَ.

تَحْرِیحِ حَدِيثٍ: أخرجه الدارمی (فی باب التجار)، وابن ماجہ فی ”کتاب التجارات“ (باب التوقی فی التجارة) وأخرجه الترمذی ایضاً، وقال حدیث حسن صحیح.

تَرْكِيْبُ حَدِيثٍ: التَّجَار: مبتداء۔ يحشرون: فعل ضمير ذوالحال۔ يوم القيامة: مضاف، مضاف اليه سے مل کر مفعول فيہ ہوا۔
 فجار: مستثنیٰ منہ۔ الا: حرف استثناء۔ من: موصولہ۔ اتقى: فعل ضمير فاعل، فعل فاعل سے مل کر معطوف عليه۔ واؤ: حرف
 عطف۔ بر: فعل ضمير فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر معطوف عليه معطوف ہوا۔ واؤ: حرف عطف۔ صدق: فعل ضمير فاعل۔ فعل
 فاعل سے مل کر معطوف۔ معطوف عليه معطوف سے مل کر صلہ ہوا من موصولہ کا، موصول صلہ سے مل کر مستثنیٰ۔ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے مل
 کر حال ہوا۔ حال ذوالحال سے مل کر تحشرون کا نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ
 اسمیہ خبریہ ہوا۔



بعض تاجروں کا حشر نبیوں صدیقیوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا

③۰ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ.

ترجمہ: ”دیانتداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص (قیامت) کے دن نبیوں، صدیقیوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔“
لُغَاتُكَ: الشُّهَدَاءُ: شَهِيدٌ، شَهِدَ (س) شَهِدَ، حَاضِرٌ، هُوَ، گواہ، قَالَ، تَعَالَى: ﴿وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ﴾.

تشریح: جو تاجر شریعت کی منشاء کے مطابق تجارت کرے اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ: قیامت کے دن ایسے تاجر کا حشر نبیوں، صدیقیوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا، علماء فرماتے ہیں کہ: جنت میں اس کو ان کی رفاقت ملے گی، نبیوں کے ساتھ اس وجہ سے کہ ان کے احکامات کی روشنی میں اس نے تجارت کی، صدیقیوں کی رفاقت اس وجہ سے کہ اس نے سچائی کے ساتھ تجارت کی۔ تجارت کے بارے میں علماء کرام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دنیاوی اعتبار سے بھی تجارت میں بہت برکت ہے، ایک روایت میں یہاں تک فرمایا گیا کہ: تجارت کا پیشہ اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ نے دس حصوں میں سے نو حصے برکت تجارت میں رکھے ہیں، بقول اکبر الہ آبادی:

لفظ تاجر خود ہے برکت کا ثبوت دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساهلة فی المعاملة“ ص ۲۴۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی عن أبي سعيد الخدری وقال حدیث حسن، وأخرجه الدارمی (باب فی التاجر الصدوق) ورواه ابن ماجه عن ابن عمر (فی باب الحث علی المكاسب).

ترکیب حدیث: التاجر: موصوف۔ الصدوق: صفت اول۔ الامین: صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفات سے مل کر مبتداء۔ مع: مضاف۔ النبيين: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ الصديقين: معطوف علیہ معطوف۔ الشهداء: معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر النبيين کا معطوف ہو کر مضاف الیہ ہوا مع کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر الثابت محذوف کا مفعول ہو کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دنیا کے چار سب سے بڑے گناہ

① الْكِبَائِرُ: الْأَشْرَاطُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ.

تَرْجَمَةٌ: ”بڑے گناہوں میں سے چند یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی شخص کو ناحق مار ڈالنا، جھوٹی قسم کھانا۔“

لِغَايَةِ: الْأَشْرَاطُ: شَرِيكَ بَنَانَا، شَرِيكَ كَرْنَا، قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾، عُقُوقُ: عَقَّ (ن) عُقُوقًا، نَافِرْمَانِي كَرْنَا، عَقَّ الْوَلَدُ وَالِدَهُ، لُزَّكَ نَافِرْمَانِي كَرْنَا، قَالَ تَعَالَى: ﴿فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ﴾، يَمِينُ: قَسَمُ جَمْعُ أَيْمَنَ، أَيْمَانُ الْغَمُوسُ: جَانُ بُوْجْهِ كَرَقَسَمُ كَهَانَا، جَمْعُ غُمُسٍ، غَمَسَ (ض) غَمَسًا، دُبُونَا، اس میں آدمی گناہ میں ڈوب جاتا ہے۔

تَشْرِیحُ: اس حدیث پاک میں چار بڑے گناہوں کو بتایا گیا ہے۔

الاشراك بالله: ان میں سے پہلا یہ ہے کہ انسان اپنے رب کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک قرار دے۔

عقوق الوالدین: دوسرا بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے، علماء کرام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: والدین کے بارے میں تین باتوں کا خوب خیال رکھا جائے، اول: یہ کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے نہ زبان سے نہ ہاتھ سے اور نہ ہی کسی اور طرح سے، دوم: یہ کہ اپنی جان و مال میں سے جتنا بھی ممکن ہو ان پر خرچ کرے، سوم: یہ کہ جس وقت بھی وہ بلائیں حاضر ہو جائے، حدیث میں آتا ہے کہ انسان کو والدین کی نافرمانی کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔^(۱)

قتل النفس: تیسرا بڑا گناہ کسی کو ناحق قتل کرنا ہے، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ: جس نے ایک کلمہ سے بھی قاتل کی مدد کی تو یہ شخص میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جب کھڑا ہوگا تو پیشانی پر یہ لکھا ہوگا: ”أَيْسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے،^(۲) نیز ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ: اگر ساتوں آسمان وزمین والے کسی مؤمن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو ان سب کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا^(۳) اور بھی بہت سی احادیث میں اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

اليمين الغموس: چوتھا بڑا گناہ جھوٹی قسم کھانا ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس کی تعریف یہ ہے کہ جس نے ماضی کے زمانے میں جو کام کیا ہے اس پر قسم کھائے کہ کام نہیں کیا، اگر نہیں کیا تو قسم کھائے کہ کیا ہے، اس قسم کو غموس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہوتے ہیں ”ڈھانپ لینا“ تو یہ بھی انسان کو گناہوں میں ڈھانپ لیتی ہے۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکبائر وعلامات النفاق“ ص ۷۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الکبائر الاشراك بالله،

وعقوق الوالدين، وقتل النفس واليمين الغموس، رواه البخاری، وفي رواية انس وشهادة الزور بدل اليمين.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی ”کتاب الایمان والزور“، و اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان عن أبی بکرۃ وانس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: الکبائر: مبتداء۔ الاشرک: باللہ: جار مجرور یہ متعلق ہو کر الاشرک کے معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ عقوق: مضاف۔ الوالدين: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ قتل: مضاف۔ النفس: مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ سے مل کر پھر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ اليمين: موصوف، الو: ص: صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف، معطوف اپنے تمام معطوفات سے مل کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



نیکی اور برائی کی علامت

﴿۳۲﴾ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ. تَرْجَمَةٌ: ”نیکی خوش خلقی کا نام ہے اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم یہ پسند نہ کرو کہ لوگ اس پر واقف ہوں۔“

لُغَاتُ: الْخُلُقُ: بمعنی طبیعت، عادت، سیرت، قال تعالى: ﴿إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾، حَاكَ: (ن) حَوَّكَ، حَيَاكَ، شَكَّ اور تردد میں ڈالنا، صَدَرَ: ہر چیز کا سامنے سے اوپر کا حصہ، صَدَرَ (ض، ن) صَدْرًا آگے بڑھنا، قال تعالى: ﴿الْمُ نَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ﴾، كَرِهْتَ: (س) كَرِهًا كُرْهًا ناپسند کرنا، قال تعالى: ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾، يَطَّلِعُ: جاننا، (ف، س، ن) طُلُوعًا، جاننا، پہاڑ پر چڑھنا، اِطَّلَعَ (افتعال) واقف ہونا، قال تعالى: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ﴾ تَشْرِيحٌ: اس حدیث میں دو باتوں کو بیان کیا گیا ہے:

البر حسن الخلق: کہ نیکی خوش خلقی کا نام ہے، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ایک سائل نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”حسن خلق“ (۱) اور ایک جگہ حسن خلق کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر تم مال و دولت سے لوگوں کی امداد نہ کر سکو، تو خندہ پیشانی اور حسن خلق سے مدد کرو۔ (۲)

والاثم ما حاك في صدرك: دوسری بات جو اس حدیث میں فرمائی گئی کہ وہ یہ کہ بعض گناہ ایسے بھی ہیں کہ جن کو قرآن و حدیث میں صاف طور پر بیان نہیں کیا گیا تو اس صورت میں آدمی کیا کرے؟ تو اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ: اگر وہ کام کرتے وقت دل مطمئن نہ ہو اور دل میں کھٹکا پیدا ہو کہ لوگ کیا کہیں گے تو اب جان لے کہ یہ گناہ ہے اس کو چھوڑ دے، اگر دل مطمئن ہو اور کسی قسم کا دل میں خوف نہ ہو تو اس کام کو کر لے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرفق والحياء وحسن الخلق“ ص ۴۳۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن النّوأس بن سمعان قال: سألت رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن البرِّ والاثم، فقال: البرُّ حسن الخلق والاثم ما حاك في صدرك وكرهت ان يطلع عليه الناس.

تَحْنِيحٌ حَدِيثٌ: اخرجہ مسلم عن النّوأس بن سمعان في كتاب البرِّ والصّلة (باب تفسير البرِّ والاثم) و اخرجہ الترمذی في ابواب الزّهد (باب ما جاء في البرِّ والاثم) و اخرجہ الدارمی (باب في البرِّ والاثم).

ترکیبِ چَیْشِ البر: مبتداء۔ حسن: مضاف، الخلق: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر معطوف علیہ، واؤ: حرف عطف، الاثم: مبتداء، ما: موصولہ، حاک: فعل ضمیر فاعل، فی: حرف جار، صدرك: مضاف مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر حاک کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ معطوف، واؤ: حرف عطف، کرہت: فعل، ضمیر فاعل، ان: ناصبہ، یطلع: فعل، علیہ: جار مجرور یہ متعلق یطلع کے، الناس: فاعل فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مصدر ہو کر مفعول ہوا کرہت کا، فعل اپنے فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ ہوا، صلہ اپنے موصول سے مل کر خبر ہوئی الاثم مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ اسمیہ معطوفہ ہوا۔



تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے

﴿۲۳﴾ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاحْبِبْ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلَى عِيَالِهِ.
ترجمہ: ”تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے پس اللہ کے نزدیک مخلوق میں بہترین شخص وہ ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔“

لُعَايِكْ: عیال: جن کا نان نفقہ آدمی پر واجب ہو، عَال (ن) عَوْلًا، وَعِيَالًا، اہل وعیال کے معاش کی کفالت کرنا۔
تَشْرِیح: اسلام کی عجیب تعلیم ہے کہ تمام مخلوق کو ایک ہی خاندان فرمایا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آدمی اپنے خاندان والوں کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کے ساتھ پیش آتا ہے اور ان کو اپنا سمجھتا ہے تو اسی طرح اس کو چاہئے کہ تمام مخلوق خدا کو اپنا ہی سمجھے، جب اسلام کی یہ تعلیم زندہ ہوگی تو پھر تمام انسان آپس میں بھرپور محبت والی زندگی گذاریں گے۔
اسی وجہ سے ایک حدیث میں فرمان نبوی ﷺ ہے کہ ”تمام مسلمان ایک آدمی کے مانند ہیں، اگر اس کی آنکھ کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے، جب اس کے سر میں درد ہوتا ہے تو تمام جسم اس کے درد کو محسوس کرتا ہے۔“
جب آدمی سب کو اپنا سمجھے گا اور سب کے دکھ درد میں شریک ہوگا تو اس سے آپس میں الفت و محبت پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت خاصہ نازل فرمائیں گے، بقول شاعر کے:
کرو مہربانی تم اہل زمین پر * خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقه والرحم علی الخلق“ ص ۳۲۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ.

تَحْرِیحِ حَدِیْث: قال صاحب المشکوٰۃ هذا حدیث اخرجه البيهقي في شعب الايمان.
ترکیبِ حَدِیْث: الخلق: مبتداء، عیال اللہ: مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، فاحب: اسم تفضیل مضاف، الخلق: مضاف الیہ، الی اللہ: جار مجرور یہ متعلق ہوا فاحب کے اور پھر ”احب“ مضاف اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتداء، من: موصولہ، احسن: فعل ضمیر فاعل، الی: حرف جار، عیالہ: مضاف، ہ: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا الی کا اور پھر جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا فعل احسن کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ ہو کر صلہ ہوا من موصولہ کا، موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

③۴ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

ترجمہ: ”کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان (کی تکلیف) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“
تیسری بیج: یہ حدیث بہت ہی جامع حدیث ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ احادیث کا انتخاب فرمایا، ان میں سے یہ حدیث بالابھی ہے، اس حدیث کے الفاظ پر غور کیا جائے تو عجیب وضاحت سمجھ میں آتی ہے، مثلاً حدیث میں سب سے پہلے لفظ ”الْمُسْلِمُ“ فرمایا گیا، اس میں مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہے کہ تم مسلمان ہو کر بھی تکلیف دیتے ہو۔^(۱)
پھر ”لسانہ“ کے بعد ”یدہ“ فرمایا، علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: زبان کو ہاتھ پر اس لئے مقدم فرمایا کہ اکثر ایذا زبان ہی سے دی جاتی ہے، یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ زبان سے زندہ اور مردہ دونوں کو برا کہا جاسکتا ہے یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ زبان سے کہی ہوئی بات کا اثر دیر تک باقی رہتا ہے، بخلاف ہاتھ کے کہ وہ آدمی کچھ عرصہ کے بعد بھول جاتا ہے،^(۲) عربی کا شاعر کہتا ہے:

جراحات السنان لها التيام * ولا يلتام ما جرح اللسان

ترجمہ: تیروں کے زخم تو بھر جاتے ہیں لیکن زبان کا لگا ہوا زخم نہیں بھرتا۔

اس شعر کے مفہوم کو محمد اسماعیل میرٹھی نے بھی اپنی شاعری میں اس طرح ادا کیا ہے:

چھری کا تیر کا گھاؤ بھرا * لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

دوبارہ پھر ”سلم المسلمون“ فرمایا گیا مزید تاکید اور اہتمام کی وجہ سے کسی کو بھی بالکل ایذا اور تکلیف نہ دی جائے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۵ پر موجود ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم من سلم

المسلمون من لسانه ويده، والمؤمن من امنه الناس على دمائهم واموالهم.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الایمان ورواه مسلم فی کتاب الایمان أيضا.

ترکیب حدیث: المسلم: مبتداء، من: موصولہ، سلم: فعل، المسلمون: فاعل، من: حرف جار لسان: مضاف، ہ: مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ، واؤ: حرف عطف، یدہ: مضاف، مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر مجرور ہوا من کا، جار مجرور سے مل کر سلم فعل کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر من موصول کا صلہ، موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

مؤمن سے لوگوں کو اطمینان رہتا ہے

﴿۲۵﴾ الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ.

ترجمہ: ”مؤمن وہ ہے جس سے دوسرے لوگ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے بارے میں مطمئن رہیں۔“
 لغات: دِمَائُهُمْ: دَم کی جمع ہے، بمعنی خون، اصل میں ”دَمِي“ ہے، لام کلمہ حذف کر کے دَم بنایا گیا، جمع دِمَاء، قال تعالى: ﴿وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ﴾، أَمْوَالِهِمْ: یہ مال کی جمع ہے بمعنی دولت، قال تعالى: ﴿وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ﴾.
 تفسیر: یہ ماقبل کی حدیث کا جزء ہے، مطلب یہ ہے کہ مسلمان کی خوبی یہ ہے کہ اس سے کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچے نہ زبان سے اور نہ ہاتھ سے اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ذمی ہو یا حربی، مرد ہو یا عورت، وہ سب کی ہمدردی اور خیر خواہی کرتا ہو، حاضر ہو یا غائب دونوں ہی حالت میں لوگ اس سے اپنے جان اور مال کے بارے میں مطمئن ہوں، اگر مسلمان اسی ایک حدیث پر عمل کر لیں تو آج بھی دنیا آزارے نباشد ہو جائے اور تمام امن و چین کی زندگی بسر کرنے لگیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۵ پر موجود ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
 عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمؤمن من آمنه الناس على دماءهم وأموالهم.
 تخریج حدیث: أخرجه الترمذی عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: حدیث حسن صحیح.
 ترکیب حدیث: المؤمن: مبتداء، من: موصولہ، امن: فعل: مفعول، الناس: فاعل، على: حرف جار، دماء: مضاف، هم: مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر معطوف علیہ واموالهم مضاف مضاف الیه سے مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے مل کر علی کا مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا ”امن“ فعل کے، فعل اپنے فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر من موصول کا صلہ ہوا، موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نفس سے مجاہدہ کرنے والا حقیقت میں مجاہد ہے

﴿۳۶﴾ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ.

ترجمہ: ”حقیقی مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت و عبادت میں اپنے نفس سے مجاہدہ کیا۔“

لُعَاثِكُ: مُجَاهِدٌ: پوری طاعت صرف کرنا، جَهْدٌ (ف) جُهِدًا، بہت کوشش کرنا، قال تعالى: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا﴾، طاعة: فرمانبردار ہونا، طَاعَ (ن) طَوْعًا، فرمانبردار ہونا، قال تعالى: ﴿طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ﴾۔
تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس امارہ کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔
ہجرت کی دو قسمیں ہیں: ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت کی دو قسم ہیں، ایک: ظاہری، دوم: باطنی۔

ہجرت ظاہری: ظاہری ہجرت یہ ہے کہ آدمی دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے۔

باطنی ہجرت: اور باطنی ہجرت یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی زندگی چھوڑ کر اطاعت کی زندگی اختیار کرے۔^(۱)

محدثین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظاہری ہجرت کر رہے تھے۔
بعض علماء فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں تسلی ہے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے جو عذر کی وجہ سے ظاہری ہجرت نہیں کر سکے تھے، ان کو کہا جا رہا ہے کہ اصل ہجرت گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت کی طرف آنا ہے، تم اس کو کر کے ثواب حاصل کر سکتے ہو۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۵ پر موجود ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمؤمن من آمنه الناس على دماءهم وأموالهم، رواه الترمذی والنسائی، وزاد البيهقي في شعب الایمان برواية فضالة، والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب.

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوٰۃ الی البیهقی فی شعب الایمان، واخرجه ابن ماجه فی کتاب النفس (باب حرمة دم المؤمن وماله).

ترکیب حدیث: المجاهد: مبتداء، من: موصولہ، جاهد: فعل، ضمیر فاعل، نفس: مضاف، ہ: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول جاهد کا، فی: جار، طاعة: مضاف، لفظ اللہ: مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر فی جار کا مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر من موصول کا صلہ، موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

حقیقی مہاجر گناہوں کو چھوڑنے والا ہے

(۲۷) وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ.

ترجمہ: ”حقیقی مہاجر وہ ہے جس نے تمام گناہوں کو چھوڑ دیا۔“

لُغَاتُ: الْخَطَايَا: جمع ہے، الْخَطِيئَةُ کی، بمعنی گناہ، خَطِي (س) خَطَاءٌ غلطی کرنا، قال تعالیٰ: ﴿يَغْفِرُ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ﴾.

تشریح: اس حدیث میں فرمایا گیا کہ مہاجر وہ ہے، جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے، تو یہاں ہجرت سے مراد یہ ہوا کہ ”تَرْكُ مَا تَدْعُو إِلَيْهِ النَّفْسُ الْأَمَّارَةُ وَالشَّيْطَانُ“ کہ چھوڑنا ہے ہر اس چیز کو جس کی طرف نفس امارہ اور شیطان دعوت دیتا ہے۔

ایک اور ہجرت ہے جس کو عام طور سے سب ہی جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ”الْفِرَارُ بِالْإِيمَانِ مِنَ الْفِتَنِ“ کہ دین کے فتنہ کی وجہ سے کسی دوسری جگہ چلے جانا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ دوسری ہجرت کا سبب بھی اول والی ہی علت بنتی ہے کہ آدمی کو گناہوں میں پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں ہوتا اس سے بچنے کا تو وہ دوسری جگہ ہجرت کر جاتا ہے تاکہ احکامات خداوندی کی پیروی کرے اور اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھ سکے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۵ پر موجود ہے، پوری حدیث اور اس کی تخریج ماقبل میں حدیث نمبر ۳۶ کے ضمن میں مذکور ہے۔

ترکیبِ حدیث: المہاجر: مبتداء، من: موصولہ، ہجر: فعل، ضمیر فاعل، الخطایا: معطوف علیہ، واؤ: حرف عطف، الذنوب: معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر ہجر کا مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر من کا صلہ، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے

②۸ البَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

ترجمہ: ”گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔“

لُغَاتُ: البَيِّنَةُ: دلیل، حجت، جمع بَيِّنَات، بَانَ (ص) بَيَّانًا وَتَبَيَّنَا ظَاهِرًا هَوْنًا۔

تَشْرِیح: ”مُدَّعَى“ دعویٰ کرنے والے کو کہتے ہیں، اور ”مُدَّعَى عَلَيْهِ“ جس پر دعویٰ کیا گیا ہے، مطلب یہ ہوا کہ دعویٰ کرنے والے کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے دو گواہ پیش کرنے ہوں گے اور جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اگر وہ مدعی کی بات کو صحیح نہیں مانتا تو اپنی بات منوانے کے لئے اس کو قسم کھانی ہوگی بشرطیکہ مدعی اس کا مطالبہ کرے۔

اس حدیث بالا کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث بطور ضابطہ اور قانون کے ہے، کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے اور یہی بات قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتی ہے:

﴿وَأَسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ﴾^(۱)

ترجمہ: دو اشخاص کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، اسی طرح دوسری جگہ پر فرمایا گیا کہ: آپس میں دو معتبر اشخاص کو گواہ کر لو۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاقضية والشهادات“ ص ۳۲۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: البَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعَى وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی فی ابواب الاحکام عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وقال: هذا حديث حسن صحيح.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: البَيِّنَةُ: مبتداء، عَلَى: حرف جار، المدعی: مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر کائنۃ کے متعلق ہو کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر معطوف علیہ، واو: حرف عطف، الیمن: مبتداء، عَلَى: حرف جار، المدعی: صیغہ اسم مفعول، ضمیر نائب فاعل، عَلَى: حرف جار، ہ: مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر المدعی کے متعلق ہو کر علی جار کے لئے مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر کائنۃ کے متعلق ہو کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے

②۹ الْمُؤْمِنُ مِرَاةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكْفُ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ. تَرْجَمًا: ”ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے اور ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے جو اپنے مؤمن بھائی کو نقصان سے بچاتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی حفاظت کرتا ہے۔“

لُغَاتِي: مِرَاةٌ: آئینہ، جَمَ مَرَاءٍ وَمَرَايَا، رَأَى (ف) رُؤْيَةً، دَيْكُنَا، أَخُو: جَمَعَ أَخ، بھائی، سَأْتَحِي دوست قال تعالى: ﴿فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾، يَكْفُ: كَفَّ (ن) كَفًّا، كِفَايَةً، بمعنى رُكِنَا، قال تعالى: ﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفُفَ﴾، ضَيْعَتُهُ: جائداد، ضَاعَ (ض) ضَيْعًا ضَالَعٌ هَوْنًا، تَلَفَ هَوْنًا، قال تعالى: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ يَحُوطُهُ: حَاطَ (ن) حَوْطًا حفاظت کرنا، نگہبانی کرنا، گھیر لینا، قال تعالى: ﴿وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ﴾. تَشْرِيحٌ: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”اس حدیث میں مؤمن کی مثال آئینہ کے ساتھ دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جب آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے اگر اس میں کوئی عیب وغیرہ ہو تو آئینہ دوسرے کو اس عیب پر آگاہ نہیں کرتا، تو اس طرح مسلمان جب اپنے بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو تنہائی میں اس کو سمجھا دے، لوگوں کے سامنے اس کو ظاہر نہ کرتا پھرے تاکہ لوگوں کی نگاہ میں وہ ذلیل نہ ہو، یا مطلب یہ ہے کہ آدمی اتنا نیک بن جائے کہ دوسرا آدمی جو بھی اس کو دیکھے وہ بھی نیک ہو جائے جیسے کہ آئینہ کو دیکھ کر آدمی اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے“۔ (۱)

اس حدیث میں لفظ ”اخو“ استعمال فرمایا گیا ہے، یہ سگے اور حقیقی بھائی کو کہتے ہیں، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس طرح ایک بھائی دوسرے کا خیال رکھتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ”یکف عنہ ضیعتہ“: اخوت کا مظہر یہ بھی ہے کہ جب اس کا بھائی موجود نہیں ہے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کی عزت آبرو جان و مال کی حفاظت کرے۔ علماء فرماتے ہیں کہ: اس میں یہ بھی داخل ہے جب اس کے سامنے مسلمان کی غیبت یا عیب جوئی کی جائے تو اس کو منع کر دے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة علی الخلق“ ص ۴۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان احداكم مرآة اخيه فان رأى به اذى فليحط عنه رواه الترمذی، وضعفه، وفي رواية له ولا بی داؤد المؤمن مرآة المؤمن والمؤمن اخو المؤمن يكف عنہ ضیعتہ ويحوطه من ورائه.

تَحْرِیجِ حَدِیثِ: اخرجہ ابوداود فی کتاب الادب (باب فی الضیعة) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و اخرجہ البخاری فی الادب المفرد (باب المسلم مرآۃ اخیه)

ترکیبِ حَدِیثِ: المؤمن: مبتداء، مرآۃ: مضاف، المؤمن: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ: حرف عطف، المؤمن: مبتداء، اخو: مضاف، المؤمن: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر المؤمن مبتداء کی خبر اول، یکف: فعل، ضمیر فاعل، عنہ: عن: حرف جار، ہ: مجرور، جار مجرور سے مل کر یکف فعل کے متعلق، ضیعة: مضاف، ہ: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر یکف فعل کا مفعول، فعل اپنے فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ: حرف عطف، یحوط: فعل، ضمیر فاعل، من: حرف جار، ورائہ: مضاف مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا من جار کا، جار اپنے مجرور سے مل کر یحوط فعل کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر ”المؤمن“ کی خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



سارے مومن ایک جسم کے مانند ہیں

⑥ اَلْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنْ اَشْتَكَى عَيْنُهُ اَشْتَكَى كُلُّهُ وَاِنْ اَشْتَكَى رَأْسُهُ اَشْتَكَى كُلُّهُ. تَرْجَمَةً: ”سارے مومن ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ کو کوئی تکلیف ہو تو اس کے تمام اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر اس کے سر میں درد ہوتا ہے تو بھی اس کے سارے بدن کو تکلیف ہوتی ہے۔“

لُغَاتُ: اَشْتَكَى: بیمار ہونا، اَشْتَكَى باب افعال، اَشْكَاءُ، شكايت قبول کرنا، شَكْوَا، اَلْمُتَبَايَعَيْنَةُ: آنکھ جمع عُيُون ہے۔ تَشْيِيعُ: اسلام نے آپس کے رحم اور حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے، اس کی نظیر کسی اور مذہب اور دین میں نہیں ملتی اسلام نے تمام مسلمانوں کو ایک برادری بنا دیا اور تمام ذات و قبائل اور تفرقات کو بالکل ختم کر دیا اور فرمایا کہ تم نہ سرخ رنگ والوں سے بہتر ہو اور نہ سیاہ رنگ والوں سے مگر تقویٰ کے اعتبار سے افضل ہو سکتے ہو۔

اسلام نے ہی تمام مسلمانوں کو ایک بدن کے مانند بنایا کہ جب کسی کو تکلیف پہنچے تو یہ سمجھے کہ مجھ کو ہی تکلیف دی جا رہی ہے، اس کی مثال حدیث بالا میں ایک عام سی فرمائی گئی ہے کہ جب انسان کی آنکھ کو تکلیف ہوتی ہے تو یہ نہیں کہ وہ تکلیف صرف آنکھ کو ہی ہو، بلکہ اس کی تکلیف سارا بدن محسوس کرتا ہے اسی طرح اگر پوری امت ہو جائے تو آج بھی اس میں وہ طاقت آ سکتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تھی اور پھر کوئی مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکے گا، اسی مفہوم کو شیخ سعدی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

بنی آدم اعضاء یکدیگرند * کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدر آورد روزگار * دگر عضوہا را نماند قرار

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة علی الخلق“ ص ۴۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المؤمنون كرجل واحد ان اشتكى عينه اشتكى كله وان اشتكى رأسه اشتكى كله.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجه مسلم في البر والصلة عن النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه.
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: المؤمنون: مبتداء، ك: حرف جار، رجل: موصوف، واحد: صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر محذوف کے متعلق ہو کر المؤمنون کی خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، ان: حرف شرط، اشتكى: فعل، عينه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر شرط اشتكى: فعل، كله: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر معطوف علیہ، ان: حرف شرط، اشتكى: فعل، راسه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل فعل فاعل سے مل کر شرط اشتكى: فعل، كله: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

سفر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی ہدایت

④ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ فَإِذَا قَضَىٰ أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيَعْجَلْ إِلَىٰ أَهْلِهِ.

ترجمہ: ”سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے سفر تمہیں روکتا ہے سونے اور کھانے اور پینے سے لہذا تم میں سے جب کوئی سفر کی غرض کو پوری کر لے تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کی طرف جلدی لوٹ جائے۔“

لِغَايَةِ: السَّفَرُ: مسافت طے کرنا، جمع أسفار، سَفَرَ (ن) سَفُورًا سفر کرنا، قال تعالى: ﴿إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾، قِطْعَةٌ: جمع قِطْعٍ ٹکڑا، طَعَمَ (ف) قِطْعًا، جدا کرنا، کاٹنا، قال تعالى: ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ﴾، يَمْنَعُ: مَنَعَ (ف) مَنَعًا روکنا، محروم کرنا، قال تعالى: ﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾، نَوْمُهُ: نَامَ (ن) نَوْمًا وَيَنَامًا، سَوَا، قال تعالى: ﴿لَا تَأْخُذْهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾، قَضَىٰ: (ض) پورا کرنا، فارغ ہونا، قال تعالى: ﴿فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا﴾، نَهْمَتُهُ: حاجت ضرورت، نَهِمَ (س) نَهْمًا، وَنَهَامَةٌ مریض ہونا، وَجْهِهِ: جمع أَوْجُهُ، وَجُوهُ، وَجَّةٌ (ض) وَجَاهَةٌ، منہ پر مارنا، قال تعالى: ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ فَلْيَعْجَلْ: عَجَلَ باب سمع. وعجلت اليك رب لترضى. جلدی کرنا، عَجَلَ (س) عَجَلًا وَعَجَلَةً، جلدی کرنا، قال تعالى: ﴿فَعَجَلْ لَّكُمْ هَذِهِ﴾

تشریح: سفر میں انسان کو جسمانی و روحانی مشقت کے ساتھ ساتھ سردی و گرمی، خوف وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے اور زندگی کی بہت سی راحتوں کو چھوڑنا ہوتا ہے، خاص کر کے گذشتہ زمانے میں جب یہ موجودہ سواریاں بھی نہ تھیں تو انسان کو کتنی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہوں گی، یہ وہی شخص جان سکتا ہے جس پر یہ تکالیف پڑتی ہوں گی، اس وجہ سے اس حدیث میں سفر کو ”قطعة من العذاب“ فرمایا گیا ہے، (۱) نیز یہ کہ اس حدیث میں سونے، کھانے، پینے کو بطور مثال کے ذکر کیا گیا ہے ورنہ سفر اور بھی بہت سی چیزوں سے روک دیتا ہے، مثلاً جمعہ کی نماز، عیدین کی نماز، جماعت کی نماز، روزہ وغیرہ سے۔ (۲)

”فلیعجل الی اہلہ“: گھر کی طرف لوٹ آئے، ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ اس وقت ہے جب کہ سفر ضروری نہ ہو، (۳) علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: واپس جلدی لوٹ آئے تاکہ جمعہ، عیدین، جماعت کی نماز وغیرہ زیادہ اس سے فوت نہ ہوں۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب آداب السفر“ ص ۲۳۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: السفر قطعة من

العذاب یمنع احدکم نومه وطعامه وشرابه فاذا قضی احدکم نهمته من وجہہ فلیعجل الی اہلہ.

تَحْنِجُ حَنِيشٍ: اخرجہ البخاری فی ابواب العمرة وفي الاطعمة عن أبي هريرة رضى الله تعالى عنه، و اخرجہ مسلم فی کتاب الامارة (باب السفر قطعة من العذاب).

ترکیب حَنِيشٍ: السفر: مبتداء، قطعة: موصوف، من: حرف جار، العذاب: مجرور، جار مجرور سے مل کر "کائنۃ" کے متعلق ہو کر صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر "السفر" کی خبر اول، يمنع: فعل، ضمیر فاعل، احدکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول اول، نومه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ، واؤ: حرف عطف، طعامہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ معطوف، واؤ: حرف عطف، شرابه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف، تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر مفعول ثانی بمنع فعل کا، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

فاذا: لفظ شرط، قضی: فعل، احدکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، نہمتہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، من وجہہ: جار مجرور متعلق قضی کے، فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر شرط، فلیعجل: فاء: جزائیہ، فعل فاعل، الی اہلہ: متعلق "فلیعجل" کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



نوع آخر منها

یہاں سے بھی مصنف ”جملہ اسمیہ“ ہی والے جملے لائیں گے مگر مسند الیہ معرف بالام نہیں ہوگا۔

جہاد سے واپسی پر بھی جہاد والا ثواب ملتا ہے

⑫ قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ.

ترجمہ: ”جہاد سے واپس آنا بھی جہاد پر جانے کے برابر ہے۔“

لُغَاتُكَ: قَفْلَةٌ: (ن ض) قَفْلًا، وَقَفُولًا، بمعنى سفر من لَوْثًا، غَزْوَةٌ: غَزَا (ن) غَزْوَةً، غَزَوْا، بمعنى جہاد کے لئے نکلنا، اس کی جمع غَزَوَاتٌ آتی ہے۔

تشریح: حدیث کا شان و رُود: آپ ﷺ نے ایک لشکر جہاد کے لئے روانہ کیا مگر دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ لشکر لوٹ آیا، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم لوگ اس لئے واپس آئے ہو کہ مزید لوگوں کو ساتھ لے جاؤ اور اس وقت فرمایا کہ: ”قفلة كغزوة۔“ (۱)

اس حدیث میں جہاد سے گھر واپس ہونے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کو بھی جہاد فرمایا گیا ہے کیونکہ غازی کی نیت تو یہ ہوتی ہے کہ پھر جب جہاد ہوگا، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑوں گا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب آدمی جہاد سے واپس آتا ہے اور گھر والوں سے ملتا بھی ہے تب بھی اس کا ثواب ختم نہیں ہوتا جیسے کہ حاجی کا ثواب ختم نہیں ہوتا ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الجہاد“ ص ۳۳۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”قفلة كغزوة۔“
تخریج حدیث: أخرجه ابو داؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی (باب فضل القفل فی الغزو).
ترکیب حدیث: قفلة: مبتداء، كغزوة: ك: حرف جار، غزوة: مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا کائنۃ محذوف کے، اور پھر یہ خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

﴿۱۲﴾ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ.

ترجمہ: ”صاحب استطاعت کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔“

لُغَاتُكَ: مَطْلٌ: (ن) مَطْلًا، ٹال مٹول کرنا، الْغَنِيُّ: مال دار۔

تشریح: ٹال مٹول کرنے والے کے بارے میں وعید: علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب کوئی مال دار آدمی کوئی چیز خریدے پھر باوجود مال موجود ہونے کے اس کی قیمت ادا نہ کرے یا اسی طرح کوئی آدمی کسی سے قرض لے باوجود مال موجود ہونے کے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے اور آج کل کرتا رہے، تو اس حدیث میں ایسے شخص کے لئے وعید ہے کہ اس نے ظلم کا کام کیا۔

غنی سے مراد یہ ہے جو قرض کے ادا کرنے پر قادر ہوا اگرچہ فی نفسہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو، اس میں عموم ہے خواہ وہ معاملہ بیوی شوہر کے درمیان کا ہو، یا آقا غلام کے درمیان کا ہو یا حاکم رعایا کے درمیان کا ہو خواہ وہ مالی ہو یا غیر مالی سب کو ہی یہ حدیث شامل ہے۔^(۱)

ٹال مٹول کرنے والے کی سزا: ایک دوسری حدیث میں آتا ہے جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”لَيْتُ الْوَاجِدَ يُجِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ“ قرض نہ ادا کرنے والے کا ٹال مٹول کرنا حلال کر دیتا ہے اس کی آبرو اور سزا کو،^(۲) یعنی اگر اسلامی حکومت ہو تو ایسے شخص کو سوسائٹی کی نگاہ میں گرایا جاسکتا ہے اور اس کو ذلیل کرنے کے لئے دوسرے طریقے بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں، اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ جب آدمی کو ضرورت ہو تو قرض لے لے، مگر جب ضرورت پوری ہو تو جلدی واپس کر دے، ٹال مٹول نہ کرے۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس طرح ٹال مٹول سے کام لینے والا شخص فاسق ہو جاتا ہے اور اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی اور حکومت ایسے شخص کو جیل میں بھی بند کروا سکتی ہے، اور تعزیر کے طور پر سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الافلاس والانظار“ ص ۲۵۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه ان رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، فاذا اتبع احدكم على ملئ فليتبع. **تَحْرِيجُ حَدِيثٍ**: اخرجه مسلم في كتاب المساقاة والمطل، واخرجه البخاري في كتاب الاستقراض واداء الديون، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

ترکیبِ حدیث: مَطْلُ: مضاف، الْغَنِيُّ: مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر مبتداء، ظَلَمَ: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

امیر خادم ہوتا ہے

﴿٤٤﴾ سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ.

تَرْجَمَہ: ”سفر میں جماعت کا امیر ان کا خادم ہوتا ہے۔“

لُغَاتِک: سَيِّد: بمعنی سردار، جمع سَادَاتُ آتی ہے، خَادِمُهُمْ: (ض، ن) خدمت کرنا جمع خُدَامہ آتی ہے۔

تَشْرِیْح: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب تم سفر کا ارادہ کرو تو کسی ایک کو اپنا امیر بنالو، اور حدیث بالا میں امیر کے لئے ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ امیر ایسا ہو جو لوگوں کی خدمت کرنے والا ہو، ساتھیوں کی مصالح پر نظر رکھے اور ان کے ہر معاملہ میں رعایت رکھے۔

قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے: بعض محدثین اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قوم اور جماعت کی خدمت میں لگا رہے حقیقت میں وہی امیر ہے اگرچہ بظاہر کسی دوسرے کو امیر بنایا گیا ہو۔^(۱)

مرقاۃ نے اس پر ایک قصہ لکھا ہے کہ ابوعلیؑ نے سفر میں عبداللہ مرزویؒ کو امیر بنایا تمام سفر میں عبداللہ مرزویؒ تمام سامان کمر پر رکھتے اور جب ایک رات بارش ہوئی تو تمام رات رفیق سفر کے سر پر چادر تانے کھڑے رہے کہ بھیکے نہیں اور جب ابوعلیؑ ان کو منع کرتے تو فرماتے کہ: تم نے ہی مجھ کو اپنا امیر بنایا ہے پس میری اطاعت کرنی ہوگی۔^(۲)

بہر حال اس حدیث میں امیر کی یہ صفت بیان کی گئی کہ اس میں ساتھیوں کی خدمت کا جذبہ ہو اور اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح

دے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب السفر“ ص ۳۴۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سهل بن سعد رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سيد القوم في السفر خادمهم فمن سبقهم بخدمة لم يسبقوه بعمل الا الشهادة.

تَحْرِیْحِ حَدِیْث: اخرجہ البیهقی فی شعب الایمان.

تَرْکِیْبِ حَدِیْث: سید القوم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، فی: حرف جار، السفر: مجرور، جار مجرور سے مل کر، خادمهم: کے متعلق مقدم خادمهم: مضاف مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے

④۵ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ.

تَرْجَمَہ: ”کسی چیز سے محبت کرنا تجھ کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔“

لُغَاتُک: يُعْمِي، بمعنی اندھا کرنا، عَمِيَ (س) عَمِيَ اندھا ہونا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ﴾. يُصِمُّ: بمعنی بہرا کرنا، صَمَّ (س) صَمَّا بہرا ہونا۔

تَشْرِیْحُ: محبت کی تعریف: ”امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کی تعریف یہ لکھی ہے کہ: ”پسندیدہ چیز کی طرف طبیعت کا مائل ہونا۔“ (۱)

چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے: اس حدیث میں انسان کی فطرت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسان جب کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو یہ محبت اس پر ایسی غالب آ جاتی ہے کہ اس کو اپنے محبوب کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ (۲)

اور انسان اس محبت میں ایسا ہو جاتا ہے کہ اس محبت میں وہ کسی کی مذمت کو سننا بھی پسند نہیں کرتا (بقول متنبی)

عَذْلُ الْعَوَازِلِ حَوْلَ قَلْبِي التَّائِهَةِ * وَهَوَى الْأَحْبَةِ مِنْهُ فِي سُودَائِهِ (۳)

تَرْجَمَہ: ملامت کرنے والیوں کی ملامت میرے پریشان دل کے ارد گرد، اور محبوبوں کی محبت دل کے بیچ میں ہے۔ جیسے کہ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذَكَرَ الْمَحَبَّةَ يَا مَوْلَايَ اسْكُرْنِي * وَهَلْ رَأَيْتَ مُحَبًّا غَيْرَ سَكْرَانٍ (۴)

تَرْجَمَہ: اے مولا! تیری محبت کی یاد نے مجھے مدہوش کر دیا کیا تو نے کسی ایسے محب کو دیکھا ہے جو مدہوش نہ ہوا ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المفاخرة والعصية“ ص ۲۱۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ.

تَحْرِیْجُ حَدِيثِیْہ: اخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي كِتَابِ الْأَدَبِ (بَابُ فِي الْهَوَى)

تَرْکِیْبُ حَدِيثِیْہ: حُب: مصدر، مضاف لک: مضاف الیہ معنی فاعل، الشَّيْءُ: مفعول، مصدر اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتداء یعنی: فعل ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر معطوف علیہ، ویصم: فعل ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

⑥ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ.

تَرْجَمَةٌ: ”علم (دین) حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

لُغَاتٌ: طَلَبٌ: (ن) تلاش کرنا، فَرِيضَةٌ: فَرَضٌ (ض) فرض کرنا۔

تَشْرِیْحٌ: طلب علم سے کیا مراد ہے؟ اس کے تعین میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اتنا علم مراد ہے جس کے بغیر آدمی نہ فرائض ادا کر سکے اور نہ ہی حرام سے بچ سکے۔ (یہ) دین ہی کے علم سے ہوگا تو مراد دین کا ہی علم ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں وہ علم مراد ہے جس کی ضرورت انسان کو بالفور ہو۔^(۱)

بعض کے نزدیک اس سے مراد اخلاص ہے کہ اس کے ذریعہ وہ نفس کی برائیوں کو (مثلاً کینہ، حسد، تکبر وغیرہ) کو اپنے سے دور رکھے۔ نیز اس کا علم بھی ضروری ہے جس سے اعمال فاسد ہو جاتے ہیں۔^(۲)

امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ: اتنا علم حاصل کرے کہ اپنے دین سے فائدہ اٹھا سکے۔^(۳)

سنن بن الرزق رحمہ اللہ نے جب عبد اللہ ابن مبارک رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: جب آدمی کو دین کی کسی بات میں شک ہو تو اب اس پر فرض ہے کہ سوال کر کے اس شک کو دور کر لے۔^(۴) ان اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۴ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم وواضع العلم عند غير اهله كمقلد الخنازير الجواهر واللؤلؤ والذهب.

تَحْرِیْرٌ: حَدِیْثٌ: رواہ ابن ماجہ ورواہ البیہقی فی شعب الایمان.

تَرْکِیْبٌ: حَدِیْثٌ: طلب العلم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، فريضة: صیغہ صفتہ مشبہ علی: حرف جار، کل: مضاف، مسلم: مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا حرف جار کا، جار مجرور سے مل کر فريضة کے متعلق، فريضة اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

مال کے حرص کی مذمت

﴿٤٧﴾ مَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَالْهَىٰ.

تَرْجَمَہ: ”جو (مال) کم ہو اور کفایت کرنے والا ہو وہ اس (مال) سے بہتر ہے جو زیادہ اور غافل رکھنے والا ہو۔“
لُغَاتُہ: قَلَّ: کم ہونا، قال تعالى ﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ الہی: بمعنی غافل کرنا، قال تعالى ﴿أَلْهَاكُمْ التَّكَاثُرُ﴾.

تَشْرِیح: مال کی حرص کی مذمت: انسان کی طبیعت میں مال کی حرص ہے۔ اگر اس کو انسان قابو نہ کرے تو بڑھتی ہی جاتی ہے اور پھر انسان اسی دھن میں شب و روز ایک کرتا ہے۔ اس حدیث بالا میں ایسے شخص کو تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان کو یہ چاہئے کہ تھوڑے ہی مال پر قناعت کر لے۔ ایسا نہ ہو کہ مال تو زیادہ ہو جائے اور یہ اس مال میں ایسا لگے کہ اپنے رب کو بھی بھول جائے۔^(۱)
امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ: ”اے انسان! تجھے ساری دنیا کی دولت بھی مل جائے تب بھی تجھے دو وقت کی روٹی ہی میسر آتی ہے۔“^(۲)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو اس کے تقسیم کردہ رزق پر راضی نہ ہوں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ﴾، آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان اور زمین کے رب کی قسم وہ حق ہے۔“^(۳)
لِلَّهِ الدَّرَاقِلُ:

اِنَّ الْقِنَاعَةَ مِنْ يَحْلُلُ بِسَاحَتِهَا * لَمْ يَلْقَ فِي ظِلِّهَا هُمَا يُورِقُهُ^(۴)
تَرْجَمَہ: بے شک جو شخص قناعت کو پالیتا ہے کبھی اس پر دکھ کا سایہ نہیں پڑتا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۳۵ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي الدرداء رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما طلعت الشمس الا وبجنيبها ملكان يناديان يسمعان الخلائق غير الثقلين: يا ايها الناس هلموا الى ربكم ما قل وكفى خير مما كثر والهي.

پَخْرِجْ حَدِيثًا: اخرجہ ابن حبان.

ترکیبِ جَدِیث: ما: موصولہ۔ قل: فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل سے ن کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ کفی: فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مبتداء۔ خیر: صیغہ اسم تفضیل۔ مما: من حرف جار۔ ما: موصولہ۔ کثر: فعل فاعل سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف، الہی: فعل فاعل سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور سے مل کر خیر کے متعلق ہوا۔ خیر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



سحری کے وقت کا خواب عموماً سچا ہوتا ہے

﴿٤٨﴾ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ.

ترجمہ: ”صبح کے وقت کا خواب زیادہ سچا ہوتا ہے۔“

لُغَاتُكَ: الرُّؤْيَا: اس کی جمع رؤی ہے بمعنی خواب، قال تعالى ﴿اَفْتُونِي فِي رُؤْيَاي﴾، اَسْحَار: جمع سحر، صبح صادق سے پہلے کا وقت، اگر باب تفعلیل سے ہو بمعنی سحری کھانا، حدیث میں ہے: تَسَحَّرُوا فَإِنَّ الشُّحُورَ بَرَكَةٌ.

تَشْرِیح: خواب کی تین قسمیں: علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواب کی تین قسمیں ہیں:

اول محض خیالی: یعنی انسان دن بھر جو کام کرتا ہے رات کو خواب میں متشکل ہو کر اس کو دیکھتا ہے۔

دوسری قسم: بشارت الہیہ ہوتی ہے، اسی خواب کے بارے میں حدیث بالا میں اصدق الرویا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری قسم: شیطانی اثرات کے عکاس ہوتا ہے۔^(۱)

سحری کے وقت کے خواب سچے ہونے کی وجہ: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سحری کے وقت کے خواب کئی وجوہات کی بناء پر سچے ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ آخر رات کو دل و دماغ میں سکون ہوتا

ہے۔ دوم یہ کہ اس وقت میں نزول ملائکہ ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف فرما ہوتے

ہیں۔ ان سب وجوہات کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سحری کے وقت کے عموماً خواب سچے ہوتے ہیں۔“^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرؤیا“ ص ۳۹۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي سعيد رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اصدق الرؤيا

بالاسحار.

تَحْرِیْح حَدِیْث: اخرجہ الترمذی فی ابواب الرؤیا و اخرجہ الدارمی.

تَرْکِیْب حَدِیْث: اصدق الرؤیا: اسم تفضیل۔ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ بالاسحار: جار مجرور سے مل کر متعلق

مخذوف کے ہو کر مبتداء کی خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

کمانے کے چار درجے

④ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ.

تَرْجَمَہ: ”حلال روزی حاصل کرنا بھی ایک فرض ہے دوسرے فرائض کے بعد۔“

لُغَاتِی: کَسْب: بمعنی کمانا، کَسَبَ (ض) کَسَبًا قَالَ تَعَالَى ﴿وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ﴾. الْحَلَالُ: اس کی ضد حَرَامُ آتی ہے، قَالَ تَعَالَى: ﴿أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾

تَشْرِیح: علماء نے لکھا ہے کہ یہاں فرائض سے مراد ہے ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، توحید وغیرہ ہیں اس حدیث میں انسان کو کمانے کی اجازت دی گئی ہے مگر ساتھ ساتھ حد بھی بیان کر دی گئی ہے کہ اس کمانے میں انسان فرائض کو نہ بھول جائے۔ کمانے کے چار درجے: علماء نے لکھا ہے کہ کبھی کمانا فرض ہو جاتا ہے اور کبھی حرام اور کبھی مستحب اور کبھی مباح۔ فرض: اس وقت ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس اتنا بھی مال نہ ہو جس سے وہ خود اور اپنے اہل و عیال کو کھلا سکے۔ حرام: اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اس مال سے فخر اور اپنی شان کو بڑھانے کے لئے کمائے۔

مستحب: اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے زائد کمائے اس نیت کے ساتھ کہ میں اس مال سے مسکینوں اور فقیروں کی مدد کروں گا۔

مباح: اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد کمائے اس نیت سے کہ اس مال سے اپنی عزت و آبرو وغیرہ کی حفاظت کروں گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکسب و طلب الحلال“ ص ۲۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.

تَحْرِیجِ حَدِیث: عزاء صاحب المشکوٰۃ الی البیهقی فی شعب الایمان.

تَرْکِیْبِ حَدِیث: طلب: مضاف۔ کسب: مضاف الیہ مضاف۔ الحلال: مضاف الیہ تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مبتداء۔ فريضة: موصوف۔ بعد الفريضة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر صفت۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے

⑤ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: ”تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔“

لُغَاتُكَ: خَيْرٌ: اصل میں اَخِيَر ہے، ہمزہ کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر دیا، تَعَلَّمَ: باب تفعیل سے بمعنی سیکھنا اور باب تفعیل سے عَلَّمَ بمعنی سکھانا۔ قال تعالیٰ: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ﴾.

تَشْرِیْحُ: قرآن کو سیکھنے اور سکھانے والا سب سے بہتر ہے: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: جو شخص قرآن مجید کو سیکھے اور پھر لوگوں کو سکھائے تو یہ سب سے افضل اور بہترین لوگوں میں سے ہے کیونکہ اس نے دونوں خیروں کو جمع کر لیا ہے۔ (۱)

بعض علماء فرماتے ہیں: بہترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا اس مقصد کے لئے تھا کہ وحی کے ذریعہ جو قرآن حاصل ہو اس کی حکمت کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا جائے۔ تو اب جو بھی قیامت تک قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے تو یہ شخص گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مشن کا علمبردار ہوتا ہے۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص الخاص نجات حاصل ہوگی اس لئے اس کو سب سے افضل فرمایا گیا ہے۔ (۲)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کے بعد یہ لوگ بہترین ہیں جو کلام اللہ کو سیکھیں اور پھر سکھائیں مگر اس سیکھنے اور سکھانے میں اخلاص اور رضاء الہی کو سامنے رکھیں دنیاوی کوئی غرض سامنے نہ ہو۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب فضائل القرآن“ ص ۱۸۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمران قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خيركم من تعلم القرآن وعلمه .

تَحْنِيْحُ حَدِيْثُ: اخرجہ البخاری فی کتاب فضائل القرآن. واخرجہ ابوداود فی کتاب الصلوۃ (باب فی ثواب قراءة القرآن)

تَرْکِیْبُ حَدِيْثُ: خیرکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ من: موصولہ۔ تعلم: فعل ضمیر فاعل۔ القرآن: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ علمہ: فعل، ضمیر فاعل ہ: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے

⑤۱ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ.

تَرْجَمَہ: ”دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔“

لُعَانَتِكَ: الدُّنْيَا: عالم۔ موجودہ زندگی کو کہتے ہیں۔ دَنَا (ن) دُنُوًّا بمعنی قریب ہونا، دنیا بھی آخرت سے قریب ہے قال تعالیٰ: ﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾

تَشْرِیْح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث جامع احادیث میں سے ہے۔

تمام برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے: اکثر گناہ دنیا کی محبت ہی کی وجہ سے انسان کرتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! دنیا کی محبت میں مشغول نہ ہونا میری بارگاہ میں اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ (۱)

عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ: جب دنیا کی محبت اور گناہوں نے کسی دل کو اپنا شکار بنالیا تو اب ایسے دل میں بھلائی کبھی نہیں پہنچ سکتی۔ (۲)

صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت جس دل میں آجائے تمام اصلاح کرنے والے اس کو راہ راست پر نہیں لاسکتے۔ اور جس نے دنیا کو اپنے دل سے نکال دیا تو اب تمام گمراہ لوگ اس کو راہ راست سے بھٹکا نہیں سکتے۔ (۳)

علماء فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ دنیا سے بے تعلقی رکھنا یہ تمام عبادتوں اور نیکیوں کی جڑ ہوگی۔
لِلّٰہِ دِرَاقَاتُ:

وما المال والاهلون الا ودیعة * ولا بدّ یوما ان ترد الودائع

تَرْجَمَہ: مال اور اولاد سب مستعار چیزیں ہیں انہیں ایک دن یقیناً واپس کرنا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی خطبته: الخمر جماع الاثم والنساء حباثل الشیطان وحب الدنیا رأس کل خطیئۃ قال وسمعتہ أخرجوا النساء حیث اخرهن اللہ.

تَحْرِیْجِ حَدِیْثِ: رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما عزاه الیہ صاحب مشکوٰۃ.

تَرْکِیْبِ حَدِیْثِ: حب الدنیا: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ رأس: مضاف۔ کل: مضاف الیہ مضاف۔ خطیئۃ: مضاف الیہ تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے

﴿۵۲﴾ أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ.

ترجمہ: ”اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔“

لُعَامِي: أَعْمَال: عَمَلٌ کی جمع ہے بمعنی کام قال تعالیٰ: ﴿أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ﴾. أَدْوَمُهَا: دَامَ (ن) دَوْمًا وَدَوَامًا ہمیشہ رہنا۔ قال تعالیٰ ﴿مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ﴾.

تفسیر: اس حدیث کا مطلب علماء فرماتے ہیں آدمی جب کسی نیک کام کو شروع کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو ہمیشہ کرے چھوڑنا نہیں چاہئے اگرچہ یہ مقدار میں عمل تھوڑا ہی ہو۔ یہ بہتر ہوگا اس عمل سے جو مقدار میں زیادہ ہو مگر اس کے آداب و شرائط کے ساتھ نہ کیا گیا ہو اور نہ وہ ہمیشگی کی صفت سے مزین ہو۔^(۱)

نبی کریم ﷺ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیادہ اعمال کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اتنے ہی اعمال کرو جن پر تم مداومت کر سکتے ہو۔

کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ ﷺ کا کوئی خاص عمل بیان کریں اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کوئی خاص عمل تو نہیں تھا ہاں یہ ضرور تھا جس کام کو آپ ﷺ شروع کرتے تھے۔ اس پر مداومت کرتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض عارفین سے منقول ہے ”الْإِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكِرَامَةِ.“ استقامت کرامت سے افضل ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب القصد فی العمل“ ص ۱۰۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: احب الاعمال الى اللہ ادومها وان قل.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب اللباس (باب الجلوس علی الحصیر) وأخرجه مسلم (فی باب فضيلة العمل الدائم من قیام اللیل) عن عائشة.

ترکیب حدیث: احب: صیغہ اسم تفضیل مضاف۔ الاعمال: مضاف الیہ۔ الی اللہ: جار مجرور متعلق ہوا ”احب“ کے اور ”احب“ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتداء۔ ادومها: مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر قائم مقام جزا۔ وان: وصفیہ شرطیہ۔ قل: فعل فاعل سے مل کر شرط۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بہترین صدقہ کسی جاندار کا پیٹ بھرنا

﴿۵۲﴾ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا.

تَرْجَمَہ: ”بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی جاندار بھوکے کا پیٹ بھرا جائے۔“

لِغَايَةِ: صَدَقَةٌ: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے جو مال دیا جائے۔ جَمْعُ صَدَقَاتٍ قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾. تُشْبِعُ: (س) شَبَعًا وَشَبَعًا. شَمَكٌ سِيرَ هَوْنًا (باب افعال) کسی کا پیٹ بھرنا۔ كَبِدًا: بمعنی جگر و کلیجہ جمع اَكْبَادٌ، كُبُودٌ آتی ہے یہاں مراد پیٹ ہے۔ جَائِعًا: جَاعَ (ن) جُوعًا بمعنی بھوکا ہونا، جمع جَائِعَانِ آتی ہے۔

تَشْبِيعُ: صدقہ کی تعریف: صدقہ کہتے ہیں ”اپنے مال کو اللہ کی رضا مندی اور قرب حاصل کرنے کے لئے کسی کو دینا۔“
بھوکے کو کھانا کھلانے کی فضیلت: بھوکے کو کھانا کھلانے کے بارے میں متعدد احادیث میں فضائل وارد ہوئے ہیں مثلاً:
ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مغفرت کو واجب کرنے والی چیزوں میں بھوکوں کو کھانا کھلانا بھی ہے۔^(۱)
ایک دوسری روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے جو شخص کسی جان دار کو کھانا کھلائے حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے کھانوں میں سے کھلائیں گے۔^(۲)

علماء نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ اس میں انسانوں کے ساتھ حیوانات بھی داخل ہیں جو کسی حیوان کو بھی کھلائے وہ بھی اسی فضیلت میں داخل ہوگا اس پر استدلال اس روایت سے بھی کرتے ہیں^(۳) جس میں آتا ہے کہ ایک بدکار عورت نے ایک ایسے کتے کو پانی پلایا جو پیاس کی وجہ سے زبان نکال رہا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے اس فاحشہ عورت کی مغفرت کر دی^(۴) مگر اس سے وہ جانور خارج ہوں گے جو موذی جانور ہیں اور جنہیں مار ڈالنے کا شریعت نے حکم دیا ہے مثلاً سانپ، بکھو وغیرہ۔^(۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب افضل الصدقة“ ص ۲۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: افضل الصدقة ان تشبع کبدًا جائعًا.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: افضل الصدقة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ تشبع: فعل فاعل۔ کبدًا جائعًا: موصوف صفت سے مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر خبر مبتداء اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

علم اور مال والے کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا

⑤ مَنْهُوَ مَنْ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوَ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوَ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا. تَرْجَمَةٌ: ”حرص کرنے والے دو شخص ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا۔ ایک علم میں حرص کرنے والا اس کا پیٹ علم سے نہیں بھرتا اور دوسرا دنیا کا حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ بھی نہیں بھرتا۔“

لُغَاتُكَ: مَنْهُوَ مَنْ: نَهْمٌ (س) نَهْمًا بِمَعْنَى حَرِيصٌ هُوَ۔

تَشْبِيحٌ: علم دین ایک ایسا نور ہے جتنا حاصل ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اس کی خواہش اور تمنا میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے گویا ”رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ (۱) اس کے بارے میں قبول ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ (۲)

اس کی تمنا ہوتی ہے کہ میں علم کی آخری منزل تک پہنچ جاؤں مگر اس کی یہ تمنا پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ علم کا میدان اتنا وسیع ہے کہ کوئی اس کی انتہاء تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اس پر دلیل یہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو سمندر سے چونچ میں پانی لیتے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ: تمہارا اور میرا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا کہ اس چڑیا کی چونچ میں پانی۔ (۳)

اسی طرح دنیا کے حریص کا پیٹ نہیں بھرتا جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر انسان کو ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو دوسری کی فکر میں رہے گا جب اس کو دوسری مل جائے تو پھر تیسری کی فکر میں رہے گا۔ کبھی یہ قناعت نہیں کرتا۔ (۴) بعض داناؤں کا مقولہ ہے کہ: دنیا کی مثال شراب کی طرح ہے جتنا پیتا ہے اتنا ہی اس کی طلب میں زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ (۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه ان النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْهُوَ مَنْ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوَ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوَ

فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا.

تَحْرِيجٌ حَدِيثٌ: أخرجه البيهقي في شعب الإيمان ورواه الدارمي عن عبد الله بن مسعود.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: مَنْهُوَ مَنْ: مبتداء۔ لا يَشْبَعَانِ: خبر، مبتداء خبر سے مل کر مفسر۔ مَنْهُوَ: اسم مفعول، ضمير نائب فاعل۔ فِي الْعِلْمِ: جار مجرور متعلق مَنْهُوَ کے۔ مَنْهُوَ اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے ملکر مبتداء۔ لا يَشْبَعُ: فعل ضمير فاعل۔ مِنْهُ: جار مجرور متعلق لا يَشْبَعُ کے، لا يَشْبَعُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مبتداء خبر سے مل کر معطوف عليه۔ وَمَنْهُوَ فِي الدُّنْيَا: اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر مبتداء۔ لا يَشْبَعُ مِنْهَا: فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر معطوف۔ معطوف اپنے معطوف عليه سے مل کر تفسیر۔ مفسر تفسیر سے مل کر جملہ تفسیر یہ ہوا۔

منافق کی تین علامتیں

﴿۵۵﴾ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُؤْتِمِنَ خَانَ.

ترجمہ: ”منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ (۲) جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ (۳) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔“
 لغات: آية: بمعنی علامت، جمع آیات آتی ہے۔ حَدَّثَ: روایت کرنا۔ بیان کرنا۔ أَخْلَفَ: وعدہ خلافی کرنا قال تعالیٰ: ﴿فَاَخْلَفْتُمُ مَّوْعِدِي﴾. اُؤْتِمِنَ: باب افتعال سے کسی کو امین بنانا۔ خَانَ: (ن) خَوْنًا وَخِيَانَةً خیانت کرنا۔
 تَشْرِیح: نفاق کے اصل معنی ہیں ظاہر باطن کے مخالف ہونا، پھر نفاق کی کئی قسمیں ہیں:

اول: ایک اعتقادی نفاق اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص بظاہر اللہ کی توحید و رسالت فرشتوں وغیرہ کا اعتقاد ظاہر کرے مگر دل میں ان سب کا انکار کرے ایسا شخص تو کافر ہے۔

دوم: دوسرا عملی نفاق ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دل سے تو اعتقاد ان سب کے حق ہونے کا رکھتا ہے مگر اپنے دینی انحطاط کی وجہ سے ان باتوں کو بھی اختیار کرتا ہے جو منافقین کا خاصہ اور نشانی ہے ایسا شخص فاسق ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں مؤمن کو ڈرایا گیا ہے کہ ان کمزوریوں سے اپنے آپ کو بچانے کا غایت درجہ اہتمام کرے کہ میں کہیں منافقین میں داخل نہ ہو جاؤں۔

علماء نے اس حدیث کو بھی جوامع الکلم میں سے شمار کیا ہے کیونکہ انسانی اعمال تین قسم کے ہوتے ہیں:
 ① قول ② فعل ③ نیت۔

اذا حدث كذب: اس سے قول کے فساد کی طرف نشان دہی ہے۔

اذا وعد اخلف: اس سے فساد نیت کی طرف نشان دہی ہے۔

اذا اؤتمن خان: اس سے فساد فعل کی طرف نشان دہی ہے۔

توان تین جملوں میں انسان کے تمام ہی اعمال داخل ہو گئے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکبائر وعلامات النفاق“ ص ۷۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم آية المنافق ثلاث زاد مسلم وان صام وصلى وزعم انه مسلم ثم اتفقا اذا حدث كذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان.

تَخْرِیجِ حَدِیْثِ: اخرجہ البخاری فی کتاب الایمان (باب علامة النفاق) وكذا اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان وزاد فی روایہ مسلم وان صام وصلى وزعم انه مسلم.

تَرْكِيْبِ حَدِیْثِ: آية المنافق: مضاف مضاف الیه سے مل کر مبتداء۔ ثلث: خبر مبتداء خبر سے مل کر جملہ۔ اذا: کلمہ شرط۔ حدث: فعل فاعل سے مل کر شرط۔ كذب: جزا شرط جزا جملہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ اذا: کلمہ شرط۔ وعد: شرط۔ اخلف: جزا، شرط جزاء جملہ ہو کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ اذا: کلمہ شرط۔ او تمن: شرط۔ خان: جزا شرط جزاء سے مل کر معطوف تمام معطوفات عطف ہو کر جملہ اسمیہ معطوفیہ ہو گیا۔



بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے

⑤۱ أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ.

ترجمہ: ”بہترین جہاد اس شخص کا ہے جو ظالم جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کہے۔“

لُغَاتُكَ: جَائِرٌ: جَارٌ (ن) جَوْرًا بمعنی ظلم کرنا۔ مَنْ: بمعنی الذی۔

تَشْرِیح: علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ:

”ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے کو ”افضل الجہاد“ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ دشمن کے مقابلے کے وقت دونوں

باتیں ہو سکتی ہیں، ① جان بچنے کی امید اور ② ہلاکت کا خوف۔ مگر ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والے کو

ہلاکت ہی کا خوف ہوتا ہے بچنے کی امید نہیں ہوتی۔“

بعض علماء فرماتے ہیں کہ: ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے کو ”افضل الجہاد“ ① اس لئے کہا کہ بادشاہ کے ماتحت پوری رعایا اور مخلوق ہوتی ہے۔ اگر اس نے جان پر کھیل کر بادشاہ کو ظلم سے روک دیا تو گویا کہ پوری مخلوق اور رعایا پر اس نے احسان کیا۔ ②

اس حدیث کو سامنے رکھ کر دنیا کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جو علماء محققین اور راہِ سخن فی العلم ہوئے وہ کبھی بھی ظالم بادشاہوں سے نہیں ڈرے انہوں نے حق بات خوف و خطر میں بھی کہہ ڈالی۔ حجاج ابن یوسف کی تلوار اور سفاکی سے کون واقف نہ ہوگا؟ مگر علماء اظہار حق سے اس کے زمانے میں بھی باز نہ آئے، اس پر تاریخ میں ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات مل جائیں گے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ متوفی ۲۴۱ھ کے خلق قرآن کے عقیدہ میں اس دور کے فرماں روا خلیفہ مامون الرشید اور معصم بن ہارون الرشید جیسے بڑے بڑے بادشاہ بھی ان کی زبان نہ روک سکے، آخری دور میں مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی متوفی ۱۰۳۴ھ کا شہنشاہ اکبر کے عقیدہ ہزارہ دوم دعوائے امام واجتہاد کی کھل کر مخالفت کرنا اور اس سلسلہ کو جہاںگیر کے عہد تک جاری رکھنا سب میں مشہور و معروف ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر زمانے کے علماء حق نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اس حدیث پر مکمل عمل کیا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الامارۃ“ ص ۳۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر.

تَحْرِیْحِ حَدِیْث: اخرجہ البغوی فی شرح السنة بهذا اللفظ ۲۵/۱۰. واخرجہ ابوداود فی کتاب الملاحم وابن ماجہ فی کتاب الفتن (بلفظ افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر). واخرجہ

الترمذی فی ابواب الفتن (بلفظ ان اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر). اخرجہ النسائی فی کتاب البیعة (مع اختلاف یسیر).

تَرْکِیْبُ حَدِیْثٍ: افضل الجهاد: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، من: موصولہ، قال: فعل ضمیر فاعل، كلمة حق: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مقولہ، عند: مضاف، سلطان جائر: موصوف صفت سے مل کر مضاف الیہ اور پھر یہ مفعول فیہ ہوا قال کا۔ قال فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ اور مقولہ سے مل کر صلہ ہوا۔ صلہ موصول سے مل کر مضاف الیہ ہوا جہاد محذوف کا۔ پھر مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



صبح یا شام اللہ کے راستہ میں نکلنا تمام دنیا سے بہتر ہے

﴿۵۷﴾ لَعْدُوَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ: ”اللہ کے راستہ میں ایک صبح یا ایک شام کے لئے جانا دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔“
 لَعْدُوَةٌ: غَدَا (ن) غَدُوًّا. بمعنی صبح کو جانا۔ رَوْحَةٌ: یہ غدوة کا مقابل ہے۔ رَاح (ن) رَوَاحًا. بمعنی شام کے وقت جانا، قال تعالى: ﴿غُدُوْهَا شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ﴾
 تفسیر: اس حدیث کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کے راستہ میں جانا اس کا ثواب تو باقی رہے گا۔ اور دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائے گا اس لئے اس کو تمام دنیا سے بہتر فرمایا گیا۔^(۱)

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ:

”اگر ایک شخص کو پوری دنیا حاصل ہو جائے اور وہ اس دنیا کو اللہ کی اطاعت میں بھی خرچ کر دے تب بھی اس سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ وہ اللہ کے راستہ میں ایک صبح یا ایک شام لگا دے۔ اس مطلب کی تائید میں ایک دوسری روایت پیش کی ہے جو آپ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو فرمائی تھی۔ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيهِمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَتَأَخَّرَ يَشْهَدُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ مَا أَدْرَكَتْ فَضْلَ غَدَوْتِهِمْ.“^(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اس میں عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ رک گئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں آپ نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم خرچ کر دو جو کچھ زمین میں ہے تب بھی تم اس فضیلت کو حاصل نہیں کر سکتے جو صبح نکلنے میں تھی۔

بعض علماء نے اس حدیث سے ایک عجیب بات سمجھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ”لغدوة“ اور ”روحة“ توین کے ساتھ ہے جو ”تکبیر“ کے لئے آتی ہے تو معلوم ہوا کہ صبح و شام پورا نہ ہو بلکہ اس کا ایک حصہ بھی نکل جائے وہ بھی اس حدیث کی فضیلت میں داخل ہوگا اور یہ نکلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الجہاد“ ص ۳۲۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لغدوة في سبيل الله أو

روحة خير من الدنيا وما فيها.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری فی کتاب الجہاد وأخرجه مسلم فی کتاب الامارة (باب فضل الغدوة والروحة فی سبیل اللہ).

تَرْكِيْبُ حَدِيثٍ: لغدوة: لام ابتداء، غدوة: موصوف۔ فی: حرف جار۔ سبیل اللہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا۔ جار مجرور سے مل کر "کائنة" کے متعلق ہو کر غدوة کی صفت۔ موصوف صفت سے مل کر معطوف علیہ۔ او: حرف عطف۔ روحة: معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر مبتدا۔ خیر: صیغہ اسم تفضیل ضمیر فاعل۔ من: حرف جار۔ الدنيا: معطوف علیہ۔ واو: حرف عطف۔ ما: موصولہ۔ فیہا: جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق خیر کے۔ خیر اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے

⑤۸ فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْفِ عَابِدٍ.

تَرْجَمَةٌ: ”ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔“

لُغَاتُكَ: فَقِيهٌ: فَقِيهٌ (س) فَقَاهَا (ك) فَقَاهَةٌ بمعنی سمجھ دار ہونا۔ علم فقہ کا جاننے والا جمع فُقَهَاء آتی ہے۔

تَشْبِيحٌ: اس حدیث میں فقیہ سے وہ عالم دین مراد ہے جس کا قلب و دماغ نور الہی کی مقدس روشنی سے منور ہو تو ایسا عالم خود بھی شیطانی اغواء سے اپنے کو بچاتا ہے اور کئی لوگوں پر سے اس کے حملے کو ناکام بنادیتا ہے۔

ایک عارف کے بقول: فقیہ وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اللہ کے سوا کسی کی طرف متوجہ نہ ہو اور اس کے غیر سے طالب خیر نہ ہو اور اس کی تلاش میں پرندے کی طرح اڑتا رہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: فقیہ وہ شخص ہے جو دنیا سے روگرداں ہو، امور اخرویہ میں رغبت کرنے والا اور اپنے ذاتی عیوب کو دیکھنے والا ہو۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: شیطان انسان کے لئے خواہشات اور شہوات کا دروازہ کھولتا رہتا ہے مگر عالم دین اس کے مکر کو جانتا ہے اس لئے وہ اس کے مکر سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر عابد شیطان کے اس جال میں پھنستا جاتا ہے اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شیطان کا مکر و فریب ہے۔ ^(۱) للہ در القائل:

تَفَقَّهَ فَإِنَّ الْفَقِيهَ أَفْضَلُ قَائِدٌ * إِلَى اللَّهِ وَالتَّقْوَى وَاعْدِلْ قَاصِدٌ

تَرْجَمَةٌ: ”علم فقہ ضرور حاصل کرو کیونکہ اس سے اعمال صالحہ کی توفیق اور تقویٰ کی سعادت حاصل آتی ہے۔“

هُوَ الْعِلْمُ الْهَادِي إِلَى سُنَنِ الْهُدَى * هُوَ الْحَصْنُ يَنْجِي مِنْ جَمِيعِ الشَّدَائِدِ

تَرْجَمَةٌ: ”اور فقہ سے ہدایت کی راہیں فقیہ پر کھلتی ہیں اور یہ ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی پناہ میں فقیہ تمام حوادث و آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔“

فَإِنَّ فَقِيهًا وَاحِدًا مَتَوَرَعًا * أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْفِ عَابِدٍ

تَرْجَمَةٌ: ”ایک تقویٰ والا فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔“ ^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فقیہ واحد أشد علی

الشیطان من ألف عابد.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ فی ابواب العلم واخرجہ الترمذی فی ابواب العلم (باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ) عن ابن عباس وقال حدیث غریب.

تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: فقیہ واحد: موصوف صفت سے مل کر مبتداء۔ اشد: اسم تفضیل ضمیر فاعل۔ علی الشیطان: جار مجرور متعلق اشد۔ من: حرف جار۔ ألف عابد: ممیز تمیز سے مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہوا اشد کے۔ اشد اسم تفضیل اپنے فاعل اور دونوں متعلقات سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



استغفار کرنے کی شرائط

⑤۹ طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتَغْفَارًا كَثِيرًا.

ترجمہ: ”خوش بختی ہے اس شخص کے لئے جو اپنے اعمال نامے میں استغفار کی کثرت پائے (یعنی قیامت کے دن)۔“

لُغَاتِ: طُوبَى: طَابَ (ض) طَيِّبًا بمعنی اچھا ہونا۔ یہ طوبی ”أَطْيَبَ“ کا مونث ہے۔ صَحِيفَةٌ: لکھا ہوا کاغذ یہاں مراد نامہ اعمال ہے، جمع صَحَائِفَ، صُحُفٌ آتی ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿صُحُفِ اِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى﴾
تفسیر: ”استغفار“ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا۔^(۱) اس حدیث پاک میں اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال میں استغفار کی کثرت کو دیکھے گا۔

بعض علماء نے اس حدیث سے ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ: اس حدیث میں ”طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ“ فرمایا ہے نہ کہ صرف ”طُوبَى لِمَنْ اسْتَغْفَرَ كَثِيرًا“ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قیامت کے دن بھی وہ اپنے استغفار کو دیکھے گا یہ اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ وہ استغفار کو اس کی شرائط اور اخلاص کے ساتھ کرے۔^(۲)
استغفار کے لئے شرائط: علامہ آلوسی نے ”تفسیر روح المعانی“ اور شیخ محی الدین ابوزکریا نووی نے ”شرح مسلم“ میں فرمایا کہ توبہ کی قبولیت کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط: ”أَنْ يَقْلَعَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ.“ اس گناہ سے الگ ہو جائے۔

دوسری شرط: ”أَنْ يَنْدَمَ عَلَيْهَا.“ اس گناہ پر ندامت قلبی بھی ہو۔

تیسری شرط: ”أَنْ يَعِزَّزَ عَزْمًا جَازِمًا أَنْ لَا يَعُودَ إِلَى مِثْلِهَا أَبَدًا.“ پکا عزم کرے کہ اب انشاء اللہ ایسا گناہ کبھی بھی نہیں کرونگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں لفظ ”طوبی“ بہت جامع لفظ ہے دنیا اور آخرت کی تمام دو تئیں مل گئیں۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاستغفار والتوبة“ ص ۲۰۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله بن بسر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طوبى لمن وجد في صحيفته استغفارا كثيرا.

ترجمہ: ”حدیث: أخرجه ابن ماجة فى كتاب الادب باب الاستغفار.

ترکیب حدیث: طوبی: مبتداء۔ لمن: ل حرف جار، من: موصولہ۔ وجد: فعل ضمیر فاعل۔ فى: حرف جار۔ صحیفته: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا ”وجد“ کے۔ استغفارا کثیرا: موصوف صفت سے مل کر مفعول ہوا۔ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور سے مل کر مقدر فعل کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

خدا کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے

﴿٦٠﴾ رَضِيَ الرَّبُّ فِي رَضَى الْوَالِدِ وَسَخَطَ الرَّبُّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ.

تَرْجَمَہ: ”پروردگار کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔“
لُغَاتِی: رَضِيَ: رَضَى (س) رَضَى وَرَضَى بمعنی خوش ہونا۔ سَخَطَ: (س) سَخَطًا ناراض ہونا، اکثر بڑوں کی ناراضگی کے وقت بولا جاتا ہے۔

تَشْرِیْحُ: حدیث بالا کا مدعا یہ ہے کہ جو شخص اپنے مالک و مولاً کو راضی کرنا چاہے تو اس کو یہ چاہئے کہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے کیونکہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے والد کی رضا جوئی شرط ہے اسی طرح اگر والد کی ناراضگی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضگی کے ساتھ نکلے گا۔ (۱)

سُؤَال: اس حدیث میں صرف والد کا ذکر کیا گیا ہے والدہ کو ذکر نہیں کیا گیا۔
جَوَاب: جب اس فضیلت میں والد داخل ہیں تو والدہ تو بدرجہ اولیٰ داخل ہونگی۔ کیونکہ اولاد پر والدہ کا حق والد کے بہ نسبت زیادہ ہے۔ (۲) بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد پر والدہ کا حق والد سے تین گنا زیادہ ہے کیونکہ ان کو تین ایسی بڑی بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو والد کو کرنا نہیں پڑتا۔

اول: حمل کا بوجھ۔

دوم: وضع حمل کی مشقت برداشت کرتی ہیں۔

سوم: دودھ پلانے کی محنت بھی ان کو ہی کرنی پڑتی ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البرّ والصّلة“ ص ۴۱۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: رَضِيَ الرَّبُّ فِي رَضَى الْوَالِدِ وَسَخَطَ الرَّبُّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ.

تَحْرِیْجُ حَدِیْثِ: أخرجه الترمذی فی ابواب البرّ والصّلة عن عبد اللہ بن عمر.

تَرْکِیْبُ حَدِیْثِ: رَضِيَ الرَّبُّ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ فی: حرف جار۔ رَضِيَ الْوَالِدِ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہو کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ سَخَطَ الرَّبُّ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ فی: حرف جار۔ سَخَطَ الْوَالِدِ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہو کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

چھوٹے بھائیوں پر بڑے بھائی کی حیثیت باپ والی ہوتی ہے

①۱ حَقُّ كَبِيرِ الْإِخْوَةِ عَلَى صَغِيرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ.

تَرْجَمَہ: ”چھوٹے بھائیوں پر بڑے بھائی کا وہی حق ہے جو باپ کا حق اپنے بیٹے پر ہے۔“

لُغَاتِی: الْإِخْوَةُ: جمع ہے اَخ کی بمعنی بھائی، قال تعالى: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾.

تَشْرِیح: اس حدیث میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے:

اول یہ ہے کہ بڑے بھائی کو یہ سمجھایا ہے کہ جب والد کا انتقال ہو جائے تو اب تمام ذمہ داری بڑے بھائی پر آ جاتی ہے بڑے بھائی ہی کے ذمہ ہے کہ چھوٹے بھائیوں کی صحیح تربیت کرے اور ان کی ہر ممکن ضروریات کو پوری کرنے کی کوشش کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں چھوٹوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے بڑے بھائی کو باپ کی طرح سمجھیں اور ان کا کہنا مانیں تاکہ گھر کا نظام صحیح رہے جیسے کہ والد کی حیات میں رہتا تھا۔

اس کے مد مقابل اگر دونوں نے اپنی اپنی راہ لی تو تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ خاندان کو تباہی سے بچانے کے لئے شریعت مطہرہ نے اصول بتا دیا ہے اس پر عمل کر کے ہی خاندان کو تباہ ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البرِّ والصلۃ“ ص ۴۲۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق کبیر الاخوة علی صغیرہم حق الوالد علی ولده.

تَرْجَمَہ: أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَأَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: حق کبیر الاخوة: حق مصدر مضاف کبیر الاخوة مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ، علی: حرف جار، صغیرہم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور سے مل کر حق مصدر کے متعلق مصدر اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتداء، حق الوالد: مضاف مضاف الیہ۔ علی: حرف جار۔ ولده: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا جار مجرور سے مل کر حق مصدر کے متعلق مصدر اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں

﴿۱۲﴾ كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ.

تَرْجَمَہ: ”تمام بنی آدم بہت خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہی ہیں جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔“
لُغَاتُہ: خَطَّاءٌ: مبالغہ کا صیغہ ہے معنی غلطی کرنے والا، خَطِئَ (س) خَطَّاً وَخَطَّاً مُعْنٰی غَلَطٰی کرنا۔ التَّوَّابُونَ: یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تَابَ (ن) تَوَّاباً وَتَوَّابَةً گناہ چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا، قال تعالیٰ: ﴿اِنَّہٗ كَانَ تَوَّابًا﴾.

تَشْرِیْحُہ: مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”انبیاء علیہم السلام کے سوا خطاء و لغزش تو گویا آدمی کی سرشت میں ہے۔ بنی آدم کا کوئی فرد (انبیاء کے سوا) اس سے مستثنیٰ

نہیں، مگر بنی آدم میں سے وہ بندے بہت ہی خوش نصیب ہیں جو گناہ ہو جانے کے بعد نادم ہو کر اپنے مالک کی

طرف رجوع کرتے ہیں۔“ (۱)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بندہ بعض اوقات گناہ کرتا ہے مگر اس پر نادم رہتا ہے، مرنے کے بعد اس کے لئے جب جنت کا فیصلہ ہوگا تو اس وقت شیطان یہ کہے گا کہ کاش کہ میں اس کو گناہ میں مبتلا ہی نہ کرتا۔ (۲)

بہر حال انسان سے جب گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ سے رجوع کر لینا چاہئے اللہ تعالیٰ بھی اس کو معاف فرما دیتے ہیں یہ توبہ اس کے تمام گناہوں کو محو کر دے گی اور یہ ایسا ہو جائے گا گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ کبھی اس سے اسکے گناہ کے داغ کو مٹایا تو نہیں جائے گا مگر ثواب تو ہر حال میں ملتا ہی ہے، (۳) انسان کو اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا چاہئے جیسے کہ بعض روایات میں آتا ہے آپ نے امیہ بن الصلت کا یہ شعر پڑھا:

ان تغفر اللہم فاغفر جما * وای عبد لك لا العما (۴)

تَرْجَمَہ: ”اگر بخشے تو اے الہی تو ہی بڑے بڑے گناہوں کو بخش دے اور کون سا بندہ ایسا ہے جس نے چھوٹے گناہ

بھی نہ کئے ہوں۔“

عبداللہ ابن سلام فرماتے ہیں کہ: جب بندہ ایک لمحہ بھی نادم ہوتا ہے تو پلک جھپکنے سے بھی پہلے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ (۵)

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر * وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا (۶)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاستغفار والتوبہ“ ص ۲۰۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

(۳) مشکوٰۃ

(۲) احیاء العلوم ۳/۲۴

(۱) معارف الحدیث ۳/۳۱۶

(۶) یہ شعر مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان کا ہے۔

(۴) احیاء العلوم

عن انس رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل بنى آدم خطاء وخير الخطائين التوابون.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب صفة القيامة. واخرجه ابن ماجه فى كتاب الزهد والدارمى فى باب التوبة.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: كل بنى آدم: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مبتداء۔ خطاء: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ خیر الخطائین: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، التوابون: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



ہر عبادت میں شریعت کی منشا کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

﴿۱۲﴾ كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لِّسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَاءُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لِّسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ. تَرْجَمًا: ”بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے پیاسا رہنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جنہیں سوائے بے خوابی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“

لُغَاتِي: الظَّمَاءُ: ظَمِيَ (س) ظَمَاءً سخت پیاسا ہونا۔ السَّهَرُ: سَهَرَ (س) سَهَرًا بمعنی بے خوابی۔ تَشْرِيحًا: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنے کے بعد شریعت نے جن چیزوں سے اس کو روکا ہے اس کا یہ ارتکاب کرے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کو پیاسا ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔

محدث عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں وہ شخص مراد ہے جو روزہ تو رکھتا ہے مگر فواحش، جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے اجتناب نہیں کرتا۔ یہ بات الگ ہے کہ اس سے روزے کی فرضیت ساقط ہو جائے گی مگر اس پر جو ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا چاہئے تھا وہ اس سے محروم ہو گیا۔ اسی طرح قیام کرنے والے کا حال ہوگا۔^(۱)

تمام عبادات میں شریعت کی حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہے: علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف دو عبادتوں پر یہ حکم لگایا گیا مگر اس سے مراد صرف دو ہی عبادتیں نہیں بلکہ جملہ عبادات مثلاً حج، زکوٰۃ، تبلیغ، تدریس، تصنیف وغیرہ میں یہی مسئلہ درپیش ہوگا کہ تمام ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا جذبہ ہو ورنہ اس عبادت پر جو اجر و ثواب ہونا چاہئے وہ نہ ہوگا۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تنزیہ الصوم“ ص ۷۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كم من صائم ليس له من صيامه إلا الظماء وكم من قائم ليس له من قيامه إلا السهر.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه الدارمي في كتاب الرقاق (باب المحافظة على الصوم) عن أبي هريرة رضي الله عنه.
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: كم: مضاف۔ من: زائد۔ صائم: مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر مبتداء۔ ليس: فعل ناقص۔ له: ثابتاً بمقدر کے متعلق اول۔ من: جار۔ صيامه: مضاف مضاف الیه سے مل کر مجرور ہو کر ثابتاً کا متعلق ثانی اور پھر ثابتاً یہ خبر ہوئی ليس کی۔ الا: استثناء لغو۔ الظماء: اسم ليس، ليس اپنے اسم اور خبر سے مل کر پھر خبر ہوا مبتداء کا، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اگلے جملے کی ترکیب بھی بعینہ اول جملہ کی طرح ہے۔

اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لغویات کو چھوڑ دے

①۶ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ.

تَرْجَمَہ: ”انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں فائدہ نہ ہو۔“

لُغَاتِی: ترکہ: (ن) تَرْكًا معنی چھوڑنا، قال تعالیٰ ﴿وَتَرْكُوكَ قَائِمًا﴾. یعنی جو فائدہ نہ دے اور غیر مفید ہو۔
تَشْرِیح: لایعنی چھوڑنے کی ترغیب: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بہت جامع حدیث ہے۔ یہ ان چار احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا مدار ہے۔^(۱)

”لایعنی“ کہتے ہیں جس کی طرف دینی یا دنیاوی ضرورت نہ ہو۔^(۲)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے جو سرمایہ اور صلاحیتیں انسان کو عطا کی ہیں ان کو لایعنی یعنی فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بچایا جائے اور اس پر کوئی داغ نہ آنے دیا جائے یہی اسلام کا جوہر ہے اور اسی سے انسان کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔^(۳)

لایعنی چھوڑنے کے فضائل: لایعنی چھوڑنے کی بہت سی احادیث میں ترغیب آئی ہے مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میں تجھے ایسا عمل نہ بتا دوں کہ بدن پر ہلکا اور میزان میں بھاری ہو وہ یہ ہے کہ
”الْصَّمْتُ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِيكَ.“

تَرْجَمَہ: سکوت اور خوش خلقی اور غیر مفید چیز کا چھوڑنا ہے۔^(۴)

مشکوٰۃ کی ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جب لوگوں نے حکیم لقمان سے سوال کیا کہ تم کو حکمت کی باتیں کیسے نصیب ہوئیں؟ تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”سچ بولنے اور امانت کو ادا کرنے اور لایعنی سے اپنے کو بچانے سے۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن علی بن الحسن رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه.

تَحْرِیحِ حَدِیث: أخرجه الترمذی فی ابواب الزهد وابن ماجہ فی کتاب الفتن (باب کف اللسان فی الفتنة).
تَرْکِیْبِ حَدِیث: من: حرف جار۔ حسن اسلام المرء: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مجرور ہوا، جار مجرور سے مل کر محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ ترکہ: مصدر مضاف مضاف الیه. ما: موصولہ۔ لایعنیہ: فعل ضمیر فاعل اور ”ہ“ مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر ترک مصدر کا مفعول، اور پھر ترکہ اپنے مفعول اور مضاف وغیرہ سے مل کر مبتداء موخر، خبر مقدم مبتداء موخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ہر ایک سے قیامت کے دن اس کے ماتحت کے بارے میں سوال ہوگا

﴿۱۵﴾ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

ترجمہ: ”آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں

(قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا۔“

لُعَاتِكُمْ: راعٍ: صیغہ اسم فاعل معنی چرواہا اس کی جمع رُعاة، رُعَيَان آتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿لَا تَقُولُوا رَاعِنَا﴾

تفسیر: اس حدیث میں مسلمانوں کی ایک اہم ذمہ داری کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور وہ تبلیغ دین کی ذمہ داری ہے۔ جس طرح ہمارے اسلاف نے اسلام کی تبلیغ و خدمت میں جس قدر تن دہی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا اسی کی بدولت اسلام کا بادل عرب کی وادی غیر ذی زرع سے اٹھا اور شمال و جنوب کو سیراب کرتا ہوا مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں پر برسا اور دیکھتے ہی دیکھتے افریقہ کے صحراؤں میں اور دوسری طرف چین کے میدانوں میں توحید و سنت کی آواز گونجی، اسی پر بس نہیں بلکہ روما کے عظیم الشان گرجوں، جرمنی کے فلک بوس عبادت خانوں اور انگلستان کے عالی مرتبت کلیساؤں میں ”اللہ اکبر“ کے نعروں نے پادریوں کو لرزادیا تھا۔ (۱) مگر جب مسلمان اقامت دین میں سستی اور کاہلی کرنے لگے اور ان کے شب و روز عیش و راحت کے تلاش کرنے میں گزرنے لگے تو اب اسلام بزبان حال آنسو بہاتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے

میرا وقت مجھ سے بچھڑ گیا میرا رنگ روپ بگڑ گیا

جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں (۲)

اور پھر انسان نے ترقی اسلام کے سوا دوسری چیزوں میں تلاش کرنی شروع کر دی پھر کیا تھا، بقول شاعر:

حقیقت میں جدھر دیکھو تنزل ہی تنزل ہے

ترقی کی طرف تہذیب انسانی نہیں جانی

بہر حال بہت سی احادیث میں حدیث بالا کا مضمون وارد ہوا ہے کہ خود بھی اپنے اعمال کی حفاظت کرنی ہے اور دوسرے کو بھی نہایت دل سوزی اور اخلاص کے ساتھ راہ راست پر لانے کے لئے اپنی قیمتی جان اور سرمایہ بھی کھپانا ہے اور بدی کو مٹانے کے لئے ہر وقت سعی رہنا ہے۔

حق نے کر ڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد

خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الامارۃ“ ص ۳۲۱ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الا كلکم راع وكلکم مسئول عن رعيته فالحاكم الذی علی الناس راع وهو مسئول عن رعيته والرجل راع علی اهل بيته وهو مسئول عن رعيته والمرأة راعية علی بيت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم وعبد الرجل راع علی مال سيده وهو مسئول عنه الا فکلکم راع وكلکم مسئول عن رعيته.

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری فی کتاب النکاح وکتاب الجمعة واخرجه مسلم فی کتاب الامارة (باب فضيلة الامام العادل).

ترکیب حدیث: کلکم: مضاف مضاف الیه سے مل کر مبتداء۔ راع: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ کلکم: مضاف مضاف الیه سے مل کر مبتداء۔ مسئول: صیغہ اسم مفعول ضمیر نائب فاعل۔ عن: حرف جار۔ رعيته: مضاف مضاف الیه سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر ”مسئول“ کے متعلق ہوا، پھر ”مسئول“ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



بہترین جگہ مساجد ہیں

① أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا.

ترجمہ: ”اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ شہروں میں ان کی مسجدیں ہیں۔“

لُعَاثِكِ: الْبِلَادِ: یہ جمع بلد کی بمعنی شہر۔ مَسَاجِدُهَا: مَسْجِد اسم ظرف کا صیغہ ہے، (ن) بمعنی سجدہ کرنے کی جگہ۔

تَشْرِيجُ: جو شخص مسجد میں رہتا ہے تو اس پر خداوند قدوس اپنی رحمت کا سایہ کرتا ہے اور اسے خیر و بھلائی کی سعادت سے نوازتا ہے، اسی وجہ سے فرمایا کہ بہترین جگہ مسجدیں ہیں۔

ایک اور روایت میں عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے سنا کہ شیطان سے بچنے کے لئے مسجد ایک مضبوط قلعہ ہے، اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اے بیٹے! مسجد تمہارا گھر ہونا چاہئے کیونکہ میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسجدیں پر ہیہ نگاروں کا گھر ہیں لہذا جس کا گھر مسجد ہو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کا اور پل صراط سے جنت کی طرف گزرنے کا ضامن ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص مسجد میں داخل ہوادہ اللہ کا مہمان بن جاتا ہے۔

اللہ کی مہمانی یہ ہوتی ہے کہ اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اسی وجہ سے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ: جب مسجد میں اذان کے بعد فرشتے نعمتوں کا دسترخوان لے کر نازل ہونے لگے تو اب مسجد سے باہر نکلنے والا گویا اللہ کے دسترخوان کو چھوڑ کر جاتا ہے اور یہ بہت ہی نامناسب بات ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساجد ومواضع الصلوة“ ص ۶۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احب البلاد الى الله مساجدها وابغض البلاد الى الله اسواقها.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب المساجد (باب فضل الجلوس فی مصلاه بعد الصبح وفضل المساجد).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: احب البلاد: مضاف مضاف الیه۔ الى الله: جار مجرور متعلق ”احب“ کے، پھر ”احب“ اپنے مضاف الیه اور متعلق سے مل کر مبتداء۔ مساجدها: مضاف مضاف الیه سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بدترین جگہ بازار ہیں

⑦ وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا.

ترجمہ: ”خدا کے نزدیک بدترین جگہ شہروں میں ان کے بازار ہیں۔“

لُغَات: أَبْغَضَ: أَبْغَضَ (ن، ك، س) بَغَاظَةً بمعنی نفرت کرنا، دشمنی کرنا۔ أَسْوَاقُهَا: یہ جمع ہے سُوق کی بمعنی بازار۔
تَشْرِیح: گذشتہ حدیث میں ابھی گزرا کہ مسجد میں رہنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں رہتا ہے تو اس کے برعکس اس حدیث میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ: بازار جہاں شیطان کا تسلط ہوتا ہے اور اس میں حرص، طمع، جھوٹ اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں، تو اب جو شخص اپنی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ محض تفریح کی غرض سے اس میں رہتا ہے تو ایسا شخص خدا کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

سُئَال: دنیا میں بازار سے زیادہ بری جگہیں بھی ہیں، مثلاً شراب خانے، بت خانے، جوئے خانے وغیرہ ان کو اس حدیث میں بدترین جگہ نہیں بتایا، بازار تو ان کے مقابلے میں کچھ بہتر ہے۔

جَوَاب: جن مقامات کو شریعت نے قائم کرنے کی اجازت دی ہے ان میں سے بدترین مقام بازار ہیں، بخلاف شراب خانے، بت خانے وغیرہ ان کو تو شریعت نے پہلے ہی سے قائم کرنے کی اجازت نہیں دی وہ تو پہلے ہی سے حرام ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساجد ومواضع الصلوة“ ص ۶۸ پر ہے، پوری حدیث گزشتہ حدیث نمبر ۶۶ ص ۶۱ پر گزر چکی ہے۔

تَحْرِیجِ حَدِیْث: اخرجہ مسلم فی کتاب المساجد (باب فضل الجلوس فی مصلایہ بعد الصبح وفضل المساجد)۔

تَرْکِیْبِ حَدِیْث: ابغض البلاد: مضاف مضاف الیہ۔ الی اللہ: جار مجرور متعلق ”ابغض“ کے، پھر ”ابغض“ مضاف الیہ اور اپنے متعلق سے مل کر مبتداء۔ اسواقہا: مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

برے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے تنہا بیٹھنا بہتر ہے

⑧ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيسِ السُّوءِ.

ترجمہ: ”برے ہمنشینوں کے ساتھ بیٹھنے سے تنہا بیٹھنا بہتر ہے۔“

لُغَاتُ: السُّوءُ: بمعنی شُر وفساد، رَجُلٌ سُوٌّ: بدکار آدمی۔

تشریح: صحبت کا اثر ہوتا ہے جن لوگوں کی صحبت میں آدمی اٹھتا بیٹھتا ہے غیر شعوری طور سے ان کا اثر اس میں منتقل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ آدمی اپنی بیٹھک صحیح لوگوں میں رکھے اگر صحیح بیٹھک نہ ملے تو اب تنہا ہی بیٹھ جائے اور شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ یہ غلط قسم کے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے اعمال و عقائد کو خراب کر لے۔

برے آدمی کی صحبت کی مثال ایک روایت میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ”برے ہمنشین کی مثال ایسی ہے جیسی بھٹی، کہ اگر تجھ کو وہ اپنی چنگاری سے نہ جلانے تب بھی تم کو ضرور ضرر پہنچائے گی۔“

خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کی صحبت جس سے آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو بہتر یہ ہے کہ تنہا ہی بیٹھ کر اللہ کی قدرت و وسعت پر غور کرتا رہے، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

خامش اند و نعرہ تکرار شان

میروند تا یار و تحت یار شان

ترجمہ: ”نیک لوگ جب خاموش بھی ہوتے ہیں اس وقت بھی ان کے باطن سے حق تعالیٰ تک مناجاة خاصہ کا خاص ربط قائم رہتا ہے۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمران بن حطان رحمه الله قال: اتيت اباذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فوجدته في المسجد محتبياً بكساء اسود وحده فقلت يا اباذر: ما هذه الوحدة؟ فقال سمعت رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول: الوحدة خير من جليس السوء والجليس الصالح خير من الوحدة واملاء الخير خير من السكوت والسكوت خير من املاء الشر.

تخریج حدیث: أخرجه البيهقي في شعب الايمان عن أبي ذر رضي الله عنه كما عناه صاحب المشكوة. تركيب حدیث: الوحدة: مبتداء۔ خير: صیغہ اسم تفضیل ضمیر فاعل۔ من: حرف جار۔ جليس السوء: مضاف مضاف الیه سے مل کر مجرور ہوا، جار مجرور سے مل کر ”خير“ کے متعلق، ”خير“ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تہا بیٹھنے سے بہتر نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا ہے

①۹ وَالْجَلِيسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ.

تَرْجَمَہ: ”تہا بیٹھنے سے نیک ہم نشینوں کے ساتھ بیٹھنا بہتر ہے۔“

لُغَاتِک: الصَّالِح: صَلَاح نیک ہونا، صَلَاحًا وَصُلُوْحًا وَصَلَاحِيَّةً، قَالَ تَعَالٰی ﴿وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ تَشْرِیْح: جیسے کہ اس سے پہلے حدیث میں گذرا کہ آدمی پر صحبت کا غیر شعوری طور سے اثر ہوتا ہے، اب حدیث بالا میں فرمایا جا رہا ہے کہ: جب کوئی اچھا ساٹھی مل جائے تو اس کے ساتھ بیٹھے یہ تہا بیٹھنے سے بہتر ہے، ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے اس کی مثال اس طرح دی:

”الْجَلِيسُ الصَّالِحُ مِثْلُ صَاحِبِ الْمِسْكِ اِنْ لَمْ يَهَبْ لَكَ مِنْهُ تَجَدُّرٌ يَحُهُ.“

تَرْجَمَہ: نیک ہم نشین (کی مثال) جیسے مشک والا اگر وہ تجھ کو مشک نہ دے تب بھی تم کو اس کی خوشبو ضرور پہنچے گی۔

اسی وجہ سے بعض اکابر سلف فرماتے ہیں کہ: دوست بہت سے پیدا کرو ہر ایمان دار شفاعت کرے گا، تو کیا عجب ہے کہ تم کسی اپنے دوست کی شفاعت سے جنت میں داخل ہو جاؤ، کہتے ہیں کہ بندہ کی جب مغفرت ہو جائے گی تو وہ اپنے دوستوں کے لئے سفارش کرے گا، اس لئے علماء نے اس حدیث کی بناء پر نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۲ پر ہے: پوری حدیث گزشتہ حدیث نمبر ۶۸ ص ۱۶۵ کے ضمن میں مذکور ہے۔

تَخْرِیجِ حَدِیْث: اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان عن أبی ذر رضی اللہ عنہ کما عزاه صاحب المشکوۃ.

تَرْکِیْبِ حَدِیْث: الجلیس الصالح: موصوف صفت سے مل کر مبتداء۔ خیر: صیغۂ اسم تفضیل ضمیر فاعل۔ من الوحده: جار مجرور متعلق ہوا خیر کے، خیر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بری باتیں کرنے سے خاموش رہنا بہتر ہے

⑦۰ وَأَمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوتِ وَالسُّكُوتُ خَيْرٌ مِّنْ أَمْلَاءِ الشَّرِّ.

تَرْجَمَہ: ”اچھی بات کا بولنا (لکھوانا) بہتر ہے خاموش رہنے سے اور خاموش رہنا بہتر ہے

بری بات بولنے (لکھوانے) سے۔“

لُغَاتُ: اِمْلَاءُ: مصدر بمعنى بول کر لکھوانا، اس کی جمع ”امال“ اور ”امالی“ الشَّرُّ: شَرٌّ (س، ن) شَرًّا بمعنى شرارت کرنا، برائی، جمع اَشْرَار اور اَشْرَآتی ہے، قال تعالى: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾.

تَفْسِيرُ: اس حدیث پاک میں دو باتیں بیان کی گئیں ہیں:

① چپ رہنے سے بھلائی کی باتیں کرنا بہتر ہے۔

② بری باتیں کرنے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔ اسی کو دوسری روایت میں اس طرح بیان فرمایا گیا کہ: ”جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے۔“

دونوں ہی امور اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں، کہ جب وہ بھلائی کی بات دوسرے سے کرے گا اور دوسرے اس کو سمجھ کر عمل کریں گے تو اس کو ان کے عمل کا پورا پورا اجر ملے گا اور اس کو دین سکھانے والے کے بارے میں جتنی فضیلتیں ہیں وہ سب حاصل ہوگی۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ بری باتیں کرنے سے خاموش رہنا بہتر ہے کیونکہ بولنے میں بسا اوقات آدمی کو غلطی ہو جاتی ہے اور پھر اس کو کئی آفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر خاموش رہنے والا آدمی ان تمام آفتوں سے محفوظ و سلامت رہتا ہے۔^(۱) جیسے کہ ایک دوسری روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے ”مَنْ صَمَتَ نَجَا“ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

ابو ذیال رضی اللہ عنہ (ایک بزرگ ہیں) فرماتے ہیں: جس طرح تم گفتگو کرنا سیکھتے ہو اسی طرح خاموش رہنا بھی سیکھو، اس حدیث کے مفہوم کو ”ابوالعتاہیہ“ نے یوں بیان کیا ہے۔^(۲)

مَنْ لَزِمَ الصَّمْتَ نَجَى ۖ مَنْ قَالَ بِالْخَيْرِ غَنِمَ

تَرْجَمَہ: ”خاموشی میں نجات ہے، نیک گفتگو مالِ غنیمت ہے۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۴ پر ہے پوری حدیث گزشتہ حدیث نمبر ۶۸ کے ضمن

میں مذکور ہے۔

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابی ذر رضی اللہ عنہ کما عزاه صاحب المشکوۃ.

تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: املاء الخیر: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ خیر: صیغہ اسم تفضیل ضمیر فاعل۔ من السکوت: جار مجرور متعلق ہوا ”خیر“ کے، ”خیر“ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ وال سکوت: مبتداء۔ خیر: صیغہ اسم تفضیل، ضمیر فاعل۔ من: حرف جار۔ املاء الشر: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر ”خیر“ کا متعلق، ”خیر“ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



مؤمن کا تحفہ موت ہے

(۱) تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ.

تَرْجَمًا: ”موت مؤمن کا تحفہ ہے۔“

لُغَاتُح: تُحْفَةُ: ہر وہ چیز جو کسی کے سامنے عاجزانہ اور مہربانی کے طور پر پیش کی جائے، اس کی جمع تُحَفٌ آتی ہے۔
تَشْرِیح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: موت بڑی سعادت اور بلندی تک پہنچنے کے لئے سبب بنتی ہے اور موت ہی جنت اور جنت کی نعمتوں کے حصول کے لئے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے موت کو مؤمن کے لئے تحفہ کہا گیا ہے۔ (۱)

صاحب سنن ابی ابوداؤد فرماتے ہیں کہ: میں اپنے رب کے پاس جانے کے شوق میں موت کو پسند کرتا ہوں اور گناہوں کے کفارہ کے لئے مرض کو پسند کرتا ہوں۔ (۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس حدیث میں جو موت کو تحفہ فرمایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مورت کے ذریعہ مؤمن خدا کی نعمت و کرم اور اس کی جنت میں پہنچ جاتا ہے اور دنیا کی مشقتوں اور سختیوں سے اس کو چھٹکارا مل جاتا ہے۔ (۳)
اسی مفہوم کو ایک روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: موت ایک ایسا پل ہے کہ جس کے ذریعہ سے محبت اپنے محبوب سے مل جاتا ہے۔ (۴)

نلاحظہ یہ ہوا کہ مؤمن کے لئے تو موت ایک تحفہ ہے کیونکہ موت کے بعد ان کے لئے راحت والی زندگی کا دروازہ کھل جاتا ہے، بخلاف فساق و کفار کے کہ ان کے لئے یہ ایک عذاب ہے کہ اس کے بعد ان کے لئے پریشانی اور تکالیف کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تمنی الموت وذكرہ“ ص ۱۴۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تحفۃ المؤمن الموت.
تَحْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان عن عبد اللہ بن عمر کما عزاء الیہ صاحب مشکوٰۃ.
تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: تحفۃ المؤمن: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ الموت: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے

(۷۲) يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ.

تَرْجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔“

لُغَاتِک: يَدُ: بمعنی ہاتھ، ہتھیلی، نعمت، مرتبہ، قدرت مراد مدد اور رحمت ہے، اس کی جمع اَيَادِي اور اَيْدِي آتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾. ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ تَشْرِیح: جمہور کی اتباع کرو: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو انہی افعال و اقوال کی اتباع کرنا چاہئے جو جمہور علماء سے ثابت ہوں۔

اللہ کا ہاتھ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تو ہاتھ وغیرہ سے پاک ہے تو پھر اس حدیث میں جو ہاتھ فرمایا گیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق و تائید و حفاظت کا ہونا ہے۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی لحاظ سے من حیث القوم یہ امت کبھی ضلالت اور گمراہی پر جمع نہیں ہوگی (۲) اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے کہ اس عرصہ میں کتنے کتنے فتنے اٹھے جن کا تصور کرتے ہوئے جسم کانپ جاتا ہے، قلم میں لغزش آ جاتی ہے، زبان کو طاقت گفتار نہیں رہتی جن میں کئی لوگ جادہ مستقیم کو چھوڑ کر ”ضالۃ الغنم“ بھی ہو گئے، مگر مجموعی حیثیت سے امت مرحومہ کا کبھی ضلالت و گمراہی پر اجماع نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کا دست قدرت و نصرت امت محمدیہ کی جماعت پر ہمیشہ رہا اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا، اسی روایت کی تائید عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے:

”لَا يَجْمَعُ اللَّهُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ أَبَدًا وَيَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ.“

تَرْجَمَہ: اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہمیشہ رہے گا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۳۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ ومن شدّ شدّ فی النار.

تَخْرِیج حَدِیث: أخرجه الترمذی فی ابواب الفتن (باب لزوم الجماعة عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ترکیب حَدِیث: ید اللہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ علی الجماعة: جار مجرور سے مل کر ثابت سے متعلق ہو کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تین باتوں کے علاوہ ابن آدم کا تمام کلام اس پر وبال ہے

(۷۳) كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللَّهِ.

ترجمہ: ”ابن آدم کا ہر کلام اس پر وبال ہے سوائے اس کلام کے جو کسی اچھے کام کے کرنے کے لئے ہو یا کسی بری بات سے روکنے کے لئے ہو یا وہ اللہ کی یاد کے لئے ہو۔“

لِغَاثِكَ: مَعْرُوفٌ: ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کی لچھائی عقل یا شریعت سے معلوم ہو اس کا مقابل منکر آتا ہے، قال تعالیٰ: ﴿يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

تشریح: اس حدیث کا مدعا یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کی حفاظت کرے اس کو لغو باتوں سے بچائے، ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا کہ بلاشبہ انسان اپنے قدم سے بھی پھسلتا ہے مگر اس سے زیادہ اپنی زبان سے پھسلتا ہے۔ (۶) اسی طرح جب ایک موقع پر حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ”یا رسول اللہ! میرے بارے میں سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز کا خوف ہے؟“ تو آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ ”سب سے زیادہ خطرہ اس کا ہے۔“ (۲)

کسی عارف نے کیا عجیب انداز سے اس کو سمجھایا ہے:

”لَوْ تَشْتَرُونَ الْقَرَاطِيسَ لَحَفِظْتُمْ أَلْسِنَتَكُمْ عَنْ كَثِيرِ الْكَلَامِ“

ترجمہ: ”اگر تم کو کرمانا کاتبین کے لئے کاغذ خریدنا پڑتا تو تم زیادہ بولنے سے رک جاتے۔“

بعض لوگ اس حدیث پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث سے تو بظاہر مباح بات کی بھی ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ وہ بھی وبال ہے حالانکہ ایسا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مباح باتیں جائز ہیں مگر اس حدیث میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ مسلمان تو آخرت کا حریص ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو مباح باتوں سے بھی دور رکھے اور صرف انہی باتوں میں لگا رہے جس میں اس کی آخرت کا نفع ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ“ ص ۱۹۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ام حبیبة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ الا امر بمعروف او نہی عن منکر او ذکر اللہ.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی حفظ اللسان) وقال حدیث غریب،

وأخرجه ابن ماجہ فی کتاب الفتن (باب کف اللسان فی الفتنة)

ترکیب حدیث: کل کلام ابن آدم: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مبتداء۔ علیہ: جار مجرور محذوف کے متعلق ہو کر

معطوف علیہ۔ لا: حرف عاطفہ۔ لہ: جار مجرور محذوف کے متعلق ہو کر معطوف، پھر معطوف معطوف علیہ سے مل کر متشبی منہ الا: حرف استثناء۔ امر: مصدر۔ بمعروف: جار مجرور متعلق ہوا ”امر“ کے، پھر ”امر“ مصدر اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ او: حرف عاطفہ۔ نہی: مصدر۔ عن منکر: جار مجرور متعلق ہوا ”نہی“ مصدر کے، پھر ”نہی“ اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ او: حرف عاطفہ۔ ذکر اللہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف، پھر معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر متشبی، متشبی منہ اپنے متشبی سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



ذکر کرنے والے کی مثال زندہ کی سی ہے

﴿۷۶﴾ مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ.

تَرْجَمَةٌ: ”جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے رب کو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ شخص کی سی ہے۔“

لُغَاتُكَ: الْحَيُّ: باب افعال سے بمعنی زندہ کرنا، یہ اسم ہے تو معنی ہوا زندہ، قال تعالى: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾. الْمَيِّتُ: مَاتَ (ن) مَوْتًا، وَمَوَاتًا، یہ ”الحی“ کی ضد ہے بمعنی موت، قال تعالى: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾. تَفْسِيرٌ: علماء اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں دل کی کیفیت کا بیان ہے کہ ذکر کرنے والے کا قلب زندہ ہے اور ذکر سے غفلت قلب کی موت ہے جس طرح زندہ آدمی اپنی زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے تو اسی طرح ذکر کرنے والا اپنے عمل سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

صوفیاء اس حدیث کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرتے ہی نہیں، اس دنیا سے جانے کے بعد بھی وہ زندوں کے ہی حکم میں ہوتے ہیں جیسا کہ شہیدوں کے بارے میں قرآن مجید کا فیصلہ ہے:

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾

”وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں۔“

ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”مدارج السالکین“ میں ذکر کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا ذکر ہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان کھلا ہوا ہے اس کے ہی ذریعہ بندہ اللہ کی بارگاہ عالی تک پہنچ سکتا ہے اور جب انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو یہ اہم دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ (للہ در القائل)

فَنَسِيَانِ ذَكَرَ اللَّهُ مَوْتَ قُلُوبِهِمْ * وَاجْسَامِهِمْ قَبْلَ الْقُبُورِ قَبُورِ

تَرْجَمَةٌ: اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا ان کے دلوں کی موت ہے، اور ان کا جسم زمین والی قبروں سے پہلے ان مردہ دلوں کی قبریں ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ“ ص ۱۹۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يذكُر ربه والذي لا يذكُر مثل الحي والميت.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی الدعوات (باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ عن ابی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تَرْكِيْبُ حَدِيثٍ: مثل: مضاف - الذی: موصول - یذكر: فعل، ضمیر فاعل ربہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، پھر فعل اپنے فاعل مفعول سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ۔ والذی لا یدکر: موصول صلہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر "مثل" کا مضاف الیہ ہوا، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ مثل: مضاف الحی والمیت: معطوف علیہ معطوف سے مل کر مضاف الیہ، پھر مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



وہ علم جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے

﴿٧٥﴾ مَثَلُ الْعِلْمِ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: ”اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانہ کے مانند ہے جس میں سے اللہ کی راہ میں

کچھ خرچ نہ کیا جائے۔“

الْعَامِلُ: كَنْزٌ: بمعنی خزانہ، ذخیرہ کی ہوئی چیز، جمع كُنُزٌ وَكُنُوزٌ آتی ہے، كَنْزٌ (ض) كَنْزًا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ﴾

تفسیر: جب آدمی پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ اس کو اپنا محبوب علم سکھایا تو اب اس کے لئے بھی مناسب نہیں کہ اس کو وہ چھپائے بلکہ اس پر اس وقت دو باتیں لازم ہیں: ایک یہ کہ اس پر عمل کرے، دوسرے یہ کہ دوسرے کو بھی سکھائے، یہی مطلب ہے علم سے فائدہ اٹھانے کا۔

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں علم کو مال کے ساتھ جو تشبیہ دی گئی ہے وہ صرف فائدہ حاصل نہ کرنے اور خرچ کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح مال والے کے پاس مال ہے مگر وہ مال کو خرچ نہیں کرتا اسی طرح یہ علم والا بھی نہیں کر رہا اور خود بھی فائدہ حاصل نہیں کر رہا۔ (۱)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم آواز دیتا ہے کہ جو شخص مجھ پر عمل کرے گا تو میں باقی رہوں گا ورنہ جو عمل نہیں کرے گا تو میں بھی چلا جاؤں گا۔

ایک عارف کا مقولہ ہے:

”عِلْمٌ بِلَا عَمَلٍ كَحِمْلٍ عَلَى جَمَلٍ“

ترجمہ: علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسا اونٹ پر بار۔ (۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ صاحب علم کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنا علم عطا فرمائے تو اس کو چاہئے کہ اس کو خوب دوسرے تک پہنچائے اسی طرح صاحب مال کو بھی چاہئے کہ اپنے مال کو اعلیٰ کلمۃ اللہ میں خرچ کرے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۲۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مثل العلم لا

ينتفع به كمثل كنز لا ينفق منه في سبيل الله.

(۱) مرقاۃ/۱، ۳۱۸، التعلیق الصبیح/۱، ۱۶۹ (۲) احیاء العلوم

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الدارمی فی (ابواب العلم عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: مثل: مضاف۔ العلم: موصوف۔ لا ینتفع: فعل مجہول ضمیر نائب فاعل۔ بہ: جار مجرور متعلق فعل کے، پھر فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفت، پھر موصوف صفت سے مل کر ”مثل“ کا مضاف الیہ ہو کر مبتداء۔ کمثل: ک: جار۔ مثل: مضاف۔ کنز: موصوف۔ لا ینفق: فعل مجہول ضمیر نائب فاعل۔ منہ: جار مجرور متعلق ہوا فعل کے۔ فی: جار۔ سبیل اللہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا، پھر جار مجرور سے مل کر متعلق ثانی فعل کا، پھر فعل اپنے نائب فاعل اور دونوں متعلق سے مل کر صفت ہوا ”کنز“ کا، پھر موصوف صفت سے مل کر ”مثل“ کا مضاف الیہ ہو کر کاف کا مجرور ہوا، پھر جار مجرور سے مل کر متعلق محذوف کے ہو کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



سب سے بہترین ذکر کلمہ توحید اور بہتر دعا الحمد للہ ہے

﴿۷۶﴾ أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ.

ترجمہ: ”سب سے بہتر ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے بہتر دعا الحمد للہ ہے۔“

تفسیر: تمام اذکار میں بہتر ذکر کلمہ توحید ہے: اس حدیث میں لا الہ الا اللہ کو سب سے افضل بتایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کلمہ سے انسان ایمان کی حدود میں داخل ہوتا ہے اور یہی کلمہ تمام انبیاء علیہم السلام کا پہلا سبق تھا۔^(۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کلمہ توحید کو سب سے افضل ذکر فرمایا گیا کیونکہ یہی کلمہ دین کی بنیاد ہے اور دین کی چکی اس کے ارد گرد گھومتی ہے۔^(۲)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کو افضل ذکر اس وجہ سے کہا گیا ہے کیونکہ یہ کلمہ ظاہری و باطنی صفائی کے لئے بہت ہی موثر ہے اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب بندہ لا الہ کہتا ہے تو اس سے تمام معبودوں کی نفی ہو جاتی ہے اور جب لا اللہ کہتا ہے تو ایک معبود حقیقی یعنی اللہ کا اقرار ہوتا ہے اور اس اقرار سے اس کا قلب و باطن روشن ہو جاتا ہے اور باطن کا اثر ظاہری اعضاء پر بھی مرتب ہوتا ہے تو اب اس سے وہی اعمال و افعال صادر ہوں گے جو اس کلمہ کا تقاضہ اور منشاء ہیں۔^(۳)

تمام دعاؤں میں بہتر دعا الحمد للہ ہے: کریم کی ثناء کا مطلب سوال ہی ہوتا ہے، جب انسان کسی کی تعریف کرتا ہے تو مطلب سوال کرنا ہی ہوتا ہے، یا اس کی وجہ یہ ہے جو علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ جب انسان منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کرتا ہے تو صرف اسی تعریف کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ مزید انعامات کی بارش فرماتے ہیں، جیسے کہ قرآن مجید میں بھی ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ”تم شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔“^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل والتکبیر“ ص ۲۰۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: افضل الذکر لا الہ الا اللہ وافضل الدعاء الحمد للہ.

تجزیہ حدیث: اخرجه الترمذی فی الدعوات (باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة) وقال حدیث حسن غریب. ترکیب حدیث: افضل الذکر: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ لا یعنی جنس الہ: موصوف۔ الا اللہ: صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر اسم ہوا ”لا“ کا ”موجود“ محذوف ”لا“ کی خبر، پھر ”لا“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مبتداء کی خبر، پھر مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ افضل الدعاء: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ الحمد: مبتداء۔ للہ: جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا ثابت کے، پھر ثابت اپنے متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر پھر خبر ہوئی افضل الدعاء مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

خدا کو ہر حال میں یاد رکھنے والے کے فضائل

﴿۷۷﴾ **أَوَّلُ مَنْ يُدْعَى إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ الَّذِينَ يَحْمَدُونَ اللَّهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ.**

ترجمہ: ”قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کو جنت کی طرف بلایا جائے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جو خوش و سختی ہر حالت میں اللہ کی تعریف کرنے والے ہوں گے۔“

لُغَاتُ: يَحْمَدُونَ: حَمَدَ (س) حَمْدًا معنی تعریف کرنا۔ السَّرَّاءِ: بمعنی خوشی، سَرَّ (ن) سُرُورًا بمعنی خوش کرنا۔ الضَّرَّاءِ: بمعنی سختی، قَطْ جانی و مالی نقصان، ضَرَّ (ن) بمعنی نقصان دینا، قال تعالى: ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾۔
تَشْرِیح: ہر حال میں اللہ کو یاد رکھنے والوں کے فضائل: اس حدیث میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والوں کی نشانی بیان کی گئی ہے کہ جو ہر حال میں اپنے اللہ کو یاد رکھیں خواہ ان پر خوشی کے حالات ہوں یا غمی کے۔ خوشی و غمی کی قید اس وجہ سے لگائی کہ عموماً ان دونوں حالتوں میں انسان اللہ کو بھول جاتا ہے مگر مراد تمام ہی اوقات ہیں کہ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے۔^(۱)
 ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤمن کی بھی عجیب شان ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے تو صبر کرتا ہے اور جب خوشی نصیب ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے ان دونوں حالتوں میں اس کو اجر ملتا ہے۔

خصوصاً غمی میں اللہ کو یاد رکھا جائے: عموماً انسان غمی میں اللہ تعالیٰ کو بالکل بھول جاتا ہے اور غم میں کچھ اس طرح لگ جاتا ہے کہ بسا اوقات اس کے منہ سے غیر پسندیدہ الفاظ بھی نکل جاتے ہیں جن کو شریعت پسند نہیں کرتی تو غم کی حالت میں انسان کو اپنے اوپر زیادہ قابو پانے کی ضرورت ہے اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس پر کوئی مصیبت نازل ہو اور وہ اس میں کپڑے پھاڑے تو ایسا ہے کہ نیزے سے اللہ کا مقابلہ کرنے والا ہو۔^(۲)

نیز امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو مخلوق میں کسی سے شکایت نہ کیا کرو میں بھی تیرے عیوب و خطا جو میرے پاس آتے ہیں فرشتوں سے شکایت نہیں کرتا ہوں۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل والتکبیر“ ص ۲۰۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أول من يدعى إلى الجنة يوم القيامة الذين يحمدون الله في السراء والضراء.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه البيهقي في شعب الإيمان كما عزاه صاحب المشكوة.

ترکیبِ جدید: اول: مضاف - من: موصولہ - يدعی: فعل ضمیر نائب فاعل - الى الجنة: جار مجرور متعلق فعل کے - يوم القيمة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فعل کا مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر اول کا مضاف الیہ ہو کر مبتداء - الذين: موصول - يحمدون: فعل ضمیر فاعل (جو الذین کی طرف راجع ہے) - لفظ اللہ: مفعول - فی: جار - السراء و الضراء: معطوف معطوف علیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر صلہ موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



نوع آخر منه

مصنف یہاں سے بھی جملہ اسمیہ کو بیان کریں گے مگر یہاں وہ جملہ اسمیہ آئے گا جس کے شروع میں

لانی جنس کا ہوگا، لانا فیہ کی چار قسمیں ہیں:

- ① نفی جنس کے لئے۔ ② بمعنی لیس۔ ③ جواب ضد نعم۔ ④ لانا فیہ عطف کے لئے۔
یہاں پر لانی جنس معنی میں ”نفی کمال“ کے لئے ہوگا۔

امانت داری اور ایفاء عہد کی اہمیت

⑧ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ.

ترجمہ: ”اس شخص کا ایمان (مکمل) نہیں جو امانت داری نہیں کرتا، اس شخص کا دین (مکمل) نہیں جو ایفاء عہد نہ کرے۔“

لُغَاتِکَ: عَہْدٌ: بمعنی وعدہ، وصیت وغیرہ جمع عُهُود آتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْنُورًا﴾ تَشْرِیْحُ: اس حدیث میں مسلمانوں کے اوصاف کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جن کے بغیر یہ مسلمان لذت ایمانی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا، یہ دونوں وصف ہر مسلمان میں ہونا ضروری ہیں، اسی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ بھی اکثر وعظ و نصیحت میں اس حدیث کو بیان فرماتے تھے۔

پہلا وصف امانت کو پورا کرنا اس کو قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ ”اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں واپس کرو۔“

امانت اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے: امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے مثلاً تاجر کی امانت یہ ہے کہ لین دین میں برابری کرے، ملازم کی امانت یہ ہے کہ اپنی ڈیوٹی کو ایمان داری سے ادا کرے، کسان کی امانت یہ ہے کہ پیداوار میں مناسب محنت کرے وغیرہ غرض یہ کہ ہر شعبہ زندگی میں امانت داری سے کام کرنا اس میں داخل ہے۔

عہد کا پورا کرنا اتمام دین میں سے ہے: دوسرا وصف عہد اور وعدہ کو پورا کرنا ہے اس کو بھی قرآن نے بیان کیا ہے:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْنُورًا﴾

”اپنا عہد پورا کیا کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔
عہد کا مفہوم بھی بہت وسیع ہے اس میں ہر قسم کا عہد داخل ہے خواہ:

① وہ عہد انسان اور اللہ کے درمیان ہو

② یا انسان کا انسان سے ہو

اس دوسرے عہد میں تفصیل یہ ہے کہ اگر عہد شرع کے خلاف ہو تو اب دوسرے کو اطلاع کر کے اس عہد کو ختم کر دینا چاہئے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلما خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عہد له.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: رواه البيهقي في شعب الایمان.

ترکیبِ حدیث: لا نفی جنس۔ ایمان: اسم۔ لمن: ل: حرف جار۔ من: موصولہ۔ لا نفی جنس۔ امانة: اسم۔ لہ: جار مجرور ثابت محذوف کے متعلق ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل محذوف ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ لا نفی جنس۔ دین: اسم۔ لمن: ل: جار۔ من: موصولہ، لا نفی جنس۔ عہد: اسم۔ لہ: جار مجرور مل کر متعلق ہوا ثابت محذوف کے، ثابت اپنے متعلق سے ملکر لا کی خبر، لا نفی اپنے اسم اور خبر سے مل کر صلہ، موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق محذوف ہو کر خبر، لا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

حکیم کے لئے تجربہ ضروری ہے

⑦۹ لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ.

تَرْجَمَہ: ”کوئی شخص کامل بردبار نہیں ہو سکتا جب تک وہ لغزش نہ کھائے اور کوئی کامل حکیم نہیں ہو سکتا جب تک اس کو تجربہ حاصل نہ ہو جائے۔“

لُغَاتِی: حَلِيمٌ: بمعنی بردبار، قال تعالى: ﴿لَا وَاهٌ حَلِيمٌ﴾

تَشْرِیح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی معاملات وغیرہ میں نفع و نقصان برداشت نہیں کرتا احتیاط نہیں کرتا اور جب اس کو دھوکہ یا نقصان ہو جائے تو پھر یہ احتیاط سے چلتا ہے اور پھر ان اسباب سے دور رہتا ہے جس سے اس کو پہلی مرتبہ نقصان ہوا ہے جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان کو ایک سو راخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا (۱) تو عقلمند آدمی کو جب ایک جگہ سے نقصان ہو جائے تو پھر وہ اس کے قریب بھی نہیں جائے گا۔

حکیم کے لئے تجربہ ضروری ہے: وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ: حکیم کہتے ہیں دانا، عقلمند کو یا چیز کی اصلیت اور حقیقت کے جاننے والے کو۔ اور تجربہ کہتے ہیں کہ کاموں کی واقفیت کا ہونا اور چیزوں کے طریقوں کو جاننا، تو اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا شخص جس کے سامنے معاملات وغیرہ کے اتار چڑھاؤ، برائی اچھائی سب ہو تو اس شخص کو حکیم کہا جائے گا۔ (۲)

بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اس حدیث میں حکیم سے مراد عرفی حکیم اور ڈاکٹر ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ صرف طب اور ڈاکٹری کی کتابیں پڑھنے سے کوئی طبیب یا ڈاکٹر نہیں بنتا جب تک کہ وہ مشق اور تجربہ نہ کرے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والتانی فی الامور“ ص ۴۲۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ.

تَحْرِیجِ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی فی ابواب البرّ والصلّة (عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وقال حدیث غریب.

تَرْکِیْبِ حَدِيثٍ: لا: نفی جنس۔ حلیم: اسم۔ لا: حرف استثناء۔ ذو عَثْرَةٍ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر ”لا“ کی خبر، ”لا“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ولا: نفی جنس۔ حکیم: اسم۔ لا: حرف استثناء۔ ذو تَجْرِبَةٍ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر ”لا“ کی خبر، ”لا“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(۱) حدیث کی عربی عبارت یہ ہے ”لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرِ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ“۔ (مشکوٰۃ)

(۲) مرقاۃ ۲۷۹/۹۵ (۳) مظاہر حق ۴/۵۹۷۔ مرقاۃ ۲۷۹/۹۵

تدبیر کے مثل کوئی عقل مندی نہیں

﴿لَا عَقْلَ كَالْتَدْبِيرِ وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ﴾

ترجمہ: ”تدبیر کے مثل کوئی عقل نہیں اور گناہوں سے رکنے کے مثل کوئی پرہیز گاری نہیں۔“

لُعَاثِمُ: التَّدْبِيرُ: غور کرنا، انتظام کرنا۔ وَرَعَ: (س) وَرَعًا، پرہیز گار ہونا۔ الْكَفُّ: باز رکھنا، مراد شہوات سے باز رہنا۔ تَشْرِیحُ: ”تدبیر“ کہتے ہیں ہر کام کے انجام پر نظر رکھنا اور اس کے لئے سامان مہیا کرنا، اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی عقل، تدبیر یعنی جس میں انجام پر نظر رکھی جائے یہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا کہ جس کام میں انجام کو نہ دیکھا جائے۔ ”ورع“ کے معنی پرہیز گاری اور تقویٰ کے ہیں مگر بعض علماء کرام تقویٰ اور ورع میں فرق کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ: تقویٰ تو کہتے ہیں حرام چیز سے اجتناب کرنا مگر ورع کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان چیزوں سے بھی اجتناب کرے جو حرام کے قبل سے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرے۔ ”کف“ کے معنی ہیں احتیاط کرنا، ورع اور کف میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بعض علماء ان دونوں کو مترادف کہتے ہیں، مگر بعض ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

سُؤَالٌ: جب کف اور ورع ایک ہی معنی میں ہو جائے تو حدیث کا مطلب کچھ یوں ہو جائے گا کہ ”باز رہنا باز رہنے کے برابر نہیں“ جملہ بے معنی سا ہو جاتا ہے۔

جَوَابٌ: اس کا جواب علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ: مطلب حدیث کا اگر چہ ایسا ہوتا ہے مگر مسلمانوں کو ایذا دینے یا زبان کو لغو باتوں میں مشغول کرنے سے باز رکھنا اس میں بہت سے مفسد اور برائیاں ہوتی ہیں اس لئے ازراہ مبالغہ اس طرح بیان کر دیا گیا، بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ ورع اور کف میں فرق ہے، ورع امتثال اور اجتناب دونوں کو شامل ہوتا ہے یعنی جن امور کا حکم دیا گیا ہے اس کو کرنا اور جن سے منع کیا گیا ہے اس سے باز رہنا اور کف صرف اجتناب کو کہتے ہیں معنی جن امور سے روکا گیا ہے اس سے باز رہے تو دونوں الگ الگ ہیں تو اب سوال ہی نہیں ہوگا۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والتانی فی الامور“ ص ۴۳۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا أبا ذر! لا عقل کالتدبیر ولا ورع کالکف، ولا حسب کحسن الخلق.

تَحْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرجه ابن ماجه فی کتاب الزهد (باب الورع والتقوی) ورواه البیهقی فی شعب الایمان.
ترکیبِ حَدِيثٍ: لا: نفی جنس۔ عقل: اسم۔ کالتدبیر: جار مجرور متعلق سے مل کر خبر، ”لا نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ لا نفی جنس۔ ورع: اسم۔ کالکف: جار مجرور متعلق سے مل کر خبر، ”لا نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

خاندانی شرافت حسن خلق کے برابر نہیں

① وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ.

ترجمہ: ”خاندانی شرافت اچھے اخلاق کے برابر نہیں۔“

لُغَاتِي: حَسَبَ: مصدر۔ حَسَبَ (ك) حَسَابَةً، معنی خاندانی شرافت۔ حَسَنَ: (ن. ك) حُسْنًا بمعنی خوب صورت ہونا، صفت حَسَنٌ اور جمع حَسَانٌ آتی ہے۔ الْخُلُقُ: بمعنی عادت طبیعت۔

تَشْرِیح: حَسَبَ پر فخر کرنے کی مذمت: حسب اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے باپ دادا کے فضائل و مناقب گنوائے اور پھر اس پر فخر کرے، تو اس حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا کہ انسان کی شرافت و فضیلت اس میں ہے کہ اس میں خود اچھے اخلاق ہوں، اگر اس میں اچھے اخلاق نہیں تو وہ لا کھ اپنے خاندانی مناقب کو گنوائے سب فضول ہے۔^(۱) حسن خلق کی فضیلت: حسن خلق کے متعدد روایات میں فضائل وارد ہوئے ہیں، مثلاً ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ مسلمان بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں کو قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔^(۲)

ایک دوسری روایت میں آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا بلاشبہ قیامت کے دن مؤمن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزنی چیز جو ہوگی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔^(۳)

ایک اور موقع پر ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ سب سے افضل عمل حسن خلق ہے، بہر حال اس حدیث میں فرمایا گیا کہ اپنے باپ دادا کے فضائل بیان کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنے اندر اوصاف کو پیدا کیا جائے اور ان اوصاف میں سب سے عظیم صفت حسن خلق کی ہے اس کو انسان اپنائے۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والثانی فی الامور“ ص ۴۳۰ پر ہے، پوری حدیث گزشتہ حدیث نمبر ۸۰ ص ۱۹۰ کے ضمن میں مذکور ہے۔

تَحْرِیجِ حَدِيثِهِ: رواه البيهقي في شعب الایمان واخرجه ابن ماجه في كتاب الزهد (باب الورع والتقوى).
ترکیبِ حَدِيثِهِ: لا: حرف نفی جنس۔ حسب: اسم۔ کاف: حرف جار۔ حسن الخلق: مضاف مضاف الیہ سے مل کر ”کاف“ کا مجرور، جار مجرور سے مل کر محذوف کے متعلق ہو کر ”لا“ کی خبر، پھر ”لا“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(۱) مظاہر حق ۲/۲۰۴ (۲) ابوداؤد شریف (۳) ترمذی شریف (۴) مکاشفۃ القلوب ص ۵۷۹
دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ بھی کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ اسْئَلْكَ الصَّحَّةَ وَالْعَافِيَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ“ اے اللہ! میں تجھ سے صحت سلامتی اور حسن الخلق کا سوال کرتا ہوں۔

لوگوں کی خاطر خدا کی نافرمانی جائز نہیں

(۸۲) لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

ترجمہ: ”مخلوق کے اس حکم کی تابعداری جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔“

لُعَامِي: طَاعَةُ: طوعاً بمعنی فرمانبردار، صفت طَائِعٌ جمع طُوعٌ اور طَائِعُونَ آتی ہے، قَالَ تَعَالَى: ﴿طَاعَةُ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ﴾ تَشْرِيحُ: لوگوں کی خاطر اللہ کی نافرمانی جائز نہیں: مطلب یہ ہے کہ انسان خواہ حاکم ہو یا نہ ہو اگر وہ کوئی ایسا حکم صادر کرے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اب اس کے حکم کو نہیں مانا جائے گا مگر اس کے ساتھ ساتھ علماء نے اس کی اجازت دی ہے کہ کسی کو طاعت کے زور سے کسی گناہ کے کرنے پر مجبور کیا جائے تو اب اس پر گناہ نہیں ہوگا۔

علماء مزید اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حاکم ایسا حکم و فرمان جاری کرے جس پر عمل کی نافرمانی لازم آتی ہو تو اس صورت میں اس حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کی جائے گی لیکن اس صورت میں بھی ایسے حاکم کے خلاف بغاوت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس کے خلاف محاذ جنگ کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

اس عبارت مذکورہ سے یہ بات ذہن میں نہ آئے کہ حکم حاکم کے ہی ساتھ خاص ہے بلکہ حدیث عام ہے کوئی بھی ہو حاکم ہو یا خواہ اور کوئی ہو جس کے حکم میں بھی اللہ جل جلالہ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو اس کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہوگی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الامارۃ والقضاۃ“ ص ۳۲۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن النّوّاس بن سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَمَ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

تَحْرِیْجُ حَدِیْثٍ: اَخْرَجَهُ الْبَغَوِیُّ فِي شَرْحِ السَّنَةِ وَاَخْرَجَهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِي مَسْنَدِهِ عَنْ عَلِیِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ.

تَرْکِیْبُ حَدِیْثٍ: لَا: نفی جنس۔ طَاعَةُ: اسم۔ ل: حرف جار۔ مَخْلُوق: مجرور، جار مجرور متعلق ہوا طَاعَةُ کے۔ فی: حرف جار۔ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر خبر ہے کائتہ کے، کائتہ صیغہ اسم فاعل اپنے اسم اور خبر سے مل کر ”لا“ کی خبر، ”لا“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

⑧۳ لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ.

تَرْجَمَہ: ”رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔“

لُغَاتِک: صَرُورَةُ: نکاح نہ کرنا، حج پر نہ جانا، رہبانیت اختیار کرنا۔

تَشْرِیْح: رہبانیت اسلام میں نہیں ہے: اس حدیث کی شرح میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں، مثلاً بعض علماء فرماتے ہیں کہ ضرورت کا معنی یہ ہے کہ نکاح اور حج کو چھوڑنا اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نکاح اور حج کو چھوڑنا یہ اسلام کے طریقوں میں سے نہیں ہے، اس کو چھوڑنا رہبانیت ہے اور رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور پھر باوجود استطاعت کے وہ حج نہ کرے، تو اس حدیث کی رو سے وہ مسلمان نہیں مگر یہ ارشاد زجر و تشدید کے طور پر ہوگا یا یہ کہا جائے کہ باوجود استطاعت کے حج پر نہ جائے تو وہ کامل مسلمان نہیں۔^(۱)

یا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو جائے پھر اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ لوگوں سے قطع تعلق کرنا یہ اسلام میں نہیں ہے۔ مگر دین کو بچانے کے لئے اپنی جگہ کو چھوڑنا یہ رہبانیت میں داخل نہیں یہ نصاریٰ کی طرح رہبانیت نہیں ہوگی کیونکہ انہوں نے بلا ضرورت محض ثواب سمجھ کر وطن اور تعلقات و قرابت کو چھوڑ دیا تھا، اور اس ضمن میں حقوق العباد کو بھی فوت کر دیا تھا، خلاصہ یہ ہوا کہ اصل کمال انسانیت یہ ہے کہ تمام حقوق ادا کرتے ہوئے تمام احکام الہی کو ادا کرے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب المناسک“ ص ۲۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا ضرورة فی

الاسلام.

تَخْرِیج حَدِیث: أخرجه ابو داود فی کتاب المناسک.

ترکیبِ حَدِیث: لا: نفی جنس۔ ضرورة: اسم۔ فی الاسلام: جار مجرور محذوف کے متعلق ہو کر خبر، ”لا“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

متقی آدمی کے پاس مال ہونے میں کوئی حرج نہیں

(۸۷) لَا بَأْسَ بِالْغَنِيِّ لِمَنِ اتَّقَى اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: ”دولت مند ہونے میں کوئی حرج نہیں اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔“

لُغَاتُ: الْغَنِيُّ: (س) غِنَاءٌ اور غُنْيَانًا بمعنی مال دار ہونا، قال تعالى: ﴿وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ﴾ اتَّقَى: وَقَى (ض) وَقَايَةً بمعنی حفاظت کرنا۔ عَزَّ: (ض) عَزَّاءٌ وَعِزَّةٌ معنی عزیز ہونا، قَوِيَ ہونا۔ جَلَّ: (ض) جَلَّالًا وَجَلَالَةً بمعنی بڑے مرتبہ والا ہونا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے اس میں بھلائی بھی ہے اور کبھی کبھار تو حالات کے اعتبار سے ضروری بھی ہو جاتا ہے جیسے کہ حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم لوگوں کے پاس دراہم و دنانیر نہ ہوتے تو یہ امراء و سلاطین ہمیں ذلیل کر دیتے اور مزید فرمایا کہ اگر کسی کے پاس تھوڑا مال ہو تو وہ اس کو تجارت میں لگا دے اور اس کے بڑھانے کی کوشش کرے، یا اس کو کفایت سے خرچ کرے تاکہ جلدی ختم نہ ہو جائے اور فرمایا کہ ہمارا زمانہ ایسا ہے کہ اس میں کوئی محتاج ہو تو دنیا کی خاطر اپنے دین کو اپنے ہاتھ سے گنوا دیتا ہے۔^(۱)

اسی وجہ سے ایک دوسری روایت میں خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا“ کہ تنگدستی کبھی صفت ایمان کو کفر تک پہنچانے کا سبب بن جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مال فی نفسہ مذموم نہیں ہے۔ بشرطیکہ آدمی اس کے حقوق ادا کرتا رہے اور اس سے اس کی زکوٰۃ خیرات اور دوسرے دینی کاموں میں خرچ کرتا رہے، اسی وجہ سے امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مال کی مثال سانپ کی طرح ہے فائدہ اور نقصان دونوں کا احتمال رکھتا ہے، تقویٰ اس کا منتر ہے اگر دل میں تقویٰ ہو تو اب مال اس کو نقصان نہیں بلکہ فائدہ پہنچائے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب استحباب المال والعمر الطاعة“ ص ۴۵۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کنا فی مجلس فطلع علينا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی راسه اثر ماء فقلنا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نراک طیب النفس قال: اجل، ثم خاض القوم فی ذکر الغنی، فقال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لا باس بالغنی لمن اتقى الله عز وجل والصحة لمن اتقى خير من الغنی وطیب النفس من النعیم.

تخریج حدیث: أخرجه الامام احمد فی مسنده.

ترکیبِ جَدِیث: لا: نفی جنس۔ باس: اسم۔ بالغنی: جار مجرور متعلق ہوا ثابت کے۔ لمن: لام: حرف جار۔ من: موصولہ۔
 اتقی: فعل فاعل۔ لفظ اللہ: ذوالحال۔ عز: فعل فاعل سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ جل: فعل فاعل سے مل کر
 معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر حال، پھر حال ذوالحال سے مل کر فعل کے لئے مفعول، پھر فعل اپنے فاعل اور مفعول سے
 مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر ثابت کا متعلق ثانی ہو کر پھر خبر ”لا“ کی، ”لا“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر
 جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



الجملة الاسمية التي دظت عليها حرف "ان"

مصنف یہاں سے اب ایسی احادیث کو بیان کریں گے جو جملہ اسمیہ ہوں گی اور ان پر ان (حرف مشبہ بالفعل) داخل ہو۔

بعض بیان جادو کی طرح اثر کرتے ہیں

(۸۵) إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا.

تَرْجَمَةً: "بلاشبہ بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں۔"

لُغَاتِي: الْبَيَانُ: وہ گفتگو جو مافی الضمیر کو ظاہر کرے، بَانَ (ض) يَبَانًا وَتَبَيَّنًا، ظاہر کرنا۔ لَسِحْرًا: وہ چیز جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو، جادو، دھوکہ، حیلہ، فساد، مراد جادو ہے۔ قال تعالى: ﴿إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُبِينٌ﴾

تَشْرِيح: صراح میں ہے کہ بیان کے معنی ہیں کھولنا اور اچھی طرح ظاہر کرنا یا یہ کہا جائے کہ بیان اس فصیح گفتگو اور تقریر کو کہتے ہیں جس میں مافی الضمیر کو نہایت وضاحت اور حسن اسلوبی کے ساتھ ظاہر کیا جاتا ہے۔ (۱)

آپ ﷺ نے بیان کو سحر اس لئے فرمایا کہ جس طرح سحر سے آدمی کو ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل کر دیا جاتا ہے تو اسی طرح فصاحت فی البیان سے انسان کے دل کو تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ (۲)

حدیث کا شان و رُود: اس حدیث کا شان و رُود یہ ہے کہ ایک جماعت بنو تمیم کی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس میں سے دو شخصوں نے خوب فصاحت و بلاغت سے اپنے اوصاف و فضائل بیان کئے اس پر لوگوں کو تعجب ہوا تو آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ (۳)

ان میں سے ایک کا نام حصین بن بدر لقب زبیرقان اور دوسرے کا نام عمرو بن الہثم تھا، محدثین کا اس حدیث کے بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے یا تعریف فرمائی ہے، دونوں ہی قول علماء سے ملتے ہیں۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں "باب البیان والشعر" ص ۴۰۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قد جاء رجلان من المشرق فخطبا فعجب الناس لبيانهما فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان من البيان لسحرا.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری فی کتاب النکاح (باب الخطبة) وفی کتاب الطب (باب من البیان سحر)

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ من: حرف جار۔ البیان: مجرور، جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر ان کے لئے خبر مقدم۔ لسحرا: ان کا اسم مؤخر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے

﴿٨٦﴾ إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةً.

تَرْجَمًا: ”یقیناً بعض شعر پر حکمت ہوتے ہیں۔“

لُغَاتِي: حِكْمَةُ: دانائی انصاف، بودباری، علم، اس کی جمع حِكَمٌ آتی ہے۔

تَشْبِيْہ: شعر کے لغوی معنی دانائی اور علم دقت کے ہیں، اور اصطلاح میں وہ کلام جس میں قائل نے موزونیت کا قصد و ارادہ کیا ہو، لہذا اس تعریف سے قرآن وحدیث میں جو موزوں کلام واقع ہوا ہے وہ خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ اس میں موزونیت کا قصد نہیں کیا گیا ہے (۱) جیسے کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿ثُمَّ أَفْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَسْهَدُونَ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ﴾

اسی طرح حدیث میں بھی آتا ہے:

”هَلْ أَنْتِ إِلَّا أَصْبَعٌ دَمِيَّتٌ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيَتْ“ (۲)

حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ تمام اشعار برے نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بعض اچھے اور فائدہ مند بھی ہوتے ہیں اور بعض اشعار سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ (۳)

ان سب کے باوجود آپ ﷺ نے خود تو کبھی اشعار نہیں کہے، مگر بعض مواقع پر پسند ضرور فرمایا ہے، جیسے کہ لبید کے ایک شعر کو آپ ﷺ نے سنا تو بہت پسند فرمایا وہ شعر یہ تھا:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ ۖ وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ (۴)

تَرْجَمًا: ”سنو! اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے، یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جائے گی۔“

اسی طرح بعض مواقع پر آپ نے اور بھی شعروں کو پسند فرمایا ہے، بسبب اس کے کہ ان میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں۔ علماء نے اشعار کے صحیح ہونے کے لئے چار شرطیں لکھی ہیں:

① اشعار کا مفہوم اور مضمون صحیح ہو۔

② سنانے والا مرد ہو عورت اور نابالغ بچہ نہ ہو۔

③ آلہ سماع صحیح ہو باجا، میوزک نہ ہو۔

④ سماع سننے والا بھی صحیح ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البیان والشعر“ ص ۴۰۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي بن كعب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان من الشعر
حكمة.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الادب (باب مايجوز من الشعر والرجز).
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ من الشعر: جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ حكمة: اسم مؤخر، ان اپنے
اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



بعض علم بھی جہل ہیں

﴿۷﴾ إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا.

ترجمہ: ”بلاشبہ بعض علم جہالت ہیں۔“

لُغَاتُكَ: جَهْلًا: (س) ناواقف ہونا، جاہل ہونا، قَالَ تَمَالَى: ﴿بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ ترجمہ: صحیح: علماء کرام نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

پہلا یہ کہ کوئی شخص ایسے علم میں مشغول ہو جو بذات خود فائدہ مند نہ ہو اور نہ ہی اس کی ضرورت ہو، جیسے علم جفر، رمل اور علم نجوم وغیرہ، اور ضرورت والے علم قرآن و حدیث وغیرہ کو چھوڑ دے تو یہ غیر ضروری علم میں مشغول ہوا تو حقیقت میں یہ جاہل ہی ہے۔

دوسرا یہ کہ علم تو حاصل کرے مگر اس کے مطابق عمل نہ کرے تو یہ بھی جاہل ہی ہے۔^(۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہے تو اس سے پہلے وہ یہ بات طے کرے کہ آیا اس تحصیل علم سے اس کا مقصد کیا ہے اگر صرف فخر و نمائش اور بڑائی لوگوں پر جتلانا ہے تو یہ شخص علم کے ساتھ جاہل اور اپنی جان کا دشمن ہے اور اگر حصول علم سے مقصود اللہ کی رضا اور جہالت کا دور کرنا اور دوسرے کا سکھانا ہو تو اب اس شخص کو چاہئے کہ وہ علم حاصل کرے^(۲) بقول شاعر:

ہو علم اگر نصیب تو تعلیم بھی کر ﴿﴾ دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر
اللہ عطاء کرے جو عظمت تجھ کو ﴿﴾ جو اہل ہیں اسکے ان کی تعظیم بھی کر
خلاصہ یہ ہوا کہ بعض علم جہل کا سبب ہوتے ہیں جس علم سے وہ راہ حق کو نہ حاصل کر سکتا ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البیان والشعر“ ص ۴۱۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن صخر بن عبد اللہ بن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن أبيہ عن جدہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان من البیان سحرا وان من العلم جهلا وان من الشعر حکمة وان من القول عیالا.

تخریج حدیث: أخرجه ابو داود فی کتاب الادب (باب ما جاء فی الشعر)

ترکیب حدیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ من العلم: جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر ”ان“ کی خبر مقدم۔ جهلا: اسم مؤخر، ”ان“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بعض باتیں آدمی پر وبال ہیں

﴿۸۸﴾ إِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عِيَالًا.

ترجمہ: ”بلاشبہ بعض قول بوجھ (وبال) ہوتا ہے۔“

لغائیک: عیالاً: وہ لوگ جن کا نان نفقہ واجب ہو، عَالٌ یَعِیْلُ عِیَالًا، محتاج ہونا۔

تشریح: مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب آدمی اپنی زبان سے قصداً جھوٹ بولے تو اب اس جھوٹ کا وبال اسی کو پہنچے گا اسی طرح سے اردو کا بھی ایک محاورہ ہے کہ ”پہلے تو لو اور پھر بولو“، جہاں اس زبان سے آدمیوں کو بہت سے انعامات مل سکتے ہیں اسی طرح زبان اس کو ہلاکت کی وادی میں بھی ڈال سکتی ہے، اس لئے شریعت نے زبان کی حفاظت کرنے کا بار بار حکم دیا ہے، مثلاً ایک حدیث میں فرمایا جو شخص اپنی زبان اور پیٹ اور شرم گاہ کے شر سے بچ گیا اس نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی۔^(۱)

اسی طرح ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے دے تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، ایک اس چیز کی ضمانت جو اس کے دونوں جبرؤں کے درمیان ہے (زبان)۔ دوسری جو اس کی دونوں رانوں کے درمیان ہے (شرم گاہ)^(۲) للہ درُ القائل:

ما ان ندمت علی السکوت مرة * و لقد ندمت علی الکلام مرارا

ترجمہ: میں کبھی بھی خاموش رہنے کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہوا، جبکہ بولنے کی وجہ سے کئی مرتبہ شرمندہ ہوا ہوں۔
ایک اردو کا شاعر کہتا ہے:

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البیان والشعر“ ص ۴۱۰ پر ہے، پوری حدیث ماقبل میں حدیث نمبر ۸۷ کے ضمن میں مذکور

ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه ابو داود فی کتاب الادب (باب ماجاء فی الشعر)

ترکیب حدیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ من القول: جار مجرور متعلق ہو کر خبر مقدم۔ عیالاً: اسم مؤخر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ریا کی علامت و علاج

﴿۸۹﴾ اِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ.

ترجمہ: ”بیشک تھوڑی ریا کاری بھی شرک ہے۔“

لُغَاتُكَ: يَسِيرٌ: تھوڑا، نرم، کم، يَسْرٌ (ن. ك. ض) يَسْرًا وَيُسْرًا کم ہونا۔ الرِّيَاءُ: دکھاوا کرنا، قال تعالى: ﴿الَّذِينَ هُمْ يَرَاءُ وَنَ﴾. شِرْكٌ: بمعنی شریک، حصہ، اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنا، اس جگہ شرک خفی مراد ہے، قال تعالى: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾

تشریح: معمولی سی ریا بھی شرک ہے اور ریا کاری یہ ایسا گناہ ہے کہ تھوڑا سا ہونا بھی بہت سخت ہے۔

ریا کی تعریف: ریا کی تعریف یہ ہے کہ اپنی عبادت اور نیکی کی وجہ سے لوگوں کی نظر میں اپنی منزلت و مرتبہ کو پیدا کرنا۔

ایک دوسری روایت میں اس کی مذمت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن صاحب شرک سے کہا جائے گا کہ جس کے لئے تو نے عمل کیا تھا آج اسی سے بدلہ لے لے۔

ریا کاری کی علامت: حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ریا کی تین علامتیں ہیں:

اول: جب اکیلا ہو تو ست ہو اور جب مجمع میں ہو تو چست ہو۔

دوم: یہ کہ جب اس کی تعریف کی جائے تو عمل زیادہ کر دے۔

سوم: یہ کہ جب اس کی مذمت کی جائے تو عمل میں کمی کر دے۔

ریا کاری کا علاج: مگر یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آدمی ریا کے خوف سے اپنی عبادت کو چھوڑ نہ دے بلکہ عمل کرتا رہے اور

نیت کی اصلاح کرتا رہے، پہلے عبادت کی عادت ہوتی ہے پھر عادت سے عبادت بن جاتی ہے، حضرت خواجہ مجذوبؒ فرماتے ہیں:

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن
پہلے عادت پھر عبادت بن گئی

ریا کی اصلاح ان طریقوں سے کرے:

① ڈرتا رہے کہ یہ عمل قبول بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔

② ہر عمل کو اللہ کی توفیق سمجھے اس سے ریا ختم ہو کر شکر کی صفت پیدا ہوگی۔

③ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوب دھیان رکھے۔

④ اپنے گزشتہ گناہوں پر نظر رکھے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرياء والسمعة“ ص ۴۵۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه انه خرج يوماً الى مسجد رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فوجد معاذ بن جبل قاعداً عند قبر النبي صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال: ما يبكيك؟ قال يبكي شئ سمعته من رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سمعت رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول: ان يسير الرياء شرك ومن عادى الله وليا فقد بارز الله بالمحاربة ان الله يحب الابرار الاتقياء الاخفياء الذين اذا غابوا لم يتفقدوا وان حضروا لم يدعوا ولم يقربوا قلوبهم مصاييح الهدى يخرجون من كل غبراء مظلمة.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ عن معاذ بن جبل رضى الله تعالى عنه فى كتاب الفتن.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل - يسير الرياء: مضاف مضاف اليه سے مل کر ”ان“ کا اسم - شرك: ”ان“ کی خبر، ”ان“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے دور ہو

⑩ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِبَ الْفِتْنُ.

تَرْجَمَہ: ”یقیناً نیک بخت وہ شخص ہے جو آزمائشوں سے دور رکھا گیا ہے۔“

لُغَاتُہ: جُنِبَ: دور کیا، جُنِبَ، جُنِبَ الشَّیْءِ، کسی سے کوئی چیز دور کرنا۔

تَشْرِیحُہ: فتنوں سے مراد آفات اور وہ چیزیں جو انسان کے ذہن، قلب و جسم کو تکلیف و رنج میں مبتلا کرتی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ الفتن سے مراد فاسد و گمراہ کن نظریات باطل افکار اور نفسانی شہوت و خواہشات ہیں تو جوان چیزوں سے محفوظ کر دیا گیا وہ خوش بخت ہوگا، فتنے تو اس پر بھی آئیں گے مگر وہ اس فتنے کے زمانے میں بھی دین اور صبر کا دامن نہیں چھوڑے گا، یہ مطلب ہے کہ وہ فتنے سے دور ہوگا۔

اس پر علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص کو کوئی نیک کام کا موقع مل جائے وہ اس نیک کام کرنے میں جلدی کرے کیونکہ معلوم نہیں کہ آنے والا وقت کتنے فتنوں کو اپنے ساتھ سمیٹ کر لاتا ہے، اگر ان فتنوں کے آنے سے پہلے اس شخص نے اپنے ایمان و یقین کو مضبوط کر لیا تو بعد میں انشاء اللہ العزیز یہ فتنوں کے زمانے میں فتنوں سے بچا رہے گا تو ایسے ہی شخص کے بارے میں حدیث بالا ہے کہ جو فتنوں کے زمانے میں فتنوں سے محفوظ رہا، وہ حقیقت میں بہت ہی خوش نصیب ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الفتن“ ص ۴۶۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن المقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان السعيد لمن جنب الفتن ان السعيد لمن جنب الفتن ولمن ابتلى فصبر واها.

تَخْرِیجُہ: أخرجه ابوداود فی کتاب الفتن (باب النهی عن السعی فی الفتنہ)

تَرْکِیْبُہ: جَدِیْثُہ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ السعيد: اسم۔ لمن: ل: تاکید یہ۔ من: موصولہ۔ جنب: فعل مجہول ضمیر نائب فاعل۔ الفتن: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ہو کر صلہ، موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے

① اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ.

تَرْجَمَہ: ”بے شک جس سے مشورہ لیا جائے اس کو امین ہونا چاہئے۔“

لُغَاتِی: الْمُسْتَشَارُ: صیغہ اسم مفعول باب استفعال سے بمعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے۔

تَشْرِیْح: اس حدیث میں مشورہ کے آداب میں سے یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب کسی سے مشورہ لیا جائے تو مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے اس کو چاہئے کہ خیر خواہی اور پوری فکر کے ساتھ مشورہ دے، مشورے میں خیانت نہ کرے، جو اس موقع پر اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی کو مشورہ دے، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص تم میں سے کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔^(۱)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جس نے اپنے کسی بھائی کو کوئی ایسی رائے دی جس کے متعلق اسے علم تھا کہ بھلائی دوسرے کام میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔^(۲)

صاحب ”تحفة الاحوذی“ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مؤتمن کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اسم مفعول کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کسی سے کسی مشورہ کے بارے میں سوال کیا جائے تو جو اس کے ذہن میں خیر کی بات ہو اس کو وہ چھپائے نہیں بلکہ ظاہر کر دے۔^(۳)

مشورہ لینے والے پر بھی یہ بات لازم ہے کہ وہ بھی ہر ایک سے مشورہ نہ لے بلکہ اہل بصیرت سے مشورہ کرے جیسے کہ صاحب ”روح المعانی“ نے خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسی بات پیش آئے جو قرآن اور سنت میں نہ ہو تو ہم کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کر کے مشورہ کرنا، تنہا فیصلہ نہ کرنا۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والتانی فی الامور“ ص ۴۳۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن اَبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی الہیثم بن التیہان: هل لك خادم؟ قال: لا، فقال: فاذا اتانا سبی فاتنا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برأسین فاتاه ابو الہیثم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اختر منهما، فقال: یا نبی اللہ اختر لی، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان المستشار مؤتمن خذ هذا فانی رایته یصلی واستوص به معروفاً.

تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی سعيشة اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ورواہ ابن ماجہ فی کتاب الادب (باب المستشار مؤتمن)
تَرْکِیْبِ حَدِیْثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ المستشار: اس کا اسم۔ مؤتمن: خبر، ”ان“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



اولاد بخل اور بزدلی کا سبب بن جاتی ہے

﴿۹۲﴾ إِنَّ الْوُلْدَ مَبْخَلَةٌ مَجْنُونَةٌ.

ترجمہ: ”بے شک اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہوتی ہے۔“

لُغَاتُیْک: مَبْخَلَةٌ: بخل بنانے والی، بَخِلَ (س) بَخَلًا، (ک) بُخْلًا، بمعنی کنجوس ہونا، بخل ہونا۔ مَجْنُونَةٌ: بزول بنانے والی، جُنَّ (ک) جُنًّا، وَجَبَانَةٌ، بزول ہونا، صفت جَبَانٌ آتی ہے۔
تشریح: اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں:

اول: یہ کہ انسان کی اولاد اس کے لئے بخل کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ باپ اپنی اولاد کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے کہ ان کی ضروریات پوری ہو جائیں ان کے مستقبل کے لئے پیسہ کو جوڑ کر رکھتا ہے، ان پیسوں کو وہ اللہ کی راہ میں یا کسی ضرورت مند کے اوپر خرچ کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہے یہ سب اولاد کی محبت کرواتی ہے اسی لئے فرمایا کہ اولاد بخل کا سبب بنتی ہے۔
دوم: یہ کہ انسان کی اولاد اس کے لئے بزدلی کا سبب بھی بن جاتی ہے اولاد کی محبت ہی کی وجہ سے وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد جیسی اہم عبادت سے جی چراتا ہے اور یہ ظن، فاسد کرتا ہے کہ اگر میں گیا تو میں قتل یا گرفتار ہو جاؤں گا تو پھر میرے پیچھے میرے بچوں کا کیا ہوگا اور انکی پرورش کیسے ہوگی؟ ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اس عظیم نیکی سے محروم ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ بچے بخل اور بزدلی کا سبب ہوتے ہیں۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المصافحة والمعانقة“ ص ۴۰۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان حسنا وحسینا استبقا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضمهما الیہ وقال ان الولد مبخلة مجنونة.

تخریج حدیث: أخرجه ابن ماجہ فی کتاب الادب (باب بر الولد والاحسان الی البنات) أخرجه احمد.

ترکیب حدیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الولد: اسم۔ مبخلة: خبر اول۔ مجنونة: خبر ثانی، ان اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

سچ اطمینان کا اور جھوٹ بے اطمینانی کا باعث ہے

(۹۳) اِنَّ الصِّدْقَ طَمَإْنِيْنَةٌ وَّ اِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ.

ترجمہ: ”بے شک سچ اطمینان کا باعث ہے اور جھوٹ بے اطمینانی کا باعث ہے۔“

لُعَاثٌ: طَمَإْنِيْنَةٌ: اِطْمَئِنَّ، اِطْمَئِنَّا، و طَمَإْنِيْنَةٌ، مطمئن ہونا، رِيْبَةٌ: شک بے قراری، جمع رِيْبَ آتی ہے، رَاب (ض) رِيْبًا بمعنی شک میں ڈالنا، قال تعالیٰ: ﴿لَا رِيْبَ فِيْهِ﴾.

تشریح: اس حدیث میں ایک ضابطہ وقاعدہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں تمہارا دل مطمئن ہو جائے تو سمجھ لو کہ یہ صحیح ہے اور جس چیز کے بارے میں تمہارے دل میں شک و تردد ہو تو سمجھ لو کہ یہ غلط ہے مگر یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ قاعدہ ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ ان صالح انسانوں کے لئے ہے جن کے ذہن و فکر دل و دماغ تقویٰ و ایمان داری کے جوہر سے معمور ہیں، اس کے برعکس جن میں یہ باتیں نہ ہوں کہ وہ دین سے بے اعتنائی اختیار کئے ہوں تو ان کے لئے یہ قاعدہ نہیں۔

یہ قاعدہ کس وقت کے لئے ہے: یہ قاعدہ اس وقت کے لئے ہے جب کسی چیز کے بارے میں کوئی واضح شرعی حکم موجود نہ ہو، اگر کوئی شرعی حکم موجود ہو تو خواہ دل مطمئن ہو یا نہ ہو ہر دو صورت میں ماننا ہی ہوگا، اس صورت میں بھی یہ قاعدہ چلے گا جب کہ بظاہر کسی مسئلہ کے بارے میں قرآن کی آیتوں کا آپس میں تعارض معلوم ہو اور جب حدیث کی طرف رجوع کیا تو اس میں بھی بظاہر تعارض نظر آئے اور اس مسئلہ میں اسلاف کے اقوال بھی مختلف معلوم ہوں تو اب اس کے لئے اجازت ہے کہ دل جو فتویٰ دے یعنی جس کی طرف دل کا غالب گمان ہو جائے اس کی پیروی کر لے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب النکسب و طلب الحلال“ ص ۲۴۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دع ما یریک الی مالا یریک فان الصدق طمانينة وان الکذب ريبة.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی قبیل ابواب صفة الجنة.

ترکیب حدیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الصدق: اس کا اسم۔ طمانينة: اس کی خبر، ”ان“ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، اسی طرح دوسرے جملہ کی ترکیب ہوگی۔

اللہ جمال کو پسند کرتا ہے

① إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ.

تَرْجَمَہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

لُغَاتُہ: جَمِيلٌ: (ک) بمعنی خوب صورت ہونا۔ يُحِبُّ: (س، ک) محبوب ہونا، (ض) پسند کرنا۔

تَشْرِیح: بعض علماء اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں اوصاف کاملہ سے موصوف ہے اور تمام ظاہری و باطنی حسن و جمال اسی کے جمال کا عکس ہے تو حسن و جمال حقیقی بس اسی ذات پاک کا خاصہ ہوا اس لئے فرمایا گیا کہ: اللہ تعالیٰ جمیل ہے۔ (۱)

بعض دوسرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ جمیل استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں آراستہ کرنا اور جمال بخشنے والا تو اللہ تعالیٰ کی صفت بھی یہی ہے کہ لوگوں کو جمال بخشا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ جمیل اصل میں جلیل ہے مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمام تر نور اور حسن و جمال کا مالک ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ جمیل کا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا اچھا کارساز ہے، بہر حال حدیث میں اللہ تعالیٰ کے جمیل ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوبصورتی کا اندازہ اس کی مخلوق کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔

اس حدیث کا ایک مطلب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جمال یعنی نعمتوں کا اثر دیکھنا چاہتا ہے، اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی پیش کی ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندوں پر بھی دیکھے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغضب والكبر“ ص ۴۳۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

وعنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر فقال رجل: ان الرجل يحب أن يكون ثوبه حسنا ونعله حسنا قال ان الله تعالى جميل يحب الجمال الكبر بطر الحق وغمط الناس.

تَحْرِیحِ حَدِيثِہ: اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان (باب تحريم الكبر وبيانہ) واخرجه الترمذی فی ابواب البر والصلة (باب ماجاء فی الکبر).

تَرْكِیْبِ حَدِيثِہ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ: ذوالحال۔ تعالیٰ: فعل، ضمیر فاعل حال، حال ذوالحال سے مل کر ان کا اسم۔ جمیل: خبر اول۔ يحب الجمال: فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر ”ان“ کی خبر ثانی، ”ان“ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ہر تیزی کے لئے سستی ہوتی ہے

﴿۱۵﴾ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ.

تَرْجَمَہ: ”بے شک ہر چیز کے لئے تیزی ہے اور ہر تیزی کے لئے سستی ہے۔“

لُغَاتِک: شِرَّة: بمعنی برائی، تیزی، چستی، شِرَّةٌ مَكْرُوءَةٌ: فَتْرَةٌ: بمعنی کمزوری، اس کی جمع فَتَرَاتٌ آتی ہے فَتْرَ (ن) فَتْرًا ضعیف ہونا، کمزور ہونا۔

تَشْرِیح: ”فترة“ کے اصلی معنی سستی اور کاہلی کے ہیں اور شرۃ کے معنی حرص میں مبتلا ہونا مگر مراد یہاں پر کسی چیز میں حد سے زیادہ مشغول ہو جانا ہے۔ (۱)

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب کوئی شخص کسی کام کو شروع کرتا ہے تو شروع میں تو وہ اس کام میں بہت تیزی دکھاتا ہے تو اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے ہر کام میں ابتداء ہی سے میانہ روی اختیار کی جائے اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہئے تب ہی وہ کام انجام کو پہنچ سکے گا۔ (۲)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ جو شخص اعتدال پر رہے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ جمار ہے گا اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ”أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ“ (۳) کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل زیادہ پسند ہے کہ جو دائمی طور سے ہوا اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الریاء والسمعة“ ص ۲۵۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان لكل شئ شرة ولكل شرة فترة فان صاحبها سدد وقارب فارجوه وان اشير اليه بالا صابع فلا تعدوه.

تَرْجَمَہ حَدِیث: اخرجہ الترمذی فی ابواب صفة القامة قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح.

تَرْکِیْبِ حَدِیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ل: حرف جار۔ کل شیء: مضاف مضاف سے مل کر جار کا مجرور ہوا اور پھر یہ محذوف کائن کے متعلق ہو کر ان کی خبر مقدم۔ شرة: ان کا اسم مؤخر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ ل: حرف جار۔ کل شرة: مضاف مضاف سے مل کر مجرور ہوا اور پھر جار مجرور ثابت محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ فترة: مبتداء اسم مؤخر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

روزی آدمی کو موت کی طرح تلاش کرتی ہے

﴿۶۱﴾ إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ.

ترجمہ: ”یقیناً رزق آدمی کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے کہ اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔“

لُغَاتُكَ: يَطْلُبُ: طَلَبَ (ن) طَلَبًا بمعنی تلاش کرنا، طلب کرنا۔ أَجَلُهُ: بمعنی وقت، مدت، قال تعالیٰ: ﴿إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ اس کی جمع آجال آتی ہے۔

تشریح: حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح انسان کی موت اس کو پہنچ جاتی ہے اور موت کو ڈھونڈنے کی ضرورت پیش نہیں آتی جیسے کہ قرآن میں بھی آتا ہے:

﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكْكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾

ترجمہ: تم کہیں بھی ہو موت تم کو آ کر رہے گی تم اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو۔ یہی حال انسان کی روزی کا بھی ہے اس کو پہنچ جاتی ہے اگرچہ وہ اس کو زیادہ تلاش نہ کرے۔^(۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

اول: یہ کہ آدمی کو اس کی روزی کا پہنچنا ضروری اور یقینی ہے۔

دوم: یہ کہ انسان کی روزی اس کی موت سے بھی جلدی پہنچتی ہے جیسے کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی پہلے رزق مکمل کرتا ہے پھر اس کو موت آتی ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعویٰ کو اس

حدیث قدسی سے بھی ثابت کیا ہے:

”لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ هَرَبَ مِنْ رِزْقِهِ كَمَا يَهْرُبُ مِنَ الْمَوْتِ لَأَذْرَكَهُ رِزْقُهُ كَمَا يَذْرِكُهُ الْمَوْتُ.“

ترجمہ: ابن آدم اگر رزق سے بھی اس طرح بھاگے جیسے کہ وہ موت سے بھاگتا ہے تو یقیناً اس تک رزق بھی اسی

طرح پہنچے گا جیسے کہ موت اس کو پالے گی۔^(۲)

خلاصہ یہ کہ انسان کو حصول رزق کے لئے تدبیر اور سعی معقول اور مناسب طریقہ کے ساتھ کرنا چاہئے مگر توکل اور اعتماد

صرف اللہ تعالیٰ پر ہی رکھنا چاہئے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب التوکل والصبر“ ص ۴۵۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي الدرداء رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرزق ليطلب العبد كما يطلبه اجله.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشكوة الى ابي نعيم فى الحلية.
 تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبه بالفعل - الرزق: اسم - ليطلب العبد: فعل فاعل مفعول - كما: كاف: حرف جار - ما: مصدرية - يطلبه: فعل - "ه": مفعول - اجله: مضاف مضاف اليه سے ملکر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور ہوا، جار مجرور متعلق ہوا، يطلب اول کے اور پھر یہ ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



شیطان آدمی میں خون کی طرح دوڑتا ہے

(۹۷) إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ.

تَرْجَمَہ: ”بے شک شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح چلتا ہے“

لُعَاتِك: يَجْرِي: جَرَى (ض) جَرِيًّا وَجَرِيَانًا، بمعنی چلنا، اسی سے مجری اسم ظرف بھی ہے بمعنی بہنے کی جگہ قال تعالى: ﴿وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ﴾.

تَشْرِیح: شان ورود: یہ ارشاد مبارک آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حمی (جو کہ آپ ﷺ کی بیوی ہیں) نبی کریم ﷺ کے پاس سے رات کے وقت اعتکاف گاہ سے واپس لوٹ رہی تھیں اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مکان حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے احاطہ میں تھا، اتنے میں سامنے سے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمودار ہوئے، اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور جب انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے بارے میں کوئی غلط گمان نہیں کر سکتے تو آپ نے اس وقت فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح سرایت کرتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اس بات کا خوف ہوا کہ ان دونوں انصاریوں کے دل میں کوئی غلط خیال نہ آجائے جس سے یہ کافر ہو جائیں ان کو اس سے بچانے کے لئے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک فقہی بات یہ ہے کہ انسان کو ہر ایسے مکروہ سے بچنا مستحب ہے جس سے لوگوں کو اس کے بارے میں بدگمانیاں پیدا ہوں اور دلوں میں خطرے گزریں اور اگر ایسا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اس عیب سے اپنی برأت ظاہر کر کے لوگوں کے طعن سے اپنے آپ کو بچائے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الوسوسة“ ص ۱۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم.

تَحْرِیحِ حَدِیْث: اخرجہ البخاری فی کتاب بدء الخلق (باب صفة ابليس وجنوده)
ترکیبِ حَدِیْث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الشیطان: اس کا اسم۔ یجری: فعل ضمیر فاعل۔ من الانسان: جار مجرور ”یجری“ کے متعلق۔ مجری الدم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر ظرف، ”یجری“، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

میری امت کی آزمائش مال میں ہے (۹۸) إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ.

تَرْجَمَہ: ”بلاشبہ ہر ایک امت کے لئے آزمائش رکھی گئی اور میری امت کی آزمائش مال میں ہے۔“

لُغَاتِی: فِتْنَةُ: آزمائش، امتحان، قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾.

تَفْسِیْرُی: مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں لوگوں کے لئے جو سب سے زیادہ فتنہ کا سبب بنے گا وہ مال دولت ہوگا، قرآن میں بھی اس کو بیان فرمایا گیا ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں تمہارے لئے فتنہ ہیں، اس حدیث کے دعویٰ کو سامنے رکھتے ہوئے عہد نبوی ﷺ سے لے کر ہمارے اس زمانے تک تاریخ پر اگرچہ سرسری ہی نظر ڈالی جائے تو یہ بات مخفی نہیں رہے گی کہ یہی مال سب کے لئے آزمائش بنا رہا ہے جس کے ذریعہ بے شمار بندوں نے اللہ کی بغاوت و نافرمانی کی اور اصلی زندگی (آخرت) کی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ (۱)

بعض علماء اس حدیث کا دوسرا مطلب بھی بیان فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد آخرت کا عذاب ہے کہ اس مال کی وجہ سے بہت سے لوگ فتنوں یعنی عذاب میں مبتلا ہوں گے، دوسری حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ قیامت کے دن دو درہم والے سے ایک درہم والے کی نسبت زیادہ سوال ہوگا۔ (۲)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ: اسی وجہ سے آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی، اے اللہ، محمد (ﷺ) کے گھرانے کی خوراک اندازے کے مطابق کر دے، اور فرمایا قیامت کے دن کوئی فقیر اور مال دار ایسا نہیں ہوگا جو یہ تمنا کرے کہ مجھے دنیا میں خوراک کے مطابق ہی (۳) رزق دیا جاتا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن کعب بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:
ان لكل امة فتنه وفتنة امتی المال.

تَخْرِیجِ حَدِیْثِ: أخرجه الترمذی فی ابواب الزهد، وقال هذا حدیث حسن صحیح.
تَرْکِیْبِ حَدِیْثِ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ لكل امة: ل: حرف جار۔ كل امة: مضاف مضاف الیه سے مل کر جار کا مجرور ہوا پھر یہ محذوف کے متعلق ہو کر ان کی خبر مقدم۔ فتنه: اسم مؤخر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ فتنه امتی: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مبتداء۔ المال: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، پھر معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

غائبانہ دعا جلدی قبول ہوتی ہے

﴿۹۹﴾ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةٌ دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ.

ترجمہ: ”بلاشبہ بہت جلد قبول ہونے والی وہ دعا ہے جو غائب کی غائب کے لئے ہو۔“

لِغَائِبٍ: اِجَابَةٌ: جواب دینا، کہا جاتا ہے ”اَجَابَ الدُّعَاءَ“ دعا قبول کی، جَابَ (ن) جَوَّابًا، قَالَ تَعَالَى: ﴿اُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ﴾.

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے لئے جب غائبانہ دعا کرتا ہے تو وہ جلد قبول کر لی جاتی ہے، اس کی وجہ علماء کرام یہ لکھتے ہیں کہ: اس دعا میں اخلاص کامل درجہ کا پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں کسی کے دکھلاوے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جس عمل میں جتنا اخلاص ہوگا اتنا ہی جلدی قبول ہوگا، اس حدیث پاک میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آدمی اگرچہ سامنے موجود ہو اس کی موجودگی میں ہی اپنے دل میں چپکے چپکے سے اس کے لئے دعا کرے اس صورت میں بھی اخلاص پایا جا رہا ہے تو یہ دعا بھی جلد قبول ہوگی۔^(۱)

بہر حال جو بھی اخلاص اور پورے وثوق اور بھروسے کے ساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے، اگر یہ معاملہ انسان انسان سے کرے تو وہ بھی ترس کھا کر کچھ دے ہی دیتا ہے بندہ سے بندہ نواز تو ہزار درجہ مہربان ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ اسے ترس نہ آئے اور وہ کچھ نہ دے:

مانگنے والے کو شکوہ ہے کہ مدعا ملتا نہیں
دینے والے کو گلہ ہے کہ گدا ملتا نہیں

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الدعوات“ ص ۱۹۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اسرع الدعاء اجابة دعوة غائب لغائب.

تحقیق حدیث: اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الصلوۃ (باب الدعاء بظہر الغیب) واخرجه الترمذی فی ابواب البر والصلة، (باب ما جاء فی دعاء الاخ لاخته بظہر الغیب).

ترکیب حدیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ اسرع الدعاء: مضاف مضاف الیہ سے مل کر میتر۔ اجابة: تمیز، میتر تمیز سے مل کر ان کا اسم۔ دعوة: مضاف۔ غائب: مضاف الیہ۔ لغائب: جار مجرور سے مل کر ظرف لغو متعلق دعوة مصدر، مضاف مضاف الیہ سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

گناہوں کے سبب آدمی رزق سے محروم ہو جاتا ہے

﴿۱۰۰﴾ إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمَ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ.

ترجمہ: ”یقیناً انسان رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اپنے اس گناہ کے سبب جس کو وہ کرتا ہے۔“

لُعَاثِكِ: الرِّزْقُ: بمعنی روزی، اس کی جمع اَرْزَاقُ آتی ہے، قال تعالى: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾

تفسیر: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے کی وجہ سے انسان کے رزق میں تنگی آ جاتی ہے۔

اس حدیث پر بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فاسق اور اکثر وہ لوگ جو کفر و شرک میں زندگی گزارتے ہیں وہ مسلمانوں سے زیادہ خوش حال ہوتے ہیں؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں رزق سے مراد آخرت کا رزق ہے، کہ جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے وہ آخرت کے رزق سے محروم ہو جائیں گے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں رجل سے مراد وہ مؤمنین ہیں جو نفس کے فریب میں آ کر گناہ اور معصیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر اللہ کی رحمت ان پر متوجہ ہوتی ہے اور ان کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور پھر یہ فقر و فاقہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔^(۱)

بہر حال مؤمن اگرچہ فقر میں ہوتا ہے مگر قناعت اور صبر کی دولت اللہ نصیب فرمادیتا ہے، اسی کو ایک آیت میں حیوة طیبہ سے تعبیر کیا گیا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾

ترجمہ: ”جس نے نیک کام کیا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا فرماتے ہیں۔“

بخلاف فاسق و فاجر کے کہ جب اس پر فقر آتا ہے تو اس میں وہ صبر کو چھوڑ کر پریشان ہو جاتا ہے، اسی کو ایک دوسری آیت میں مشکل اور سخت زندگی سے تعبیر کیا گیا:

﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾^(۲)

ترجمہ: ”جس نے میرے ذکر سے منہ موڑا اس کو ملتی ہے گزران تنگی کی۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البرّ والصّلة“ ص ۴۱۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یرد القدر

الا الدعاء ولا يزيد في العمر الا البرّ وان الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الفتن (باب العقوبات).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الرجل: اس کا اسم۔ لیحرم: فعل، ضمیر نائب فاعل۔ الرزق: مفعول ثانی۔

بالذنب: باء: جار۔ ذنب: ذوالحال۔ یصیبہ: فعل فاعل مفعول سے مل کر حال، ذوالحال حال سے مل کر باء کا مجرور ہو کر
 ”لیحرم“ کے متعلق، فعل اپنے نائب فاعل مفعول ثانی اور متعلق سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ
 ہوا۔



اس وقت تک آدمی نہیں مرتاجب تک اپنا رزق پورا نہ کر لے

﴿۱۰﴾ إِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوتَ حَتَّىٰ تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا.

تَرْجَمَہ: ”بلاشبہ کوئی جان دار اس وقت تک نہیں مرتاجب تک وہ اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا۔“

لُغَاتُہ: تَمُوتُ: مَاتَ يَمُوتُ مَوْتًا بِمَعْنَى مَرَأ، قَالَ تَعَالَى: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ تَسْتَكْمِلُ: پورا کرنا، كَمَّلَ (ن، ك، س) كَمَالًا وَكَمُولًا، پورا ہونا اور کامل ہونا۔

تَشْرِیْحُہ: ہر جان دار کا رزق اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے جب تک وہ اپنے رزق کو مکمل نہیں کر لیتا اس وقت تک اس کو موت نہیں آتی خواہ وہ اپنے اس رزق کے حصول میں شب و روز ایک کر دے یا اللہ کی ذات پر توکل کرے اور جتنا حصول معاش کی سعی کا حکم ہے اس کو پورا کرے دونوں صورتوں میں اتنا ہی ملے گا جتنا اس کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، جیسے کہ قرآن میں بھی آتا ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ﴾

تَرْجَمَہ: ”اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی، ہی پھر تم کو مارتا ہے۔“

صاحب ”مظاہر حق“ ایک جگہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ نے رزق کا معاملہ اپنے پاس رکھا ہے جو قسمت میں ہوتا ہے وہ انسان کو مل کر رہتا ہے اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾

تَرْجَمَہ: ”جتنے جان دار زمین میں چلتے ہیں ان کی روزی اللہ ہی کے ذمہ ہے۔“

اسی کو ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

کم من قوی فی قلبہ * لہذب الراى عنه الرزق منحرف

تَرْجَمَہ: کتنے ہی قوی آدمی ہیں جو رائے میں بہت تیز ہیں لیکن روزی ان سے ہٹی ہے۔

کم من ضعیف فی قلبہ * کانہ من خلیج البحر یغترف (۲)

تَرْجَمَہ: اور کتنے کمزور لوگ ہیں جو اپنے کاروبار میں بھی کمزور ہیں، لیکن روزی ایسے کماتے ہیں گویا کہ سمندر سے پانی بھرتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب التوکل والصبر“ ص ۴۵۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایہا الناس لیس

من شئ یقربکم الی الجنۃ ویباعدکم من النار الا قد امرتکم بہ، ولیس شئ یقربکم من النار

وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ الْآخِرَةِ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّ الرُّوحَ الْآمِينَ وَفِي رِوَايَةٍ وَإِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفْثَ فِي رُوعِي إِنْ نَفَسَا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمَلَ رِزْقَهَا، إِنْ فَاتَقُوا اللَّهَ وَاجْمَلُوا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلُنَكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ إِنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللَّهِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِكُ مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: رواه في شرح السنة والبيهقي في شعب الإيمان.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل - نفسا: اس کا اسم - لن تموت: فعل ضمیر فاعل - حتی: حرف جار - تستكمل: فعل ضمیر فاعل - رزقها: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر بتاویل مفرد مجرور ہو کر فعل تموت کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



صدقہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے

(۱۶) إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ.

ترجمہ: ”بلاشبہ صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔

لُغَاتُ: لَتُطْفِئُ: اِطْفَأَ النَّارَ، اُگ بجھانا، (س) طُفِئَ النَّارُ، اُگ کا بجھنا۔

تفسیر: مال دار جو صاحب نصاب ہوں ان پر اپنے مال سے چالیسواں حصہ اللہ کی راہ میں محتاجوں اور مسکینوں کو دینا فرض ہے اس کو ”زکوٰۃ“ کہتے ہیں، اس کے علاوہ جو زائد مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اس کو صدقہ اور اردو میں اس کو خیرات کہتے ہیں۔ صدقہ کرنے والا بری موت سے مامون رہتا ہے کہ موت کے وقت شیطان اس کو وسوسوں میں مبتلا نہیں کرتا، یا ایسا آدمی کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوتا جس میں وہ صبر کا دامن چھوڑ کر کفر کے الفاظ کہہ دے۔^(۱)

علماء فرماتے ہیں اس حدیث میں صدقہ دینے والے کے لئے حسن خاتمہ کی بھی بشارت ہے کہ اخلاص کے ساتھ صدقہ دینے والا حسن خاتمہ کی عظیم دولت سے نوازا جاتا ہے، اس مضمون کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ صدقہ کرنے والا مرنے کے وقت شیطان کے وسوسہ سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے مرض کی شدت میں ناشکری کے الفاظ منہ سے نہیں نکلتے اور یہ صدقہ اس کی ناگہانی موت سے رکاوٹ بنتا ہے بشرطیکہ صدقہ اپنی شرطوں کے ساتھ ہو جب ہی وہ عند اللہ صدقہ ہوگا اس کے لئے چند شرطیں ہیں:

① صدقہ دینے والا احسان نہ جتلائے۔

② جس کو دے رہا ہے اس کو ذلیل اور حقیر نہ سمجھے۔

③ مال پاک اور حلال سے صدقہ دے۔

④ صحیح نیت سے دے۔

⑤ صدقہ اس کو دے جو اس کا مستحق ہو۔

ان شرائط کے ساتھ جو صدقہ دے گا انشاء اللہ تعالیٰ یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بھی دور کرے گا اور بری موت سے بھی حفاظت کروائے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضل الصدقة“ ص ۱۶۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان الصدقة لتطفئ

غضب الرب وتدفع مية السوء.

(۱) التعلیق الصبیح ۲/۳۵۲

تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزکوۃ (باب ما جاء فی فضل الصدقة) وقال حدیث حسن غریب.

تَرْکِیْبِ حَدِیْثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الصدقة: اس کا اسم۔ لام: تاکید۔ لتطفئ: فعل فاعل۔ غضب الرب: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واو: حرف عطف۔ تدفع: فعل فاعل۔ میتة السوء: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول اور پھر فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



آدمی کی فضیلت دوسرے پر تقویٰ کے ساتھ ہے

(۱۷۲) إِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوَىٰ.

ترجمہ: ”تم نہ سرخ رنگ والے سے بہتر ہو اور نہ سیاہ رنگ والے سے، مگر یہ کہ تم ان سے تقویٰ میں بڑھ جاؤ۔“
 لغات: أَحْمَر: جس کا رنگ سرخ ہو، جمع أَحَامِر آتی ہے، مونث حمراء آتی ہے۔ أَسْوَدَ: (س) کالا ہونا، مونث سَوَادٌ آتی ہے۔ تَفْضُلُهُ: فَضَّلَ (س. ن) فَضْلاً، باقی رہنا، بہتر ہونا، قال تعالیٰ: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ بِتَقْوَىٰ: اللہ کا خوف اور اس کے فرمان کے مطابق عمل، پرہیز گاری، قال تعالیٰ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُعْطِيَ وَاتَّقَىٰ﴾ تَشْرِيحُ: اس حدیث میں ایک قانون بیان کیا گیا ہے کہ انسانی فضیلت ظاہری شکل و صورت سے نہیں ہوتی بلکہ انسانی فضیلت کا دار و مدار دینی اخلاق و کردار و تقویٰ پر ہے۔

اس حدیث پر بعض علماء نے یہ سوال کیا کہ انسان تو اور بھی بہت سے رنگ کے ہوتے ہیں مگر اس حدیث میں صرف دو رنگ کو کیوں بیان کیا گیا؟ اس سوال کے متعدد جواب شرح حدیث نے دیئے ہیں مثلاً یہ کہ اکثر لوگ انہی دو رنگوں کے ہوتے ہیں تو اکثر کوکل کی جگہ پر رکھ دیا۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ احمر سے مراد آزاد اور اسود سے مراد غلام ہیں مطلب یہ ہے کہ آقا کو غلام پر کسی قسم کی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ: احمر سے مراد اہل عجم ہیں اور اسود سے مراد اہل عرب ہیں عرب کو عجم پر صرف تقویٰ سے فضیلت حاصل ہوگی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: حقیقی فضیلت تقویٰ اور عمل صالح سے ہے، مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ اور زبان و وطن سے نہیں ہے جیسے کہ قرآن مجید میں بھی آتا ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾.

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال له انك لست بخير من احمر ولا اسود الا ان تفضلته بتقوى. تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الامام احمد فی مسنده ۱۵۸/۵.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: انك: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ك: اس کا اسم۔ لست: فعل ناقص، ضمیر بارز اس کا اسم۔ بخير: باء: حرف جار۔ خير: صیغہ اسم تفضیل۔ من: حرف جار۔ احمر ولا اسود: ایک دوسرے پر عطف ہو کر جار کا مجرور ہوا جار مجرور سے مل کر خیر کا متعلق ہو پھر خیر مجرور ہوا باء حرف جر کا، جار مجرور سے ملکر محذوف کے متعلق ہو کر لست کی خبر، لست اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر متشقی منہ۔

الا: حرف استثناء۔ تفضله: فعل فاعل۔ ”ہ“: مفعول۔ بتقوى: جار مجرور یہ متعلق تفضله، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر متشقی، متشقی منہ متشقی سے مل کر خبر ان کی اور پھر ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ اعمال کو دیکھتا ہے

﴿۱﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ.

ترجمہ: ”بلاشبہ اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو

اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔“

لُغَاتِي: صُور: جمع صُورَة، بمعنی شکلیں۔ قُلُوبِكُمْ: انٹ پلٹ کرنا، یہاں مراد دل ہے، اس کی مفرد ”قَلْب“ آتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾.

تشریح: اس حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اللہ انسان کی ظاہری چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ باطنی طور طریقوں کو دیکھتا ہے اس میں اخلاص اور للہیت کتنی ہے، اسی وجہ سے ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام اچھے اعمال کی روح و جان یہی اخلاص ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل و صورت اور اس کی دولت مندی پر نہیں ہے بلکہ اس کی نیت کے صحیح رخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر ہے۔

حدیث بالا ”جمع الفوائد“ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُورِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ“ (۱) اللہ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو اور تمہارے ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

یہ الفاظ مطلب بیان کرنے میں زیادہ واضح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دار و مدار نیت کی درستی پر مبنی ہے، اگر ظاہری اعمال تو بہت اچھے ہوں مگر اخلاص کی دولت سے خالی تو وہ اللہ کے دربار میں ہرگز قبول نہیں ہوتے، (۲) اسی وجہ سے حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اے نفس! اخلاص پیدا کر اسی سے خلاصی ممکن ہوگی۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الریاء والسمعة“ ص ۴۵۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله لا ينظر الى صوركم واماوالمكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم.

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم فی البرّ والصّلة (باب تحریم ظلم المسلم وخذله) و اخرجہ ابن ماجة فی ابواب الزهد (باب القناعة).

ترکیبِ جَدِیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ: اس کا اسم۔ لا ینظر: فعل فاعل۔ الی: حرف جار صور کم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ و اموالکم: معطوف، پھر یہ معصوف معطوف علیہ مجرور ہوا اور پھر جار مجرور متعلق ہوا فعل کے، اور فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ واؤ: عاطفہ۔ لکن: حرف استدراک۔ ینظر: فعل فاعل۔ الی: حرف جار۔ قلوبکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ و اعمالکم: معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا، پھر یہ متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



مسلمان کے ساتھ بشارت کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے

(۱۰) إِنْ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلِقٍ.

ترجمہ: ”یقیناً یہ بھی نیکی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے چہرے کی بشارت کے ساتھ ملو۔“

لُغَاتُ: طَلِقٌ: طَلَّقَ وَطُلِقَ بِتَثْنِیَةِ الطَّاءِ، بِمَعْنَى كَشَادَهُ، خَوْشٍ وَخَرَمٍ، طَلَّقَ (ك) نَهَسَ كَمَهْ هَوَانًا.

تَشْرِیح: اس حدیث میں شریعت نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب بھی کسی سے ملاقات کی جائے تو چہرے پر خوشی و بشارت کے آثار ہوں اس طرح ملاقات کرنے کو معروف اور نیکی فرمایا، اصل میں معروف کہتے ہیں ہر اس کام کو جس کو عقل یا شریعت اچھا سمجھتی ہو (۱) علماء فرماتے ہیں اس طرح ملنے کو نیکی اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ اس سے دوسرے شخص کو فرحت و خوشی محسوس ہوتی ہے اور مسلمان کے دل کو خوش کرنا یہ نیکی ہے۔ (۲)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر تمہارا کوئی دشمن بھی تم سے ملاقات کرنے آئے اس وقت بھی یہی حکم ہوگا کہ اس سے بھی خوشی کے ساتھ ملاقات کی جائے اس پر استدلال ایک دوسری حدیث سے بھی کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھے تھے اور ایک آدمی کی برائی بیان فرما رہے تھے اس کے کچھ دیر بعد وہ خود مجلس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اس سے بہت ہی بشارت کے ساتھ ملے۔ (۳)

بہر حال یہ اسلام کی خصوصیت اور ہمہ گیری ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی اور بشارت کے ساتھ ملنے کو بھی نیکی قرار دے دیا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضل الصدقة“ ص ۱۶۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل معروف صدقة وان من المعروف ان تلقی اخاک بوجه طلق وان تفرغ من دلوک فی اناء اخیک.

تَحْرِیحِ حَدِیْثِ: اخرجہ الترمذی فی ابواب البرّ والصّلة، و اخرجہ مسلم فی کتاب البرّ والصّلة.

ترکیبِ حدیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ من المعروف: جار مجرور ثابت محذوف کے متعلق ہو کر ان کی خبر مقدم۔ تلقی: فعل ضمیر فاعل۔ اخاک: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول۔ بوجه طلق: باء حرف جار۔ وجہ طلق: موصوف صفت سے مل کر مجرور ہوا اور پھر فعل کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مفرد ان کا اسم، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اللہ کے ہاں مقرب وہ ہے جو سلام میں پہل کرے

﴿۱۰﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ.

ترجمہ: ”بلاشبہ لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک وہ شخص زیادہ مقرب ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

لُغَاتُكَ: اُولٰی: زیادہ حقدار، زیادہ قریب، قال تعالیٰ: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾.

تشریح: اس حدیث کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جو سلام کرنے کے حکم اور حقوق میں برابر ہوں مثلاً دو شخص راستے میں پیدل ملیں تو اب ان میں سے جو پہل کرے گا وہ اس فضیلت میں داخل ہوگا بخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص کسی کے پاس جاتا ہے اور وہ پہلے سلام کرتا ہے تو وہ اس فضیلت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ذمہ ہی تھا کہ وہ پہلے سلام کرے۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ سلام کی ابتداء کرنے والے کی جو فضیلت اس حدیث میں فرمائی گئی بظاہر اس کی دو وجہ ہیں: اول: یہ کہ وہ نیک کام میں سبقت کرتا ہے۔

دوم: یہ کہ وہ اپنے بھائی کی خیر خواہی چاہتا ہے اور سلام کے ذریعہ دعا دیتا ہے کہ تجھ پر سلامتی ہو یا سلام کا ترجمہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کا سایہ تجھ پر رہے اس میں بھی دعا ہے اور اگر سلام کا ترجمہ یہ کریں جو بعض علماء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تیرے حالات سے واقف ہے لہذا تو اس سے غفلت نہ کر اعمال اور آخرت کی فکر میں لگا رہ اس صورت میں بھی وہ اپنے بھائی کی خیر خواہی چاہ رہا ہے۔ (۱)

اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تین چیزوں سے باہمی تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے:

ایک: یہ کہ ملاقات کے وقت میں سلام میں ابتداء کرے۔

دوسرے: یہ کہ مسلمان بھائی کو ایسے نام لے کر پکارے جس کو وہ پسند کرتا ہو۔

تیسرے: یہ کہ جب مسلمان ملاقات کے لئے آئے تو اس کو عزت و احترام سے مجلس میں جگہ دے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب السلام“ ص ۳۹۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن أبي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه أبو داود في كتاب الأدب (باب في فضل من بدأ بالسلام).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ اُولَى النَّاسِ: مضاف مضاف الیہ۔ بِاللَّهِ: جار مجرور متعلق ہوا اُولٰی کے، اور پھر یہ ان کا اسم۔ من: موصولہ۔ بدأ: فعل ضمیر فاعل۔ بالسلام: جار مجرور متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا، پھر یہ ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

سود کی مذمت

(۱۰۷) اِنَّ الرِّبَا وَانْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيْرُ اِلٰى قِلٍّ.

ترجمہ: ”بے شک سود سے حاصل شدہ مال خواہ کتنا ہی ہو مگر آخر کار اس میں کمی آ جاتی ہے۔“

لُغَاتُكَ: الرِّبَا: زیادتی، سود، رِبَاءٌ وَرِبْوًا، مال زیادہ ہونا، قال تعالى: ﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا﴾. قِلٍّ: (ض) قَلٌّ قُلًّا قِلَّةً، کم ہونا۔ عَاقِبَتُهُ: ہر چیز کا آخر، جمع عَوَاقِب، عَقَبَ (ن۔ض) ایڑی مارنا، پیچھے آنا۔

تَشْرِیْحُ: سودی مال میں خیر و برکت نہیں ہوتی اور جلد ہی وہ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی آتا ہے ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزَيِّدُ الصَّدَقَاتِ﴾ ”اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔“

بہر حال سود ایک اجتماعی برائی کو جنم دیتا ہے، سود کے نتیجے میں معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے، امیر تو امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے اور مال چند ہاتھوں میں جمع ہو کر پورا معاشرہ افلاس و محتاجی کا نمونہ پیش کرنے لگتا ہے، سود خور اپنے مال سے بھی فائدہ حاصل نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ اس کی بڑھانے کی فکر میں وہ اس کو خرچ بھی نہیں کرتا۔

سود کا حرام ہونا قرآن کی متعدد آیات اور ذخیرہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ: سود تمام شریعتوں میں حرام رہا ہے، یہود کو بھی منع کیا گیا تھا کہ:

﴿وَاخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نَهَوْنَا عَنْهُ﴾

ترجمہ: ”یہود سود لیتے تھے حالانکہ توریت میں ان کو منع کیا گیا تھا۔“ (۱)

موجودہ توریت میں اب بھی یہ عبارت موجود ہے:

① اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔ (۲)

② موجودہ انجیل میں بھی سود کی مذمت موجود ہے اور بغیر سود کے قرض دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الربوا“ ص ۲۳۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان الربوا وان کثر فان عاقبته تصیر الی قیل۔

تَحْرِیْجُ حَدِیْثٍ: اخرجه الامام احمد فی مسنده، و اخرجه ابن ماجه فی ابواب التجارة و متعلقاتها مع اختلاف.

(۳) انجیل لوقا باب ششم درس ۳۵

(۲) توریت سفر خروج باب ۲۲ درس ۲۵

(۱) تفسیر قرطبی ۳/۳۶۶

نوٹ: احناف شرح احیاء میں اس کی بہت نفیس بحث موجود ہے ۹/۲۳-۲۶۔

ترکیبِ حدیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الربوا: اس کا اسم، خبر اس کی محذوف ہے، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ وان کثر: فعل فاعل یہ جملہ شرط، اس کی جزا بھی محذوف ہے یعنی ”فہو قلیل“ شرط جزا سے مل کر جملہ خبریہ ہوا۔ فان: حرف مشبہ بالفعل۔ عاقبتہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر ان کا اسم۔ تصیر: فعل فاعل۔ الی قل: یہ متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



غصہ ایمان کو خراب کر دیتا ہے اور غصہ کا علاج

﴿۱۸﴾ إِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسَلَ.

تَرْجَمَةٌ: ”بلاشبہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کرتا ہے جیسے کہ ایلو ا شہد کو خراب کرتا ہے۔“

لُغَاتُكَ: الصَّبْرُ: بمعنی ایلو جمع صُبُور آتی ہے۔ الْعَسَلُ: بمعنی شہد جمع أَعْسَال عُسْلٌ، عُسُولٌ، عَسْلَانٌ آتی ہے، عَسَلَ (ن، ض) عَسْلًا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى﴾.

تَفْصِيلٌ: ”غضب“: اردو میں اس کا ترجمہ غصہ ہے، غصہ اس طبعی کیفیت کا نام ہے جو طبیعت و مزاج کے خلاف پیش آنے والی باتوں پر نفس کو برا بیگنہ کرتی ہے اور انتقام لینے پر اکساتی ہے، اسی وجہ سے غصہ میں انسان کا چہرہ سرخ اور رگیں پھول جاتی ہیں۔ غصہ ایمان کو خراب کرتا ہے: غصہ میں شیطان آدمی پر اچھی طرح مسلط ہو جاتا ہے اور پھر اس کے منہ سے ایسے کلمات نکلواتا ہے جو بسا اوقات اس کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں یا کم از کم اس سے کمال ایمان یا نور ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں، (۱) تو فرمایا گیا کہ جس طرح شہد کتنا اچھا اور شیریں ہوتا ہے مگر ایلو اس کو خراب کر دیتا ہے، اسی طرح ایمان میں بھی شیرینی اور مٹھاس ہے مگر غصہ اس کو خراب کر دیتا ہے۔

غصہ کا علاج: شریعت میں غصہ کے دو قسم کے علاج آتے ہیں:

① ایک باطنی۔

② دوسرے ظاہری۔

اول: باطنی یہ ہے کہ یہ تصور کرے کہ قسمت میں اسی طرح لکھا ہوا تھا، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی احمق وبے وقوف چاقو اور چھری پر غصہ کرے کہ تو نے مجھ کو کیوں کاٹا۔

دوم: اس بات کا تصور کرے کہ اللہ قادر مطلق ہے اس کا غصہ کتنا شدید ہوگا مگر وہ بندوں کی نافرمانیوں کو کتنا معاف کرتا ہے اور درگزر کرتا ہے، تو میں اس معمولی سی بات پر غصہ کرتا ہوں۔

ظاہری علاج یہ ہے اول وضوء کرے دوم ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ پڑھے، سوم کھڑا ہے تو بیٹھ جائے بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغضب والكبر“ ص ۴۴۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن بهز بن حکیم عن أبیه عن جدّه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم: ان الغضب لیفسد الايمان کما یفسد الصبر العسل.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: عزاه صاحب المشكوة الى البيهقي في شعب الايمان.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبه بالفعل - الغضب: ان کا اسم - ليفسد: فعل فاعل - الايمان: مفعول - كما: كاف حرف جار - ما: مصدر یہ - يفسد: فعل - الصبر: فاعل - العسل: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور ہوا پھر یہ متعلق ہوا لیسفد فعل کے، فعل اپنے فاعل و مفعول اور متعلق سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



نیکي جنت کا، اور جھوٹ دوزخ کا راستہ دکھاتا ہے

①۹ اِنَّ الصَّدَقَ بَرٌّ وَّ اِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَّ اِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَّ اِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ.
تَرْجَمَہ: ”بے شک سچ بولنا نیکي ہے اور نیکي جنت کی طرف لے جاتی ہے اور بے شک جھوٹ بولنا فسق ہے اور فسق دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔“

لُغَاتِی: فُجُوْر: بمعنی جھوٹ بولنا، فَجَرَ (ن) فَجَرَ جھوٹ بولنا۔

تَشْرِیْح: اس حدیث میں دو اہم صفتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، پہلی صفت سچ بولنا دوسری صفت جھوٹ بولنا، سچ کے اچھے ہونے پر سب ہی متفق ہیں، سچ بولنے پر اس حدیث میں یہ انعام بتایا گیا ہے کہ سچ جنت کا راستہ ہموار کرتا ہے بخلاف جھوٹ کے کہ وہ جہنم کا راستہ دکھاتا ہے۔

حدیث میں الفاظ یہ ہیں ”الصدق بر“ کہ سچائی نیکي ہی ہے، یعنی تمام نیکیوں کی اصل اور بنیاد ہے کہ اس کی برکت سے برائیاں خود بخود اس سے چھوٹی جاتی ہیں، جیسے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں گناہوں کو چھوڑ دوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ (برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی)۔

اسی طرح جھوٹ کے برے ہونے پر سب ہی متفق ہیں، جھوٹ پر وعید اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ جھوٹ جہنم کا راستہ ہموار کرتا ہے، حدیث میں الفاظ یہ ہیں ”الکذب فجور“ جھوٹ بولنا یہ دوسری برائیوں کے لئے اصل ہے اور بنیاد ہے اور اس سے آدمی برائیوں میں خود بخود پھنستا چلا جاتا ہے، یہ حدیث بھی پورے دین کا خلاصہ ہے اور جوامع الکلم میں سے ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۱-۴۱۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: علیکم بالصدق، فانّ الصدق یهدی الی البرّ، وَاِنَّ الْبِرَّ یُہْدِی الی الْجَنَّةِ، وَاِذَا زَالَ الرَّجُلُ یُصَدِّقُ وَیَتَحَرَّى الصَّدَقَ حَتّٰی یُکْتُبَ عِنْدَ اللّٰهِ صَدِیْقًا، وَاِذَا کَمَّ وَالْکَذِبَ فَانّ الْکَذِبَ یُہْدِی الی الْفُجُوْر، وَالْفُجُوْر یُہْدِی الی النَّارِ، وَاِذَا زَالَ الرَّجُلُ یُکَذِّبُ وَیَتَحَرَّى الْکَذِبَ حَتّٰی یُکْتُبَ عِنْدَ اللّٰهِ کَذَّابًا، (متفق علیہ) وفی روایة لمسلم قال: اِنَّ الصَّدَقَ بَرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ یُہْدِی الی الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْکَذِبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یُہْدِی الی النَّارِ).

تَحْرِیْحِ حَدِیْث: اخرجہ مسلم فی کتاب البرّ والصّلة (باب قبح الکذب وحسن الصدق) وأخرجہ

أبو داود فی کتاب الادب (باب التشدید فی الکذب).

تَرْكِيْبِي جَدِيْثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الصدق: اس کا اسم۔ بر: خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ البر: اس کا اسم۔ یهدی: فعل فاعل۔ الی الجنة: اس کے متعلق اور پھر یہ ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الکذب: اس کا اسم۔ فجور: خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ یهدی: فعل فاعل۔ الی النار: فعل کے متعلق ہو کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



اللہ کی طرف سے جن کاموں کو حرام کیا گیا ہے

﴿۱۱﴾ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَادَ الْبَنَاتِ وَمَنْعَ وَهَاتٍ وَكَرِهَ لَكُمْ قَيْلًا وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ.

تَرْجَمَہ: ”بلاشبہ اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے ماؤں کی نافرمانی کرنا اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا اور بچل کرنا اور قیل و قال کرنا اور سوال کی کثرت اور مال کو ضائع کرنا۔“

لُغَاتِی: عُقُوقٌ: عَقَّ (ن) عُقُوقًا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ الْأُمَّهَاتُ: جمع أُمٍّ ہے، بمعنی مائیں، قال تعالى: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾. وَأَدَّ: وَأَدَّ (ض) وَأَدَّ، زندہ درگور کرنا، قال تعالى: ﴿وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ﴾. مَنْعٌ: (س) مَنْعًا، محروم کرنا، روکنا۔ وَهَاتٍ: اسم فعل بمعنی اعط بمعنی لاؤ، قال تعالى: ﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾. إِضَاعَةٌ: ضائع کرنا، ضَاعَ (ض) ضَيْعًا بمعنی تلف ہونا۔

تَفْسِیْرُ مِیْج: اس حدیث میں انسان کو چھ کاموں سے روکا گیا ہے:

① ماں کی نافرمانی کرنے سے:

یہاں پر صرف ماں کا ذکر کیا باپ کو چھوڑ دیا، اس وجہ سے کہ ماں کا حق زیادہ ہے یا ماں کمزور ہوتی ہے معمولی سی پریشانی بھی برداشت نہیں کر سکتی بخلاف باپ کے کہ وہ بہت کچھ برداشت کر جاتا ہے اس لئے ماں کا زیادہ خیال کیا جائے یا یہ کہ ماں کے ذکر میں باپ بھی داخل ہے۔ (۱)

② لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے:

یہ اسلام سے پہلے کی رسم تھی، شریعت نے اس کو حرام کر دیا ہے اور کہا کہ لڑکی موجب عار نہیں بلکہ موجب برکت ہے۔

③ مال کو صحیح خرچ نہ کرنے سے:

علماء کرام فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث عام ہے صرف مال میں بخل مراد نہیں بلکہ ہر چیز میں ہو سکتا ہے خواہ افعال ہوں یا اقوال یا کردار اس سے لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنا یہ سب اس میں داخل ہے۔ (۲)

④ قیل و قال کرنے سے:

یہ عربی کا محاورہ ہے معنی یہ ہوتا ہے کہ اپنے کو بے فائدہ بحث میں لگانا کہ چند آدمی ایک جگہ بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں اور غلط سلط واقعات اور لغو و فضول باتوں میں مشغول ہوں۔

⑤ کثرت سے سوال کرنے سے یہ بھی عام ہے:

- ① اپنے علم کا اظہار کرنے کے لئے سوال کرنا۔
 ② کسی کے احوال کے بارے میں بہت زیادہ تجسس کرے۔
 ③ یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے کہ تم نبی ﷺ سے زیادہ سوال مت کرو جیسا کہ قرآن مجید میں منع فرمایا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبْدَلْكُمْ تَسْأَلُكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! مت پوچھو بہت سی ان چیزوں کے بارے میں اگر وہ تم پر کھول دی جائیں تو تم کو بری لگیں۔“
 ④ مال کو ضائع کرنے سے:

یہ بھی عام ہے ① فضول خرچی کرے۔ ② مال کو آگ یا پانی یا اسی طرح کسی اور طریقے سے ضائع کر دے۔ ③ معلوم ہو کہ جس کو مال دے رہا ہوں یہ غلط جگہ پر خرچ کرے گا تب بھی اس کو دے۔ (۱)
 ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اخلاق کے بارے میں بہت اہمیت رکھتی ہے اور یہ بھی جوامع الکلم میں سے ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البرّ والصلة“ ص ۴۱۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
 عن المغيرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله حرم عليكم عقوق الامة واد البنات ومنع وهات وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال واضاعة المال.
 تَحْتِجْ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری فی کتاب الادب (باب عقوق الوالدین من الكبائر) و اخرجہ مسلم فی کتاب الاقضية (باب النهی عن كثرة المسائل).
 تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ: اس کا اسم۔ حرم: فعل ضمیر فاعل۔ علیکم: جار مجرور متعلق فعل کے۔
 عقوق الامہات: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ واد البنات: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ ومنع: معطوف علیہ معطوف۔ وهات: معطوف تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر حرم کے لیے مفعول، حرم فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ کرہ: فعل فاعل۔ لکم: متعلق۔
 قيل: لفظ مراد ہے تو یہ محذوف قول کا مضاف الیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف وکثرة المال معطوفات علیہ معطوف واضاعة المال: معطوف، تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر کرہ کے لئے مفعول، کرہ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف ہوا حرم فعل کا، معطوف علیہ معطوف سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اللہ کے لئے دوستی یا دشمنی کرنا

﴿۱۱﴾ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ.

ترجمہ: ”بلاشبہ تمام اعمال میں سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کی رضامندی کی خاطر کسی سے دوستی کرے اور اللہ کی رضامندی کی خاطر کسی سے دشمنی کرے۔“

لُغَاتُكَ: الْأَعْمَالُ: عَمَلٌ کی جمع ہے بمعنی کام، قال تعالیٰ: ﴿لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾.

تیسری ج: اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت کرے اس کو اس حدیث میں بہترین عمل فرمایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے کسی دین دار سے محبت کی تو اب عبادات و طاعات کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ”آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے“ جو وہ کرتا ہے وہی وہ بھی کرتا ہے، یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے بہتر عمل بھی موجود ہیں مثلاً نماز، جہاد، روزہ وغیرہ پھر اس کو کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے لئے محبت و بغض کو سب سے بہتر فرمایا گیا ہے وہ قلبی اعمال کے اعتبار سے ہے باقی جسمانی اعمال میں دوسرے اعمال اس سے بہتر موجود ہیں۔^(۱)

یا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جن امور کو شریعت نے کرنے یا اجتناب کا حکم دیا ہے اس کے بعد سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ کسی سے اللہ کے لئے محبت کرے یا بغض رکھے، اس کی تائید طبرانی کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے کہ:

”أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ بَعْدَ الْفَرَائِضِ إِذْ خَالَ الشُّرُورَ قَلْبُ مُؤْمِنٍ.“^(۲)

ترجمہ: سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ کے نزدیک فرائض کے بعد یہ ہے کہ کسی مؤمن کے دل کو خوش کر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اللہ کے لئے محبت رکھنا اور اللہ کے لئے بغض رکھنا یہ اہم ترین عبادات میں سے ہے کہ اس کی برکت سے آدمی بہت سے گناہوں سے بچ کر اچھائیوں کے راستہ پر پڑ جاتا ہے۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحب فی اللہ ومن اللہ“ ص ۴۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اتدرون اى الاعمال احب الى الله تعالى قال قائل: الصلوة والزكاة وقال قائل: الجهاد، قال النبي صلى الله عليه وسلم: ان احب الاعمال الى الله تعالى الحب فى الله والبغض فى الله.

تخریج حدیث: أخرجه ابو داود فى كتاب السنة (باب مجانبه اكل الاهواء) وأخرجه الامام احمد فى مسنده.

ترکیبِ جَدِیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ احب الاعمال: مضاف مضاف الیہ۔ الی اللہ: الی: حرف جار۔ لفظ اللہ: ذوالحال۔ تعالیٰ: فعل فاعل سے مل کر حال، حال ذوالحال سے مل کر مجرور ہوا اور پھر یہ احب کے متعلق ہو کر ان کا اسم الحب: ذوالحال۔ فی اللہ: کائنات کے متعلق ہو کر حال، حال ذوالحال سے مل کر معطوف علیہ۔ والبغض: ذوالحال۔ فی اللہ: کائنات کے متعلق ہو کر حال ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



ذکر اور علم کے علاوہ دنیا ملعون ہے

﴿۱۱۷﴾ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَاِلَآهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ

ترجمہ: ”یاد رکھو! دنیا ملعون ہے اور جو چیز دنیا کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے البتہ اللہ کا ذکر اور جو اس کے قریب ہوں اور عالم و متعلم۔“

لُعَانَتُكَ: مَلْعُوْنَةٌ: اسم مفعول، لَعَنَ (ف) لَعْنًا لعنت کرنا، رسوا کرنا، گالی دینا، خیر سے دور کرنا، قال تعالیٰ: ﴿مَلْعُوْنَيْنِ اَيْنَمَا نَقِفُوْا﴾. وَالَآهُ: وَالِي، وِلَاءٌ وَمُوَالَاةٌ، بمعنی آپس میں دوستی کرنا، مدد کرنا۔
تَشْرِیْحُ: ”لعنت“ کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے دور کرنا مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ دنیا اور جو چیز بھی انسان کو اللہ کے قریب ہونے سے روکے ان سب پر اللہ کی لعنت ہے۔

دنیا ملعون ہے: بہت سی روایات میں دنیا کی مذمت بیان کی گئی ہے، مثلاً ایک روایت میں وارد ہے کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک چھڑ کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی پینے کا بھی نہ دیا جاتا۔^(۱)
ایک اور روایت میں ارشاد ہے کہ اللہ نے کوئی مخلوق دنیا سے زیادہ بری پیدا نہیں فرمائی (اسی وجہ سے) جب دنیا کو پیدا کیا اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں کی۔^(۲)

الا ذکر اللہ: اس دنیا کی چیزوں سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں:

- ① اللہ کا ذکر اس سے مراد یا تو حقیقی معنی مراد ہیں کہ اللہ کا ذکر کرنا۔
- ② یا مجازی معنی اس صورت میں تمام اطاعت خداوندی اس میں داخل ہوگی۔^(۳)

والا: اس کے بھی دو معنی ہیں:

- ① ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر کو قریب کرنے والی ہو۔
- ② اللہ کے قریب کرنے والی ہو تو پھر اس میں تمام اطاعت و عبادات داخل ہو جائیں گی۔

عالم و متعلم: عالم اور طالب علم بھی مستثنیٰ ہیں۔

سُؤَالٌ: والاہ میں تو یہ داخل ہیں؟

جَوَابٌ: ان کی خصوصیت اور اہتمام کی وجہ سے پھر دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔

عالم اور طالب علم کی فضیلت: عالم کے فضائل سب ہی روایات میں بیان کئے گئے ہیں، مثلاً ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کرام سے فرمائے گا کہ اے گروہ علماء! میں نے اپنا علم و حلم اس وجہ سے تم کو دیا تھا کہ میں چاہتا تھا

کہ تمہاری مغفرت کروں۔

اسی طرح طالب علم کے فضائل بھی متعدد احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جس کو اس حال میں موت آئے کہ وہ طالب علمی میں تھا اور اس علم کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرنے کی نیت تھی تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے درمیان اور نبیوں کے درمیان صرف ایک ہی درجہ کا فرق ہوگا وہ نبوت کا درجہ ہوگا اور فرمایا کہ: اس حال میں موت آجائے تو شہید ہوگا، اس حدیث کو بھی ”جوامع الکلم“ میں شمار کیا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه ان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: الا ان الدنيا ملعونة ملعون ما فيها الا ذكر الله وما والاه وعالم او متعلم.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی هوان الدنيا علی الله و اخرجہ ابن ماجه فی کتاب الزها (باب مثل الدنيا).

ترکیبِ حدیث: الا: حرف تنبیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الدنيا: اس کا اسم۔ ملعونۃ: خبر اول۔ ملعون: صیغہ اسم مفعول۔ ما: موصولہ۔ فیہا: جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہو کر ما کے لئے صلہ پھر موصول صلہ سے مل کر ملعون کے لئے نائب فاعل ہو کر مستثنیٰ منہ۔ الا: استثناء۔ ذکر اللہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ ما: موصولہ۔ والہ: یہ صلہ، موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ عالم او متعلم: معطوف علیہ معطوف، تمام معطوفات ایک دوسرے پر عطف ہو کر مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ مستثنیٰ سے مل کر ان کی خبر ثانی، ان اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بعض اعمال کا ثواب آدمی کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے

۱۱۳) اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشْرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ اَوْ مُصْحَفًا وَرَثَتُهُ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ تَلَحُّقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ.

ترجمہ: ”بلاشبہ ایک مؤمن کو اس کی موت کے بعد اس کے عمل اور نیکیوں سے جو چیز ملے گی (ایک تو) ایسا علم جس کو اس نے لوگوں کو سکھایا اور پھیلایا (دوسرے) نیک اولاد جس کو اپنے بعد چھوڑا (تیسرے) قرآن جو وارثوں کے لئے چھوڑا ہو (چوتھے) مسجد جو اس نے بنائی ہو (پانچویں) مسافر خانہ جس کو اس نے مسافروں کے لئے تعمیر کروایا ہو (چھٹے) نہر جسے اس نے کھدوایا ہو (ساتویں) وہ صدقہ جو اس نے اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو ان سب کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی پہنچے گا۔“

لُغَاتُكَ: يَلْحَقُ: لَحِقَ (س) لَحَقًا وَلَحَاقًا، ملنا، لاحق ہونا۔ حَسَنَاتِهِ: واحد حَسَنَةً ضد سَيِّئَةٍ. نَشْرَهُ: نَشَرَ (ض. ن) نَشْرًا، کھولنا، پھیلانا۔ مُصْحَفًا: بمعنی قرآن مجید، جمع مَصَاحِفُ ہے۔ وَرَثَتُهُ: تَوْرِيثًا، وارث بنانا، وَرَثَ (ح) وَرَثًا، وارث ہونا۔ بَنَاهُ: بَنَاءٌ وَبُنْيَانًا، تعمیر کرنا، مکان بنانا، قال تعالى: ﴿وَالسَّمَاءَ وَمَا بَنَاهَا﴾ نَهْرًا: بمعنی ندی، نہر جمع ”أَنْهَارٌ، أَنْهَرٌ، نُهُرٌ، نُهُورٌ“ آتی ہے، قال تعالى: ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾.

تشریح: پہلی چیز جس کا فائدہ انسان کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے وہ علم ہے جس کو اس نے لوگوں میں پھیلایا ہو اسی علم کا نام دوسری حدیث میں علم نافع رکھا گیا ہے کہ جس کے ذریعہ سے دوسرے کو بھی فائدہ پہنچے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علم نافع سے دل منور ہو جاتا ہے اور دل سے وہ پردہ اٹھ جاتا ہے جو مانع ہوتا ہے حقائق اشیاء کی معرفت و فہم کے لئے۔ (۱)

علم چوں بر دل زنی یارے شود
علم چوں برتن زنی مارے شود

دوسری چیز ولد صالح ہے، ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صالح سے مراد یہاں پر مؤمن ہے۔ (۲)

ولد کے ساتھ ”صالح“ کی قید اس لئے لگائی کہ لڑکے کو برا بیچختہ کرنا ہے کہ اس کو بھی چاہئے کہ نیک بنے اور دعا کرے، اگرچہ غیر صالح بھی دعا کرے تب بھی فائدہ ہوگا (۳) یا صالح کی قید میں اس کی طرف اشارہ ہو کہ والدین کے ذمہ ہے کہ اولاد کو نیک بنائیں۔

اسی طرح قرآن، نہر، مساجد کا بھی ثواب مرنے کے بعد انسان کو ملتا ہے کیونکہ ”من دل علی خیر فهو کفاعله“ جو خیر کی طرف رہنمائی کرے تو کرنے والے کی طرح اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔ بقول ذوق کے:

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
پل بنا، چاہ بنا، مسجد و تالاب بنا

سؤال: اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد انسان کو ملتا رہتا ہے تو اس حدیث بالا میں صرف سات چیزوں کو کیوں بیان کیا؟

جواب: حصر مقصود نہیں کچھ اس حدیث میں اور کچھ دوسری حدیث میں بیان فرما دیا۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے اس حدیث میں وہ چیزیں بیان کی گئی ہیں جس سے لوگ طویل عرصہ تک فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب العلم“ ص ۳۶ پر ہے، پوری حدیث بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

تَحْرِیْجُ حَدِیْثٍ: آخر جہ ابن ماجہ (باب ثواب معلم الخیر)۔

تَرْکِیْبُ حَدِیْثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ مما: من: حرف جار۔ ما: موصولہ۔ يلحق المؤمن: فعل فاعل اور مفعول۔ من: حرف جار۔ عملہ: مضاف مضاف الیہ معطوف علیہ۔ واؤ: عاطفہ۔ حسناتہ: مضاف مضاف الیہ معطوف، معطوف معطوف علیہ ملکر من کے لئے مجرور ہو کر یلحق کے متعلق۔ بعد موتہ: مضاف مضاف الیہ مفعول یلحق کا اور پھر یہ صلہ ہوا ما موصولہ کا، موصول صلہ سے مل کر من حرف جار کا مجرور، جار مجرور سے مل کر محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ علما: موصوف۔ علمہ: فعل فاعل مفعول معطوف علیہ۔ ونشرہ: فعل فاعل مفعول معطوف پھر معطوف معطوف علیہ سے مل کر صفت ہوئی علما کی، موصوف صفت سے مل کر معطوف علیہ۔ ولدا صالحا: موصوف۔ صفت سے مل کر موصوف۔ ترکہ: فعل فاعل مفعول صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ مصحفا: موصوف۔ ورثہ: فعل فاعل مفعول صفت، موصوف صفت سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ او: حرف عاطفہ۔ مسجدا: موصوف۔ بناہ: فعل فاعل مفعول سے مل کر صفت۔ موصوف صفت سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ او: حرف عطف۔ بیتا: موصوف۔ لابن السبیل بناہ: ل: جار۔ ابن: مضاف۔ سبیل: مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر مناء کا متعلق مقدم۔ بناہ: فعل فاعل مفعول اور متعلق صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ او: حرف عطف۔ نہرا: موصوف۔ اجراہ: فعل فاعل مفعول صفت، موصوف صفت سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ او: حرف عطف۔ صدقة: موصوف۔ اخرجها: فعل فاعل مفعول۔ من: حرف جار۔ مالہ: مجرور ہو کر فعل کے متعلق۔ فی صحته: اور حیوتہ: ایک دوسرے پر عطف ہو کر مجرور ہوا اور پھر یہ فعل کے متعلق اور پھر یہ صدقہ موصوف کی صفت ہو کر معطوف، تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر ان کا اسم موثر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تلحقہ: فعل فاعل مفعول۔ من: حرف جار۔ بعد موتہ: مضاف مضاف الیہ اس کا مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر تلحق کے متعلق، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اللہ دین کا کام فاسق و فاجر سے بھی لے لیتے ہیں

﴿۱۱۷﴾ إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ.

تَرْجَمَةٌ: ”بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد فاسق شخص کے ذریعہ بھی کرتے ہیں۔“

لُغَاتٌ: لَيُؤَيِّدُ: أَيْدُهُ، قَائِدًا، قَوِيٌّ كَرَامًا، ثَابِتٌ كَرَامًا.

تَفْسِيرٌ: ”اللہ تعالیٰ دین کی مدد فاسق و فاجر آدمی سے بھی لیتا ہے“ یہاں پر رجل فاجر سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں:

❶ جو نام و نمود کے لئے نیک کام کرتا ہو۔

❷ منافق شخص مراد ہے۔

❸ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اچھے کام کے ساتھ ساتھ برے کام بھی کرتا ہے۔

بہر حال اس حدیث میں تنبیہ ہے ان مبلغین دین کے لئے جو دین کا کام کرتے ہیں کہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں، اس لئے اللہ مجھ سے دین کا یہ کام لے رہا ہے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جو یہ دین کا کام اللہ مجھ سے لے رہا ہے یہ تو محض اس کا فضل ہے۔

دوسری تنبیہ اس حدیث میں یہ ہے کہ دین کا کام کرنے والے ہر وقت اپنے بارے میں ڈرتے رہیں کہ معلوم نہیں کہ میرا شمار کہیں رجل فاجر میں تو نہیں؟ کیونکہ اللہ تو دین کا کام رجل فاجر سے بھی لے لیتا ہے، اس بات پر دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا میں ایک دو نہیں سیکڑوں لوگ ایسے آئے کہ ان کے بارے میں فق کی نسبت کی گئی ہے مگر اللہ نے ان سے بھی دین کا کام خوب لیا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فی المعجزات“ ص ۵۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال شهدنا مع رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حينما فقال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لرجل ممن معه يدعى الاسلام: هذا من اهل النار فلما حضر القتال قاتل الرجل من اشد القتال وكثرت به الجراح فجاء رجل فقال: يا رسول الله! ارايت الذي تحدث انه من اهل النار، قد قاتل في سبيل الله من اشد القتال فكثرت به الجراح، فقال: اما انه من اهل النار، فكاد بعض الناس يرتاب فينما هو على ذلك اذ وجد الرجل الم الجراح فاهوى بيده الى كنانته فانتزع سهمًا فانتحر بها فاشتد رجال من المسلمين الى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فقالوا: يا رسول الله! صدق الله حديثك قد انتحر فلان وقتل نفسه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الله اكبر اشهد انى عبد الله ورسوله يا بلال! قم فاذن لا يدخل الجنة الا مؤمن وان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری (باب ان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل - لفظ الله: اسم - ليؤيد: فعل ضمير فاعل - هذا الدين: مفعول - باء: حرف جار الرجل الفاجر: موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا ليؤيد فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



مساجد کو مزین کرنا قیامت کی علامتوں میں سے ہے

﴿۱۱۵﴾ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ.

تَرْجَمَةً: ”یقیناً قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد (کی تعمیر) میں فخر کریں گے۔“

لُغَاتِک: أَشْرَاطُ: جمع شَرَط کی، علامت، ہر چیز کا اول۔ السَّاعَةُ: کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً وقت، گھڑی، گھنٹہ، مراد یہاں قیامت ہے، قال تعالى: ﴿اِقْرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ جمع سَاعَاتُ آتی ہے۔

تَشْرِیح: اسلام سادگی کو پسند کرتا ہے، اس حدیث میں قرب قیامت کی ایک علامت کو بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ لوگ اپنی مسجدوں کو خوب مزین کریں گے، اس جیسی احادیث سے علماء متقدمین استدلال کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مسجد کو مزین و منقش نہ کیا جائے۔

مگر علماء متاخرین نے چند شرائط کے ساتھ مزین و منقش کرنے کی اجازت دی ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کیونکہ جب کہ لوگوں کے مکانات خوب مزین و منقش ہوں گے اور مساجد بالکل سادی رہیں تو اب اس کی وقعت و عظمت نہ ہوگی بلکہ تحقیر آجائے گی جو خطرے کی بات ہے۔

صاحب ”التعلیق الصبیح“ فرماتے ہیں کہ اگر ہم مسجد نبوی ﷺ پر ایک نظر ڈالیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں تو سادگی تھی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور ستون کھجور کی لکڑیوں کے تھے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مرمت کروائی تب بھی سادی ہی رکھی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مسجد کو وسیع بھی کروایا اور دیواروں پر منقش پتھر اور چھت پر سال کی لکڑی استعمال کروائی۔ (۱)

بعض علماء کرام اس حدیث بالا کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب نیت میں فتور ہو کہ لوگ میری تعریف کریں اور مسجدوں کو ایک دوسرے سے فخر کے لئے مزین کروائیں، یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہوگا ورنہ فی نفسہ مسجد کو مزین کروانا یہ اچھی بات ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساجد و مواضع الصلوۃ“ ص ۶۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان من اشراط الساعة ان يتباهى الناس في المساجد.

تَحْرِیْحِ حَدِیْثِ: أخرجه ابو داود في كتاب الصلوۃ (باب بناء المسجد).

ترکیبِ جَدِیث: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ من: حرف جار۔ اشراط الساعة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہو کر ان کی خبر مقدم۔ ان یتباہی: فعل۔ الناس: فاعل۔ فی المساجد: متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر ان کا اسم موخر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



انما

یہاں سے اب مصنف ایسی احادیث کو بیان کریں گے جن کے شروع میں ”انما“ ہوگا

جہل کا علاج سوال کرنے میں ہے

﴿۱۱۶﴾ إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ.

ترجمہ: ”بے شک نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے۔“

لُغَاتُكَ: شِفَاءُ: صحت یابی، شِفَا (ض) شِفَاءُ صحت دینا، قَالَ تَعَالَى: ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ﴾. الْعَيْ: گفتگو میں عاجز تھکنے والا اس کی جمع اَعْيَاءُ آتی ہے، عَيْيَ (س) عَيَا.

تَفْسِيرُ مِج: انسان کو اللہ و رسول کے احکامات کیسے معلوم ہوں یہ اسی وقت ممکن ہے کہ آدمی خود ہی قرآن و حدیث اور فقہ سے معلوم کرے، اگر اس میں یہ استطاعت نہیں ہے تو اب وہ اہل علم کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرے۔

اس حدیث بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں اہل علم سے سوال کرنے کی ترغیب معلوم ہوتی ہے مثلاً ایک روایت میں آتا ہے کہ علم وہ خزانہ ہے جس کی کنجیاں سوال کرنا ہے پس سوال کیا کرو (اہل علم سے) اس میں چار اشخاص کو ثواب ملتا ہے:

اول: سوال کرنے والے کو۔

دوم: عالم کو۔

سوم: سننے والے کو۔

چہارم: جو اس سے محبت رکھتا ہے۔^(۱)

حضرت ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک مسئلہ سیکھوں یہ میرے نزدیک پوری رات کی شب بیداری سے بہتر ہے۔
(۲) حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ: تعجب ہے مجھ کو اس شخص پر جو علم کے بارے میں جستجو نہیں کرتا پھر اس کا نفس اس کو بزرگی کی طرف کیسے بلاتا ہے۔^(۳) اس حدیث سے علماء نے تقلید پر بھی استدلال فرمایا ہے کہ وہ بھی بیمار لوگوں کے لئے شفاء کا کام دیتی ہے، یہی حدیث بالا کا حکم قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے ﴿فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾۔
ترجمہ: ”سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔“^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب التیمم“ ص ۵۴-۵۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جابر رضى الله تعالى عنه قال خرجنا فى سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجه فى راسه فاحتلم فسأل أصحابه هل تجدون لى رخصة فى التيمم قالوا ما نجد لك رخصة وانت تقدر على الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا على النبى صلى الله عليه وسلم اخبر بذلك قال قتلوه قتلهم الله الاسألوا اذا لم يعلموا فانما شفاء العى السؤال انما كان يكفيه ان يتيمم ويعصب على جرحه خرقة ثم يمسح عليها ويغسل سائر جسده.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابوداود فى كتاب الطهارة (باب المجروح يتيمم).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ما: كافہ ہے اس نے ان کو عمل کرنے سے روک دیا۔ شفاء العی: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ السؤال: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے

(۱۷) إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ.

ترجمہ: ”بے شک اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔“

لُعَاتِك: خَوَاتِيم: جمع خَاتِمَة کی بمعنی انجام، نتیجہ، ختم (ض) خَتَمًا، ختم کرنا، مہر لگانا، قال تعالیٰ: ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾.

تشریح: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ میرا کیا انجام ہونے والا ہے کیونکہ ایک آدمی پوری زندگی اسلام پر گزارتا ہے مگر اس سے کوئی ایسی نافرمانی سرزد ہو جاتی ہے جس سے اس کا خاتمہ بالآخر نہیں ہوتا اس کے برخلاف ایک فاجر شخص کو آخری وقت میں ہدایت مل جاتی ہے اور اس کا خاتمہ بالآخر ہو جاتا ہے، مزید یہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں اس بات پر بھی آمادہ کرنا اور ابھارنا مقصود ہے کہ انسان کو چاہئے کہ طاعات میں لگا رہے اور سیئات سے اپنے آپ کو بچاتا رہے اور اس بات کا ہر عمل کے وقت گمان کرتا رہے کہ یہی عمل اس کی زندگی کا آخری عمل ہو، (۱) کسی کے بارے میں یقینی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا خاتمہ کیسا ہوگا مگر انبیاء علیہم السلام ان کے بارے میں تو دلائل قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کا انجام بالآخر ہی ہوگا ان کے علاوہ سب کو ڈرنا چاہئے کہ انجام معلوم نہیں کن اعمال پر ہو جائے۔ (۲)

کسی کو قال نے مارا کسی کو مال نے مارا
میں کیا کہوں مجھے فکر تال نے مارا (۳)

خاتمہ بالآخر کا آسان طریقہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور استحضار ہمیشہ رکھے خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں تو اس کی برکت سے موت کی سختی اور شدت میں بھی اس استحضار میں کمی بیشی نہیں آئے گی، اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ بالآخر ہوگا، مولانا اسعد اللہ صاحب محدث سہارنپوری نے خوب فرمایا:

گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں
لیکن اسعد آپ سے غافل نہیں

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الایمان بالقدر“ ص ۲۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سهل بن سعيد رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان العبد ليفعل عمل اهل النار وانه من اهل الجنة ويعمل عمل اهل الجنة وانه من اهل النار وانما الاعمال بالخواتيم.

تَخْرِیجِ حَدِیثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب القدر (باب العمل بالخوا تیم).
 ترکیبِ حَدِیثٍ: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ما: کافہ۔ الاعمال: مبتداء۔ بالخوا تیم: جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہو کر خبر،
 مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



قبر جنت کا باغیچہ یا جہنم کا گڑھا ہے

﴿۱۱۸﴾ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفْرِ النَّارِ.

ترجمہ: ”بے شک قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔“
 لغات: الْقَبْرُ: جمع قُبُور آتی ہے، جس جگہ آدمی کو دفن کیا جائے، قَبْر (ن، ض) قَبْرًا، قَالَ تَعَالَى: ﴿حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾. رَوْضَةٌ: بمعنی باغ جمع رُوض، رِيَاض، رَوْضَاتُ آتی ہے۔ حُفْرَةٌ: بمعنی گڑھا جمع حُفَر.
 تفسیر: قبر کو جنت کا باغ بنانے اور جہنم بنانے میں صرف انسان کے اعمال کو دخل ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز وہاں ساتھ نہ دے گی جیسے کہ منقول ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازے کو دیکھ کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے قبر کو کہا:

”يَا قَبْرُ! أَتَدْرِي مِنَ الَّتِي جِئْنَا بِهَا إِلَيْكَ هَذِهِ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ زَوْجَةُ عَلِيِّ الْمُرْتَضَى هَذِهِ أُمُّ الْحَسَنِ“

ترجمہ: ”اے قبر! تجھ کو خبر بھی ہے کہ ہم کس کے جنازے کو لے کر آئے ہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔“
 قبر سے آواز آئی:

”يَا أَبَا ذَرٍّ! مَا أَنَا مَوْضِعٌ حَسَبٍ وَلَا نَسَبٍ إِنَّمَا أَنَا مَوْضِعٌ عَمَلٍ صَالِحٍ فَلَا يَنْجُو إِلَّا مَنْ كَثَرَ خَيْرُهُ وَسَلِمَ قَلْبُهُ وَخَالَصَ عَمَلُهُ“

ترجمہ: ”اے ابو ذر! میں حسب و نسب کی جگہ نہیں میں تو عمل صالح کی جگہ ہوں یہاں کامیاب نہیں ہوگا مگر وہ شخص جو خیر کو جمع کرے اور دل سالم اور اعمال خالص ہوں۔“

اگر انسان اعمال دنیا سے اچھے کر کے ساتھ لے گیا ہے تو اب اس کی قبر جنت کا ٹکڑا بن جائے گی اور اس کو جنت کا لباس پہنا دیا جاتا ہے اور جنت کا بستر بچھا دیا جاتا ہے، جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اس کے بخلاف اگر فاسق اور فاجر آدمی تھا تو اس کے لئے جہنم کے دو تختے بچھا دیئے جاتے ہیں اور جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔
 قبر کو جنت کا باغ بنانے اور جہنم کا گڑھا بننے سے بچانے کے لئے آسان طریقہ: فقیہ ”ابواللیث“ نے لکھا ہے کہ قبر چار اعمال سے جنت کا ٹکڑا بنتی ہے:

① نماز کی پابندی سے۔

② صدقہ سے۔

③ قرآن کی تلاوت سے۔

۴) تسبیحات کی کثرت سے۔

چار اعمال سے قبر جہنم کا گڑھا بنتی ہے:

۱) جھوٹ بولنے سے۔

۲) خیانت کرنے سے۔

۳) چغل خوری سے۔

۴) پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے سے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البكاء والخوف“ ص ۴۵۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي سعيد رضى الله تعالى عنه قال: خرج النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لصلوة فرأى الناس كأنهم يكثررون قال اما انكم لو اكثرتم ذكرها ذم اللذات لشغلکم عما اری الموت فاکثروا ذکرها ذم اللذات الموت فانه لم يأت على القبر يوم الا تكلم فيقول انا بيت ”الغربة“ وانا بيت ”الوحدة“ وانا بيت ”التراب“ وانا بيت ”الدود“ واذا دفن العبد المؤمن قال له القبر: مرحبا واهلا اما ان كنت لاحب من يمشى على ظهري الى فاذا وليتک اليوم وصرت الى فستری صنيعی بك قال فيتسع له مد بصره ويفتح له باب الى الجنة واذا دفن العبد الفاجر او الكافر قال له القبر: لا مرحبا ولا اهلا اما ان كنت لا بغض من يمشى على ظهري الى فاذا وليتک اليوم وصرت الى فستری صنيعی بك قال فیلتئم علیه حتى تختلف اضلاعه، قال: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: باصابعه فادخل بعضها فى جوف بعض، قال: ويقبض له سبعون تینا لو ان واحدا منها نفخ فى الارض ما انبتت شيئا ما بقیت الدنيا فينهسنه ويخدشنه حتى يفضى به الى الحساب قال: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار.

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی فی ابواب صفة القيامة.

ترکیب حدیث: انما: ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ما: کافہ۔ القبر: مبتداء۔ روضة: موصوف۔ من: حرف جار ریاض الجنة: مضاف مضاف الیه سے مل کر مجرور ہوا اور پھر جار مجرور ثابتہ کے متعلق ہو کر صفت ہوئی اور پھر یہ معطوف علیہ او: حرف عطف۔ حفرة: موصوف۔ من: حرف جار۔ حفر النار: مضاف مضاف الیه سے مل کر مجرور ہوا اور پھر یہ متعلق ثابتہ کے ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

الْجُمْلَةُ الْفَعْلِيَّةُ

اب مصنف یہاں سے ایسی احادیث کو لائیں گے جن کے شروع میں فعل ہوگا

کبھی کبھار فقر کفر کا سبب بن جاتا ہے

﴿۱۱۹﴾ كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا.

تَرْجَمَةٌ: ”قریب ہے کہ محتاجی کفر کا سبب بن جائے۔“

لُعَاتِي: كَادَ: یہ افعال مقاربہ میں سے ہے یہ مثل کان فعل ناقص کے عمل کرتا ہے مگر اس کی خبر فعل مضارع ہوتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ﴾. الْفَقْرُ: محتاجی، مفلس، فَقْرٌ (ك) فَقَارَةٌ، محتاج ہونا، اس کی جمع فَقَرَاء آتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾.

تَسْوِیْحٌ: فقر اور افلاس جب انسان پر آتا ہے تو بسا اوقات یہ فقیر فقر سے گھبرا کر کفر کو اختیار کر لیتا ہے، اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔

۱ فقر کی وجہ سے نظام الہی پر اعتراض کرنے لگ جاتا ہے۔

۲ اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے غیر اللہ کے سامنے دست دراز کرنے لگتا ہے۔

۳ کبھی شیطان اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اکثر اللہ کو نہ ماننے والے بھی تو مال دار ہیں اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو اس کو دیکھ کر وہ کفر کی طرف مائل ہونے لگتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فقر و افلاس میں مسلمان کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ اس امتحان میں وہ اللہ کی طرف نگاہ جمائے رکھے اور غیر اللہ کے بجائے اللہ ہی سے مانگتا رہے تو یہی فقر و افلاس اس کے لئے ایمان کی چٹنگی اور ترقی درجات کا باعث ہو جاتا ہے (۱) یہ اس فقر میں اللہ کا دوست بن جاتا ہے اور اسی فقر پر اگر وہ صبر کر لے تو ہر روز ایک شہید کا ثواب بھی پاتا رہتا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنیا میں فقرا اگرچہ مشقت ہے مگر آخرت کے اعتبار سے مسرت اور خوشی کا سبب ہوگا (۲) اور یہی فقر اس کو غنی سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل کروائے گا۔ (۳)

خلاصہ یہ ہوا کہ انسان پر فقر آئے تو امتحان سمجھ کر خوشی سے برداشت کر لے اور سمجھ لے کہ یہ امتحان چند دنوں کا ہے پھر راحت ہی راحت ہوگی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ما ينهى عنه من التهاجر والقاطع واتباع العورات“ ص ۴۲۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كاد الفقر أن يكون كفرا وكاد الحسد ان يغلب القدر.

پتخريج حديث: عزاه صاحب المشكوة الى البيهقي فى شعب الايمان.

تركيب حديث: كاد: فعل مقارب۔ الفقر: اس کا اسم۔ ان يكون: فعل ناقص ضمير اس کا اسم۔ كفرا: خبر، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر کاد کی خبر، کاد اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔



قیامت کے دن آدمی اس حال میں اٹھے گا جس حال میں مرا تھا

(۱۲) يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ”(قیامت کے دن) ہر بندہ کو اس حال میں اٹھایا جائے گا جس حال میں وہ مرا ہے۔“

لغائیک: یُبْعَثُ: بَعَثَ (ف) بَعَثًا، دوبارہ زندہ کرنا، اسی سے قیامت کو ”یَوْمَ الْبَعْثِ“ کہتے ہیں، قال تعالیٰ: ﴿يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ تفسیر: مطلب اس حدیث پاک کا یہ ہے کہ آدمی جس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوگا اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور اخروی معاملہ اسی کے مطابق ہوگا، یعنی اگر وہ اطاعت و عبادت کی حالت میں مرا تو فرمانبردار بندے کی حالت میں اٹھایا جائے گا، اگر گناہ اور معصیت کی حالت میں مرا تو نافرمان بندے کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔^(۱) تو کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار خاتمہ پر ہوا اور کسی کو معلوم نہیں کہ میرا کیا انجام ہونے والا ہے تو ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو دین کے کاموں میں مشغول رکھے تاکہ اگر موت آئے تو اسی حالت میں آئے اور دوسری طرف وہ اپنے حسن خاتمہ کے لئے دعا بھی مانگتا رہے جیسے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی^(۲) آپ کا حسن خاتمہ یقینی تھا دعا صرف امت کی تعلیم کے لئے تھی، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب شعر:

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم ﴿﴾ احسنت بریں چستی و چالاکی ما
جب ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہم قبر میں جائیں گے تو اس وقت ہم اپنی موجودہ چالاکی و چستی پر تحسین و تعریف کریں
گے۔^(۳) (کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے جو ابھی ہم کو معلوم نہیں)
اسی کو ایک اردو شاعر اس طرح کہتا ہے:

کیا کیا نہ اپنے زہد و اطاعت پہ ناز تھا ﴿﴾ پس دم نکل گیا جو سنا بے نیاز تھا

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البكاء والخوف“ ص ۲۵۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یبعث کل عبد علی مامات علیہ.
تخریج حدیث: أخرجه مسلم فی کتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها (باب الامر بحسن الظن باللہ
تعالیٰ عند الموت)

ترکیب حدیث: یبعث: فعل۔ کل عبد: مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل۔ علی: حرف جار۔ ما: موصولہ۔ مات:
فعل فاعل۔ علیہ: جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ موصول کا، یہ مجرور ہوا جار کا پھر جار مجرور متعلق
ہوا۔ یبعث کے، یبعث فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

ہر سنی سنائی بات دوسرے سے کہہ دینا بھی جھوٹ میں داخل ہے

﴿۱۷۱﴾ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.

تَرْجَمَہ: ”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو وہ بیان کر دے۔“

لُغَاتِک: بِالْمَرْءِ: بمعنی آدمی ضد امرأۃ آتی ہے، بمعنی عورت۔

تَشْرِیْح: علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک ضابطہ اور اصول بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ جب تک کسی بات کی تحقیق نہ ہو جائے دوسرے کو بیان نہ کیا جائے، اگر اس اصول پر عمل ہو جائے تو بہت سی غلط فہمیاں اور جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے، عموماً جھگڑے وغیرہ اسی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔

اس حدیث میں دوسری طرف خود بات کہنے والے کو بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ: جب تک بات کی تحقیق نہ ہو جائے بات کو نہ پھیلا یا جائے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر تحقیق کے دوسرے کو بات کہہ دینے والا شخص بھی جھوٹا ہے، یہ شخص بھی جھوٹ کی وعیدوں میں داخل ہوگا۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب تک کسی بات کا پورا علم اور تحقیق نہ ہو تو نہ خود اس پر عمل کرے اور نہ دوسرے کو بتائے نہ اس خبر کی تصدیق کرے ورنہ یہ شخص جھوٹ کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔^(۱)

بعض علماء اس حدیث کا ایک اور مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ: جس طرح جان کر جھوٹ بولنے والے آدمی پر اعتماد نہیں کیا جائے گا تو اسی طرح جو شخص بغیر تحقیق کے بات کو پھیلا دیتا ہو اس پر بھی اعتماد نہیں کیا جائے گا^(۲) نیز اس حدیث میں مسلمانوں کو جھوٹ سے نفرت دلانا مقصود ہے کہ اتنا بڑا ہے کہ جو جھوٹ ابھی تو نہیں مگر بعد میں ہو سکتا ہے ان سب کو چھوڑ دے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ان کے نزدیک جھوٹ سے بری کوئی عادت نہیں تھی۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۲۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ما سمع.

تَخْرِیجِ حَدِیْث: اخرجہ مسلم (باب النهی عن الحدیث بكل ما سمع) واخرجہ ابوداؤد فی کتاب الادب (باب التشدید فی الکذب مع اختلاف).

تَرْکِیْبِ حَدِیْث: کفی: فعل۔ باء۔ حرف جار۔ المرء کذباً: میّز تمیز سے مل کر مجرور ہو کر متعلق ہوا کفی فعل کے۔ یحدث:

فعل ضمیر فاعل - باء: حرف جار - کل: مضاف - ما: موصولہ - سمع: فعل فاعل سے ملکر صلہ ہوا اور پھر موصول صلہ یہ مضاف الیہ ہوا کل کا اور پھر مضاف مضاف الیہ یہ مجرور ہوا جار کا، جار مجرور متعلق ہوا فعل یحدث کے، یحدث فعل اپنے فاعل متعلق سے مل کر کئی فعل کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

﴿۱۷۲﴾ يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدِّينَ.

شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے سوائے قرض کے

لُغَاتُكَ: الدِّينُ: بمعنی قرض جمع دُيُون، أَذَيْنِ آتی ہے، دَانَ (ض) دَيْنًا قرض دینا، قرض دینے والے کو ”دَائِن“ اور جس کو دیا جائے اس کو ”مَدْيُون“ کہتے ہیں، قال تعالیٰ: ﴿يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنًا﴾

تَفْسِيرُ مِج: علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ”دین“ سے مراد صرف قرض نہیں بلکہ حقوق العباد ہیں، اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بندے کا کسی پر کوئی حق ہو خواہ مالی ہو یا غیر مالی یعنی کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو کسی کی غیبت کر دی ہو یا اسی طرح اور کوئی کام کیا ہو تو یہ جرم کرنے والا شہید بھی ہو جائے تب بھی شہادت اس جرم کو اس سے نہیں دھوتی کیونکہ یہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف کر دے گا مگر حقوق العباد بغیر بدلہ کے معاف نہیں کرے گا۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حدیث بالا سے وہ شہید مراد ہے جو خشکی میں شہید ہوا ہو مگر جو پانی میں شہید ہوا ہو تو اس کے بارے میں دوسری حدیث جو ابن ماجہ میں ابوامامہ سے مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہید کے حقوق العباد بھی معاف^(۱) ہو جائیں گے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الافلاس والانظار“ ص ۲۵۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يغفر للشهيد كل ذنب الا الدين.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الجہاد (باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایاہ الا الدین) و اخرجہ ابن ماجہ (مع اختلاف الفاظ)

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: يغفر: فعل۔ للشہید: متعلق ہوا يغفر کے۔ كل ذنب: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مستثنیٰ منہ۔ الا: حرف استثناء، الدین: مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر یہ نائب فاعل ہوا يغفر کا اور پھر يغفر فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

مال کے غلام بننے والے پر اللہ کی لعنت ہے

(۱۳۱) لَعْنَةُ عَبْدِ الدِّينَارِ وَلَعْنَةُ عَبْدِ الدَّرْهِمِ.

ترجمہ: ”جو شخص دینار کا غلام اور درہم کا غلام ہو اس پر لعنت کی گئی ہے۔“

لُعَانَتُ: لَعْنٌ: (ف) لَعْنًا، لعنت کرنا، خیر سے دور کرنا، قال تعالى: ﴿لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾. الدِّينَارُ: سونے کا سکہ جمع دَنَانِيرٌ آتی ہے، الدَّرْهِمُ: چاندی کا سکہ، جمع دَرَاهِمٌ آتی ہے۔

تشریح: جو شخص مال کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کی عبادت و اطاعت سے دوری اختیار کرے تو وہ گویا مال کا غلام بن گیا ہے جس طرح غلام آقا کی ہر بات کو مانتا ہے تو اسی طرح سے یہ شخص بھی مال کا ایسا ہی غلام بن گیا ہے تو ایسا شخص آہستہ آہستہ تمام بھلائیوں سے محروم ہوتا جاتا ہے۔^(۱)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب روپیہ درہم دینار بنایا گیا تو شیطان نے اس کو بوسہ دیا اور کہا جو اس سے محبت کرے گا وہ حقیقت میں میرا غلام ہوگا^(۲) اگرچہ انسان دنیا میں روپیہ پیسہ کے بغیر رہ نہیں سکتا شریعت یہ نہیں کہتی کہ روپیہ پیسہ سے تعلق بالکل ختم کر لیا جائے بلکہ یہ کہ اس کی محبت کو دل میں نہ لایا جائے جیسے کہ مثنوی میں مولانا رومی رحمہ اللہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

آب	اندر	زیر	کشتی	پشتی	است
آب	در	کشتی	ہلاک	کشتی	است

ترجمہ: ”کہ جب تک کشتی کے نیچے پانی رہے تو کشتی صحیح ہے اور اگر پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو ڈوب دے گا۔“^(۳) پس دنیا اگر آخرت کی کشتی کے نیچے رہی تو وہی دین کی مددگار بن جائے گی۔“

تَبَيُّهٌ: اس حدیث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مال میں فی نفسہ برائی ہے، برائی اس وقت ہوگی جب اس کی محبت دل میں ہو اور اگر دل میں اللہ کا خوف ہو تو مال داری میں کوئی حرج نہیں جیسے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اس کی مال داری میں کوئی حرج نہیں جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔^(۴)

خواجہ عزیز الحسن کا شعر ہے:

کسب	دنیا	تو	کر	ہوں	کم	کر
اس	پہ	تو	دین	کو	مقدم	کر

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: لعن عبد الدينار ولعن عبد الدرهم.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی اخذ المال) و اخرجہ البخاری فی کتاب الرقاق (مع زیادة الفاظ)

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: لعن: فعل مجہول۔ عبد الدینا: مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ لعن: فعل مجہول۔ عبد الدرہم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل ہوا، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



دوزخ کو خواہشات سے اور جنت کو مشقتوں سے ڈھانپا گیا ہے

﴿حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ﴾

تَرْجَمَہ: ”دوزخ کو خواہشات سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنت کو مشقتوں سے ڈھانپا گیا ہے۔“

لُغَاتُ: حُجِبَتْ: حَجَبَهُ (ن) حَجَبًا وَحِجَابًا، چھپانا، حائل ہونا، اسی سے حَاجِبٌ ہے بمعنی دربان، اس کی جمع حَوَاجِبٌ اور حَوَاجِبٌ آتی ہے۔ الشَّهَوَاتُ: شَهْوَةٌ کی جمع ہے بمعنی خواہش، شَهَا (ن)۔ س) شَهْوَةٌ، خواہش کرنا، رغبت شدید کرنا، قال تعالیٰ: ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُي أَنْفُسُكُمْ﴾ الْمَكَارِهِ: یہ جمع ہے الْمَكْرَہ کی، مکر وہ، ناپسندیدہ، كِرَہ (س) كَرَهَا، كَرَاهَةً، ناپسند کرنا، قال تعالیٰ: ﴿طَوَّعًا أَوْ كَرْهًا﴾۔

تَشْرِیح: علامہ قطب الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر آدمی جنت میں جانا چاہتا ہے تو اس کو اس سے پہلے خواہشات و لذات کے پردے کو اٹھانا پڑے گا اور جب اس نے مشقتوں کو برداشت کر لیا تو اب اس کی رسائی جنت تک ہو سکے گی۔^(۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فَمَنْ هَتَكَ الْحِجَابَ وَصَلَ إِلَى الْمَحْجُوبِ“ کہ جس نے پردہ اٹھا دیا وہ پردہ کے پیچھے والی چیز سے مل گیا، دوسری طرف جہنم کا بھی پردہ ہے اور وہ پردہ خواہشات اور لذات کا ہے اور یہاں سے وہ خواہشات اور لذات ہیں جن کا تعلق حرام چیز سے ہو جیسے شراب، زنا، غیبت وغیرہ اور اس سے وہ خواہشات مراد نہیں جو مباح ہوں کیونکہ وہ نہ جہنم میں جانے کا باعث بنیں گی اور نہ دخول جنت کے لئے مانع ہوں گی۔^(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس کو جنت کا شوق ہو وہ شہوات سے دور رہے، خلاصہ کلام یہ ہوا کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنی خواہشات و جذبات کو روک رکھے کہ مرنے کے بعد جنت میں اللہ تعالیٰ اس کی تمام خواہشات و جذبات کو پورا کرے گا، اور اگر اس نے اپنی خواہشات کو دنیا میں پورا کرنے کی کوشش کی تو اب نہ دنیا میں اس کی خواہشات و جذبات پورے ہوں گے اور نہ مرنے کے بعد پورے کئے جائیں گے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۳۳۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حُجِبَتِ النَّارُ
بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ۔

تَحْرِیحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری فی کتاب الرقاق (باب حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ)
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: حُجِبَتْ: فعل مجهول۔ النار: نائب فاعل۔ بالشَّهَوَاتِ: متعلق، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر
جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ حُجِبَتْ: فعل مجهول۔ الجنة: نائب فاعل۔ بِالْمَكَارِهِ: متعلق، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر
جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

بوڑھے آدمی میں دو چیزیں جوان ہوتی ہیں

①۱۵ یَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشْبُ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ.
تَرْجَمَہ: ”انسان خود تو بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس میں دو چیزیں جوان اور قوی ہو جاتی ہیں، مال جمع کرنے کی حرص اور درازی عمر کی آرزو۔“

لُغَاتُک: یَهْرَمُ: هَرَمَ (س) هَرَمًا هَرَمًا، کمزور ہونا، بہت بوڑھا ہونا۔ يَشْبُ: شَبَّ (ض) شَبَابًا، جوان ہونا، شابَّ جوان اس کی جمع شَبَابٌ آتی ہے۔
تَشْرِیح: آدمی جتنا بوڑھا ہوتا جاتا ہے اس میں دو چیزیں زیادہ ہوتی رہتی ہیں:
اول: کثرت مال کی حرص۔

دوم: مزید زندگی کی امید۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی اپنے نفس کو علم و عمل کے ذریعہ محفوظ اور پاکیزہ نہ کرے تو وہ خواہشات و جذبات میں گرفتار ہو جاتا ہے اور پھر خواہشات و جذبات کی تکمیل مال اور عمر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔
بعض علماء کرام فرماتے ہیں اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بڑھاپے میں انسان کی خواہشات و جذبات جوں کے توں رہتے ہیں مگر وہ قوت عقلیہ جو قوت شہوانیہ کو قابو کرتی تھی وہ کمزور ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس کو دفع نہیں کر سکتی۔
مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

خوئے بد در جان تو محکم شدہ * قوت بر کندن او کم شدہ
تَرْجَمَہ: ”تیری عادتوں کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور ان کو اکھاڑنے والی قوت گھٹ گئی اور کمزور ہو گئی۔“
آن درخت بد قوی تری شود * بر کنندہ پیر مضطر می شود
تَرْجَمَہ: ”برائی کا درخت تو مضبوط ہو جاتا ہے اور اکھاڑنے والا روز بروز بوڑھا اور کمزور ہوتا جاتا ہے۔“ (۱)

اس کا علاج موت کو یاد کرنا ہے جیسے کہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کو یاد کیا کرو۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الامل والحرص“ ص ۴۴۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عنه قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يهرم ابن آدم ويشب من اثنان الحرص على المال والحرص على العمر

تَحْرِيجُ حَدِيثُ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء قلب الشيخ شاب على حب اثنين)

واخرجه البخاری فی کتاب الرقاق (مع اختلاف یسیر).

ترکیبِ جَدِیث: یهرم: فعل۔ ابن آدم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل فاعل سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ یشب: فعل۔ منہ: متعلق۔ اثنان: تین۔ الحرص: مصدر۔ علی المال: جار مجرور مصدر کے متعلق ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ الحرص: مصدر۔ علی العمر: جار مجرور مصدر کے متعلق ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر ممیز ہوئی پھر ممیز تین سے مل کر یشب کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے ملکر جملہ معطوفہ ہوا۔



بہترین شخص وہ عالم دین ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے

(۱۶) نِعَمَ الرَّجُلُ الْفَقِيهُ فِي الدِّينِ إِنْ احْتِيجَ إِلَيْهِ نَفْعٌ وَإِنْ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ أَغْنَىٰ نَفْسَهُ.

ترجمہ: ”بہترین شخص وہ عالم دین ہے کہ اگر اس کی طرف حاجت محسوس کی جائے تو وہ نفع پہنچا دے اور اگر اس سے بے پروائی کی جائے تو وہ بھی اپنے کو ان سے مستغنی رکھے۔“

لُغَاتُكَ: الْفَقِيهُ: بہت سمجھ دار اس کی جمع فقہاء آتی ہے۔ اُحْتِيجُ: محتاج ہونا، حَاج (ن) حَوَّجًا محتاج ہونا۔ اسْتُغْنِيَ: بے نیاز ہونا، اکتفاء کرنا، غِنَى (س) غِنَى.

تَشْرِیح: علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ علماء اپنے آپ کو عوام الناس سے بالکل ہی بے تعلق کر لیں اور اپنے علم سے مخلوق خدا کو محروم رکھیں بلکہ یہ ہے کہ جب لوگ ان کے پاس اپنی دینی ضرورت کی بناء پر آئیں تو ان لوگوں کو ان کے مسائل بتائیں اور ان کی اصلاح ان پر لازم و ضروری ہے بشرطیکہ وہاں کوئی دوسرا عالم بھی نہ ہو۔

اور اگر اس کے برعکس معاملہ ہو کہ لوگ ہی ان کے پاس نہیں آتے دین کی عظمت و قدر نہ ہونے کی وجہ سے یا وہاں پر دوسرا عالم ہے جو ان لوگوں کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے تو اب اس عالم کو اجازت ہے کہ اپنے اوقات کو عبادت خداوندی، مطالعہ، تصنیف و تالیف میں مشغول رکھے یا کسی اور طرح سے دین کی خدمت کرے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: نعم الرجل الفقیہ فی

الدین ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنی نفسه.

پُتْرُ حَدِیْث: عزاء صاحب المشکوٰۃ الی رزین.

تَرْکِیْبُ حَدِیْث: نعم: فعل مدح۔ الرجل: فاعل۔ الفقیہ: شبہ فعل۔ فی الدین: متعلق شبہ فعل کے، پھر شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مخصوص بالمدح نعم فعل فاعل اور مخصوص بالمدح سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ ان: حرف شرط۔ احتیج: فعل ضمیر نائب فاعل۔ الیہ: فعل کے متعلق ہو کر جملہ شرط۔ نفع: فعل ضمیر فاعل سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ ان: حرف شرط۔ استغنی: فعل ضمیر نائب فاعل۔ منہ: متعلق ہو کر جملہ شرط۔ اغنی: فعل ضمیر فاعل۔ نفسه: مضاف مضاف الیہ مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

مردے کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں

﴿۱۱۷﴾ يَتَّبِعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانُ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتَّبِعُهُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ
فَيَرْجِعُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ.

ترجمہ: ”مردے کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں ان میں سے دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے اس کے ساتھ اس کے رشتہ دار اور اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے لیکن اس کے رشتہ دار اور اس کا مال واپس آ جاتے ہیں اور اسکے ساتھ اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔“

لُغَاتٌ: يَتَّبِعُ: (س) تَبَعًا، ساتھ چلنا دوسرے معنی چھچھ چلنا، صفت تَبَعٌ جمع أَتْبَاعٌ ہے، قال تعالى: ﴿صَدَقَهُ يَتَّبِعُهَا أَذَى﴾.

تفسیر: مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جس طرح دنیاوی زندگی میں کوئی شخص ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے تو اسی کے مناسب توشہ تیار کرتا ہے جتنا طویل سفر ہوتا ہے زادراہ اسی کے بقدر تیار کرتا ہے تو اسی طرح آدمی کو آخرت کی طرف سفر کرنا ہے اور پھر وہاں ہمیشہ رہنا ہے تو عقلمند آدمی وہاں کے لئے بھی توشہ تیار کرتے ہیں۔

اس حدیث میں بڑے لطیف انداز سے اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر جو چاہے کر لے مگر ایک دن آخرت کی طرف سفر کرنا ہی پڑے گا اور ساری چیزیں یہاں ہی چھوڑ کر جانا ہوگا، مال و عیال قبر تک ساتھ چھوڑ کر واپس آ جائیں گے (عرب میں مال کو بھی قبرستان لے جانے کا رواج تھا) اور اعمال ہی ایک ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا اور حشر تک ساتھ جائے گا، اسی کو کسی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے دُن کرتے وقت رشتہ داروں نے یوں کہا:

لحد تک تیری تعظیم کردی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

جب آدمی دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو موت یوں کہتی ہے:

اے اجل! تجھ سے کیسی نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا جس سے چمن کی ویرانی ہوئی

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۰ پر ہے، پوری حدیث بھی اس طرح ہے:

ان انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: يتبع الميت ثلاثة فيرجع اثنان ويبقى معه واحد يتبعه اهله وماله وعمله فيرجع اهله وماله ويبقى عمله.

تَحْنِجُ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری فی کتاب الرقاق (باب سكرات الموت) واخرجہ مسلم فی کتاب الزهد واخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد.

تَرْكِبُ حَدِيثًا: يتبع: فعل - المیت: مفعول - ثلاثة: فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ - فیرجع: فعل - اثنان: فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر معطوف علیہ معطوف - ویبقى: فعل - معه: مفعول - واحد: فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر پھر معطوف، تمام معطوفات اپنے معطوف سے مل کر مفسر - يتبعه: فعل ضمیر مفعول - اهله: معطوف علیہ - واؤ: حرف عطف - ماله وعمله: یہ بھی معطوف، تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر پیچھے کا فاعل ہوا، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف علیہ - فیرجع: فعل - اهله وماله: معطوف معطوف علیہ فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر معطوف علیہ معطوف - واؤ: حرف عطف - یبقى: فعل - عمله: فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر تفسیر، مفسر تفسیر سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔



سب سے بڑی خیانت

﴿۱۸﴾ كَبُرَتْ خِيَانَةٌ أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ.

ترجمہ: ”بہت بڑی خیانت ہے تم اپنے بھائی سے کوئی ایسی بات کرو جس میں وہ تم کو سچا سمجھے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔“

لُغَاتُكَ: كَبُرَتْ: كَبَرُ (ك) كَبَرًا وَكُبْرًا، مرتبہ میں بڑا ہونا، قال تعالى: ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾. خِيَانَةٌ: خَانَ (ن) خَوْنًا وَخِيَانَةً امانت میں خیانت کرنا۔

تفسیر: شریعت کا منشاء یہ ہے کہ آدمی صاف گو ہو جو بات بھی کرے صاف کرے گول مول بات کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے کہیں آدمی جھوٹ جیسی سنگین برائی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

جھوٹ بولنے کے بارے میں آپ ﷺ نے مختلف احادیث میں وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک روایت میں ارشاد ہے کہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے آدمی کے رحمت کے فرشتے اس سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے۔^(۱)

ایک اور روایت میں حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! پھر عرض کیا گیا کہ مؤمن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں، اور جب یہ پوچھا گیا کہ کیا مؤمن جھوٹ بھی بول سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں۔^(۲)

جھوٹ بولنا ہر حال میں ہر موقع پر اور ہر شخص کے ساتھ منع ہے لیکن بعض صورتوں میں تو اس کی سنگینی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے ان صورتوں میں سے ایک صورت حدیث بالا میں بھی ارشاد فرمائی گئی ہے کہ کوئی آدمی تم پر پورا بھروسہ اور اعتماد کرے کہ واقعی جو کچھ تم کہہ رہے ہو بالکل سچ ہی کہہ رہے ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ تم اس کے اعتماد اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو اور اس کو دھوکہ دو۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن سفیان بن اسد الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کبرت خیانة ان تحدث اخاک حدیثا هو لک مصدق وانت به کاذب.
تخریج حدیث: أخرجه ابو داود فی کتاب الادب (باب فی المعارض).

ترکیبِ حدیث: کبر: فعل ضمیر ممیز۔ خیانت: تمیز، ممیز تمیز سے مل کر پھر مفسر۔ ان: تفسیریہ۔ تحدث: فعل ضمیر فاعل۔ اخاک: مضاف مضاف الیہ مفعول۔ حدیثا: ذوالحال۔ ہو: مبتداء۔ لك: جار مجرور، مصدق کے متعلق۔ مصدق: صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ خبر، مبتداء خبر سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ انت: مبتداء۔ به: کاذب کے متعلق۔ کاذب: صیغہ اسم فاعل، ضمیر فاعل، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر معطوف پھر معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر حال ہوا، حال ذوالحال سے مل کر مفعول ہوا تحدث فعل، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر تفسیر، مفسر تفسیر سے مل کر کبر کا فاعل، کبرت فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



ذخیرہ اندوزی کرنے والے کی مذمت

﴿۱۲۹﴾ بئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ إِنْ أَرْخَصَ اللَّهُ الْأَسْعَارَ حَزَنَ وَإِنْ أَغْلَاهَا فَرِحَ.

تَرْجَمَةً: ”(غلہ وغیرہ کی ناجائز) ذخیرہ اندوزی کرنے والا بندہ بہت برا ہے، اگر اللہ نرخوں کو کم کرتا ہے رنجیدہ ہوتا ہے اور اگر نرخوں میں مہنگائی ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔“

لُغَاتٌ: بئْسَ: فعل ذم میں سے ہے، قال تعالى: ﴿بئسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا﴾. الْمُحْتَكِرُ: باب افتعال سے ہے، مہنگا بیچنے کے لئے روکنے والا۔ أَرْخَصَ: بھاؤ سستا کرنا، رَخِصَ (ك) رَخَاصَةً، سستا ہونا۔ الْأَسْعَارُ: جمع سَعْر کی بمعنی بھاؤ نرخ۔ تَشْرِیح: ”احتکار“ کے لغوی معنی غلہ کو مہنگا فروخت کرنے کی نیت سے ذخیرہ اندوزی کرنے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں ایسی چیز کو مہنگا بیچنے کی نیت سے روکنا جس کا تعلق انسان یا حیوان کی غذا کے ساتھ ہو۔^(۱)

احتکار سے مستثنیٰ صورت:

- ① اگر بڑا شہر ہے وہاں پر احتکار کرنے سے کسی قسم کا نقصان نہ ہو تو جائز ہے۔
- ② اپنی زمین کے غلہ کا احتکار کرے جائز ہے۔
- ③ کوئی تاجر کسی دوسرے شہر سے غلہ خریدے اور اس کا احتکار کرے جائز ہے،^(۲) اس میں قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ اگر احتکار کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے تو اب احتکار کرنا گناہ ہوگا ورنہ نہیں۔^(۳)

احتکار کرنے کے بارے میں احادیث میں وعیدیں

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے احتکار کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، دوسری روایت میں فرمایا کہ: یہ شخص خیر و بھلائی سے محروم ہے، ایک اور روایت میں اس کو جہنم کی بیماری کی بددعا فرمائی ہے اور نیز ایک اور روایت میں اس کے مفلس ہونے کی بھی بددعا فرمائی گئی ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاحتکار“ ص ۲۵۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: بئس العبد المحتکر ان ارخص اللہ الاسعار حزن وان اغلاها فرح.

تَخْرِیجُ حَدِيثٍ: عزاه صاحب المشکوٰۃ الى البيهقي في شعب الایمان.

تَرْكِيْبِي حَدِيْثِي: بئس: فعل زم۔ العبد: فاعل۔ المحتكر: مخصوص بالذم، فعل اپنے فاعل اور مخصوص سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ ان: حرف شرط۔ ارخص: فعل۔ لفظ اللہ: فاعل۔ الاسعار: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ حزن: فعل فاعل جزا، شرط جزا سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ ان: حرف شرط۔ اغلاها: فعل فاعل مفعول مل کر شرط۔ فرح: فعل فاعل جزا، شرط جزاء سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



نوع آخر من الجملة الفعلية

مصنف اب یہاں سے ایسی احادیث لائیں گے جن کے شروع میں فعل ہو اور فعل کی ابتدا ”لانی“ سے ہوگی۔

چغل خور جنت میں نہیں جائے گا

⑫ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ.

ترجمہ: ”چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

لُغَاتِي: قَتَات: چغل خور، قَتَّ (ن) قَتَّ، جھوٹ بولنا۔

تشریح: چغل خوری کی عادت ان سنگین گناہوں میں سے ہے کہ کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جاسکے گا، اس کا مطلب محدثین یہ فرماتے ہیں کہ: چغل خور ابتداء میں جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے ان لوگوں کے ساتھ یہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ (۱)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چغل خوری تین خبیث خصلتوں کا مجموعہ ہے اور یہ تینوں ذلت کی بنیاد اور ارکان ہیں: اول: جھوٹ۔ دوم: حسد۔ سوم: نفاق۔ (۲)

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن بدترین آدمی دو چہروں والا چغل خور ہوگا جو ایک کے پاس ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے اور دوسرے کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ جاتا ہے، (۳) ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: جو دنیا میں دوزبانیں رکھتا ہے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دوزبانیں ہوں گی (۴) یہ بات مشہور ہے کہ عذاب قبر کے تین حصے ہیں: ایک غیبت کی وجہ سے اور دوسرا پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے، اور تیسرا چغل خوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان عن الغيبة والشتيم“ ص ۴۱۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن حذيفة رضى الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يدخل الجنة قَتَاتٌ.

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری فی کتاب الادب (باب ما یکره من النمیمه) و اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان (باب بیان غلط تحریم النمیمه).

ترکیب حدیث: لا یدخل: فعل۔ الجنة: مفعول۔ قَتَات: فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(۱) معارف الحدیث ۲/۲۵۲ (۲) احیاء العلوم ۳/۱۸۱ و مرقاۃ ۹/۱۳۹ (۳) مشکوٰۃ (۴) مکاشفۃ القلوب ص ۱۵۹ (۵) تنبیہ الغافلین ص ۱۷۹

قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جاسکے گا

(۱۳) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ.

ترجمہ: ”قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

لُغَاتٌ: قَاطِعٌ: قَطَعَ (ف) قَطْعًا، جدا کرنا، کاٹنا، قال تعالى: ﴿فَاقْطِعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾

تفسیر: فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ فی الجملہ ناٹہ جوڑنا یہ واجب ہے اور ناٹے توڑنا یہ گناہ کبیرہ ہے اسی وجہ سے قطع تعلق پر بہت سی روایات میں سخت سے سخت وعیدیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ بغاوت اور قطع رحمی دو ایسے گناہ ہیں جن پر دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب دیا جاتا ہے، ”مسند احمد“ میں ہے کہ انسانوں کے اعمال ہر جمعرات کو پیش کئے جاتے ہیں مگر قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔

”ابن حبان“ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے:

① شرابی۔ ② قاطع رحم ③ جادوگر۔ بہر حال حدیث بالا بھی اسی کے متعلق ہے جس میں ارشاد ہے کہ قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (۱)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم“ میں اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ: یہ روایت اس شخص کے بارے میں ہے کہ جو جاننے کے باوجود قطع رحمی کرے اور حقوق ادا نہ کرے تو اس نے یہ کام حرام کیا اور اگر وہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے قطع تعلق کرتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔ (۲)

یا مطلب یہ ہے کہ وہ قطع رحمی جو کہ حرام ہے اس کو حلال جانتا ہو اور حلال سمجھ کر قطع رحمی کرتا ہے تو اس پر جنت کا داخلہ حرام ہوگا۔

یا مطلب یہ ہے کہ اولین لوگوں کے ساتھ یہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البرّ والصّلة“ ص ۴۱۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یدخل الجنّة قاطع. **تخریج حدیث:** أخرجه البخاری فی کتاب الادب (باب اثم القاطع) وأخرجه مسلم فی کتاب البرّ والصّلة (باب صلة الرحم وتحريم قطعيتها).

ترکیب حدیث: لا یدخل: فعل۔ الجنّة: مفعول۔ قاطع: فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

مؤمن کو بار بار ایک سوراخ سے ڈسا نہیں جاسکتا

(۱۲۱) لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ.

تَرْجَمَةٌ: ”مؤمن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاسکتا۔“

لُغَاتُكَ: يُلْدَغُ: لَدَغَ (ف) لَدَغًا، دَسَا۔ جُحْرٌ: سوراخ، بِلْ جَمْعُ أَجْحَارٍ، جِحْرَةٌ، جَحْرَ (ف) جَحْرًا بمعنی سوراخ میں داخل ہونا۔

تَشْرِیحُ: اس حدیث میں ایک حکیمانہ اصول بیان کیا جا رہا ہے کہ: مؤمن کی شان یہ ہوتی ہے کہ دین کے دشمن کی عہد شکنی اور سرکشی سے بار بار چشم پوشی نہیں کرتا تا کہ دشمن دین اس دھوکہ میں نہ آئیں کہ یہ دین دار ایسے بے وقوف ہوتے ہیں۔

شان و رُود: علماء کرام نے اس حدیث کا شان و رُود یہ بیان کیا ہے کہ: زمانہ رسالت میں ایک شاعر تھا اس کا نام ”ابوعزہ“ تھا، وہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کی خوب ہجو کیا کرتا تھا مگر جب غزوہ بدر ہوا اس میں قیدیوں کے ساتھ یہ شاعر بھی گرفتار ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس نے معافی مانگی آپ ﷺ نے اس سے عہد و اقرار لے کر اس کو چھوڑ دیا مگر اس کی ازلی شقاوت کی وجہ سے اس نے پھر وہی پرانی حرکت شروع کر دی، یہ شاعر پھر غزوہ احد میں گرفتار ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا پھر اس نے آپ ﷺ کے سامنے بہت عہد و پیمان کئے مگر آپ ﷺ نے اس کو اس مرتبہ معاف نہیں فرمایا اور اس کو قتل کروا دیا اور جب بعض لوگوں نے اس کی سفارش کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر حدیث بالا ارشاد فرمائی۔^(۱)

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر مسلمان اس اہم اصول کی طرف توجہ کر لیں تو اس کی رعایت کرنے سے مسلمان دشمنان دین کے شرفساد سے بچے رہیں گے۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحذر والتأني في الامور“ ص ۴۲۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين.

ترکیبِ حدیث: لا يلدغ: فعل مجہول۔ المؤمن: نائب فاعل۔ من: حرف جار۔ جحر واحد: موصوف صفت سے مل کر مجرور ہو کر فعل کے متعلق ہوا۔ مرتین: یہ صفت ہے، موصوف محذوف لدغین کے لئے، موصوف صفت سے مل کر مفعول یلدغ کے لئے، فعل مجہول اپنے نائب فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

پڑوسی کے حقوق

(۱۳) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارَهُ بَوَاقِهِ.

ترجمہ: ”وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا (ابتداءً) جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔“

لغات: جَار: پڑوسی، پناہ دینے والا، جمع جِيران آتی ہے۔ بَوَاقُهُ: الْبَاقَةُ کی جمع ہے، مصیبت، شر، فساد، باقی (ن) بَوَقًا، لڑائی جھگڑا کرنا۔

تشریح: ہمسایوں کے حقوق کا اندازہ اس حدیث بالا سے بخوبی کیا جاسکتا ہے، آپ ﷺ امت پر کتنے شفیق و مہربان تھے اور یہ ارشاد کیسے جلال سے معمور ہے، نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکید اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لئے آخری تعبیر یہی ہوئی ہے کہ ہمسایوں کے حقوق میں کوتاہی کرنے والا مومن نہیں یا وہ جنت میں نہیں جاسکے گا۔^(۱)

ہمسایوں کے بارے میں احادیث میں تاکید: پڑوسی کے حقوق کی نگہداشت رکھنے کی احادیث مقدسہ میں بہت تاکید آئی ہے مثلاً ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبرائیل علیہ السلام پڑوسی کے حقوق کے متعلق اس قدر تاکید فرماتے ہیں کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ اسے وارث بنا کر چھوڑیں گے۔^(۲)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں اچھا ہوں یا برا؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تیرے پڑوسی تجھے اچھا کہیں تو تو اچھا ہے اور جب وہ تجھے برا کہیں تو تو برا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پڑوسی کا اچھا ہونا تکلیف نہ دینے کا نام نہیں بلکہ پڑوسی کی اچھائی یہ ہے کہ ہمسائے کی ایذا پر صبر کرے،^(۳) خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان والوں کے لئے لازم ہے کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رکھیں کہ وہ اس کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة فی الخلق“ ص ۴۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یدخل الجنة من لا یأمن جاره بواقه.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم فی کتاب الایمان (باب تحریم ایذاء الجار) وعند البخاری فی کتاب الادب. ترکیب حدیث: لا یدخل: فعل۔ الجنة: مفعول۔ من: موصولہ۔ لا یأمن: فعل۔ جاره: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل۔ بواقه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صلہ ہوا موصول صلہ سے مل کر فاعل ہوا یدخل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

حرام کھانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

﴿لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ﴾

تَرْجَمَہ: ”وہ بدن جنت میں داخل نہ ہوگا جس کی حرام غذا سے پرورش کی گئی ہو۔“

لُغَاتُہ: غُذِيَ: غَذَى (ن) عَذَوًا، خوراک دینا۔ جَسَدٌ: بدن انسانی، جمع أَجْسَادٌ۔

تَفْصِیلُہ: حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص کی حرام مال سے نشوونما ہوئی ہو تو ایسا شخص جنت کے اعلیٰ درجات میں داخل نہیں ہو سکے گا یا مطلب یہ ہے کہ جو حرام مال کو حلال جان کر کھاتا ہو تو اب ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ کافر ہو گیا۔

مذمت اکل حرام: علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کھانے سے پہلے معلوم ہو جائے کہ یہ کھانا حرام ہے تو اب وہ اس کو نہ کھائے اور اگر کھانے کے بعد معلوم ہو تو اب قے کر دے جیسے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کی کہانت کی کمائی کا دودھ پی لیا معلوم ہونے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً قے کر دیا اور ساتھ ساتھ یہ دعا کرتے رہے کہ الہی میں تیرے سامنے عذر کرتا ہوں اس دودھ سے جو رگوں اور آنتوں میں رچ گیا۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتے جس نے حرام سے پیٹ کو بھرا ہو، ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جو شخص اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ میری غذا کہاں سے آئی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس کو دوزخ کے کس دروازے سے داخل کرے۔ (۲)

اکل حرام کا کفارہ: اگر کسی نے حرام مال کھالیا ہو تو اب اس کے لئے یہ ہے کہ وہ سچے دل سے ندامت و شرمندگی سے توبہ کر لے اور دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکسب وطلب الحلال“ ص ۲۴۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي بكر رضي الله تعالى عنه: ان رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم قال: لا يدخل الجنة جسد غذى بالحرام.

تَفْصِیلُہ: عَزَاهُ: صاحب المشکوٰۃ الی البیہقی فی شعب الایمان.

تَرْکِیْبُہ: لا یدخل: فعل۔ الجنة: مفعول۔ جسد: موصوف۔ غذی: فعل ضمیر نائب فاعل، بالحرام: جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفت ہوا پھر موصوف صفت سے مل کر فاعل ہوا یدخل فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

مؤمن وہ ہے جس کی خواہش دین کے تابع ہو جائے

﴿۱۲۵﴾ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ.

ترجمہ: ”تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔“

لُغَاتُ: هَوَاهُ: یہ ہوی کا مصدر ہے بمعنی خواہش اور عشق، خیر کا ہویا شر کا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان اور اس کی برکات جب ہی نصیب ہوں گی جب کہ نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایت نبوی ﷺ کے تابع اور ماتحت ہو جائیں (۱) اور اس کی زندگی کا ہر پہلو خواہ اس کا تعلق اعتقادات سے ہو یا عبادات سے ہو یا عادات سے، سب میں ہی دین و شریعت کا فرما ہوں تو ایسا شخص کامل ایمان والا ہوگا اور جو ایسا نہ کرے تو اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں اصل ایمان کی نفی نہیں ہے بلکہ بقول علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کے نفی کمال ایمان پر محمول ہے (۲) جب آدمی نے سرور عالم محبوب کائنات ﷺ کو اپنے نبی ہونے کا اقرار کر لیا تو اب ان کے بتائے ہوئے طرز زندگی اور طریق بندگی کو اختیار کرنا ضروری ہوگا، تو جس چیز کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے خواہ اس پر عمل کرنے کو دل چاہے یا نہ چاہے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور اسی طرح جن چیزوں سے آپ ﷺ نے روکا ہے خواہ وہ نفس کے تقاضے کے خلاف ہی ہو مگر اب یہ نفس کے تقاضے کو آپ ﷺ کے ارشاد کے تابع کرے گا۔ (۳)

نکتہ: علماء کرام نے لکھا ہے کہ جو ”ہوی“ (یعنی خواہشات نفس) کو ”ہدیٰ“ (انبیاء علیہم السلام کی ہدایات) کرے، ”ہوی“ کے ہاء کی زبر کو پیش کر دے، واؤ کو دال سے بدل دے، تو اس کو ابدی سعادتوں سے نوازا جائے گا اور ابدی شقاوت سے بچ جائے گا اور حقیقی ایمان نصیب ہو جائے گا، صرف زبر کو پیش کرنا اور ”و“ کو ”ذ“ سے بدلنا ہے۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۳۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا يؤمن احدکم حتیٰ یكون هواہ تبعاً لما جئت بہ.

تخریج حدیث: ذکرہ النووی فی اربعینہ.

ترکیب حدیث: لا یؤمن: فعل۔ احدکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل۔ حتی: حرف جار۔ یكون: فعل ناقص۔

ہواہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر اسم۔ تبعا: صیغہ صفت۔ لما: لام: حرف جار۔

ما: موصولہ۔ جئت: فعل ضمیر فاعل بہ متعلق جئت کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مجرور ہو کر تبعا کے متعلق ہو کر کیون کی خبر اور پھر یہ ”حتی“ کا مجرور ہو کر یؤمن کے متعلق ہوا، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے

(۱۳۶) لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَرَوْعَ مُسْلِمًا.

تَرْجَمَہ: ”کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔“

لُغَاتُک: یُرَوِّعَ: ڈرانا، گھبرا دینا، رَاعَ (ن) رَوَّعًا.

تَشْرِیْح: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور تمام مخلوق کو انسان کے لئے پیدا کیا اور انسان کے تمام اعضاء و اجزاء کو محترم و مکرم قرار دے کر احترام آدمیت کی ہدایت فرمائی کہ ہر ایک دوسرے کی عزت و احترام کرے اور اس کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دے بلکہ کوئی ایسی حرکت بھی نہ کرے جس سے آدمی ڈرجائے۔

اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمام انسان آپس میں محبت و شفقت کا سلوک رکھیں، ایک دوسری روایت میں مسلمانوں کی مثال اس طرح دی گئی ہے کہ ”الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنْ اِشْتَكَى عَيْنُهُ اِشْتَكَى كُلُّهُ وَاِنْ اِشْتَكَى رَاسُهُ اِشْتَكَى كُلُّهُ“ (۱) سارے مؤمن مثل ایک آدمی کے ہیں اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو اس کے سارے اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے اگر سر میں تکلیف ہو تو سارے اعضاء میں تکلیف ہوتی ہے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے عداوت اور نفرت پیدا ہو بلکہ کسی حرکت سے مسلمان کو معمولی سی بھی تکلیف ہو تو وہ بھی اس حدیث سے حرام معلوم ہوتی ہے۔

اپریل فول کا حکم: آج کل یکم اپریل فول منانے کا رواج دشمنان اسلام کی طرف سے چل کر مسلمانوں میں آچکا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس دن کسی کو ڈرادیا جھوٹی خبر سنا دوا اس کے نقصانات بہت سامنے آتے ہیں تو اس کی ممانعت اور حرام ہونے پر اس حدیث بالا سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب قتل اهل الردة والسعاة بالفساد“ ص ۳۰۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب محمد صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم انہم کانوا یسیرون مع رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فنام رجل منهم فانطلق بعضهم الی حبل معه فاخذہ ففزع فقال رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لا یحل لمسلم ان یروع مسلما.

تَحْرِیْجِ حَدِیْث: اخرجه ابو داود فی کتاب الادب (باب من یأخذ الشیء من مزاح)

تَرْکِیْبِ حَدِیْث: لا یحل: فعل۔ لمسلم: جار مجرور تکل کے متعلق۔ یروع: فعل ضمیر فاعل۔ مسلما: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مفرد تکل کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

(۱۷) لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ.

ترجمہ: ”(رحمت کے) فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔“

لُعَاثِكُمْ مَّلَآئِكَةٌ: جمع ہے مَلَكٌ، بمعنی فرشتہ اس کی جمع مَلَائِكُ اور اَمْلَک بھی آتی ہے۔ کَلْبٌ: کتا، جمع کِلَابٌ، اَكْلَبُ آتی ہے۔ تَصَاوِيرُ: جمع تَصْوِيرٌ، بت، مجسمہ، صَوْرَةُ تصویر بنانا، مُصَوِّر تصویر بنانے والا۔

تَشْرِیْحُ: کتا یا تصویر والا گھر رحمت کے فرشتوں کے دخول کے لئے مانع ہوتے ہیں مگر عذاب والے فرشتوں کے لئے مانع نہیں ہوتے، اس حدیث میں ملائکہ سے مراد وہ فرشتے نہیں جو انسان کی حفاظت و نگرانی اور اعمال لکھنے پر مامور ہیں کیونکہ ایسے فرشتے تو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں وہ کبھی بھی جدا نہیں ہوتے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے تو اس میں ہر قسم کا کتا داخل ہوگا خواہ وہ حفاظت کے لئے یا کھیتی وغیرہ کے لئے ہو، اسی طرح تصویر میں بھی ہر قسم کی تصویر داخل ہوگی خواہ وہ بستر پر ہو یا مقام تزیین میں ہو، احتیاط اسی میں ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ والی بات کو ترجیح دی جائے، کیونکہ بعض کتوں کو احادیث میں شیطان کہا گیا ہے اور فرشتے تو شیطان کی ضد ہیں اسی طرح فرشتے صفائی پسند ہوتے ہیں بخلاف کتوں کے کہ وہ گندگی کو پسند کرتے ہیں اسی طرح فرشتے انسان کے لئے استغفار اور نزول رحمت کے لئے سبب ہوتے ہیں اور کتے رحمت کے دور کرنے کے لئے سبب بن جاتے ہیں۔ (۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب التّصاویر“ ص ۳۸۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي طلحة قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا تصاویر.

تَحْرِیْحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب اللباس (باب التّصاویر) و اخرجہ مسلم فی کتاب اللباس والزينة.

تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: لا تدخل: فعل۔ الملائكة: فاعل۔ بیتا: موصوف۔ فیہ: جار مجرور ثابت کے متعلق۔ کلب ولا تصاویر: معطوف، معطوف علیہ سے مل کر ثابت کا فاعل، ثابت اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت سے مل کر تدخل کا مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

حضور اکرم ﷺ سے محبت ایمان کی بنیاد ہے

﴿۱۳۸﴾ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

ترجمہ: ”تم میں سے کوئی شخص (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

لُغَاتُكَ: لَا يُؤْمِنُ: یہاں پر مراد کامل ایمان ہے۔

تفسیر: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان نے محبوب ﷺ کو اپنا نبی تسلیم کر لیا تو اب نبی کی محبت جب تک اس کے دل میں سب سے زیادہ نہ ہو تو اس شخص کو آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہوگا اس لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ نبی ﷺ سے محبت سب سے زیادہ ہو یہاں تک کہ اپنے والد اور اولاد سے بھی زیادہ، اگر اس کے دل میں نبی ﷺ کی محبت ان سب سے زائد نہ ہوگی تو ان سب کی وجہ سے یہ نبی کریم ﷺ کے احکامات کو بالائے طاق رکھ دے گا، نیز یہاں پر محبت سے مراد بقول علامہ خطابی رحمہ اللہ کے محبت عقلی ہے نہ کہ طبعی، ہو سکتا ہے کہ کسی کو طبعاً اپنی اولاد وغیرہ سے زیادہ محبت ہو۔^(۱)

والد کو ولد پر مقدم کیوں کیا؟

سوال: والد کو اولاد سے پہلے بیان کیا حالانکہ انسان کو اپنی اولاد سے محبت والد سے زیادہ ہوتی ہے۔

جواب اول: والد کے احترام کی وجہ سے اس کو مقدم کیا۔

جواب دوم: ہر شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کی اولاد بھی ہو مگر ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اس کا والد ہو۔

جواب سوم: عموماً ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے تو یہاں پر بھی ادنیٰ سے (جو والد کی محبت ہے) اعلیٰ کی طرف (جو اولاد کی محبت ہے) ترقی ہے۔

والنَّاسِ اَجْمَعِينَ: ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو اپنی اولاد دیا اپنے والدین کے علاوہ کسی اور سے نبی کریم ﷺ سے زیادہ محبت ہو، تو اس کا جواب اس آخری جز میں دے دیا، کوئی بھی ہو جب تک سب سے زیادہ محبت اپنے نبی ﷺ سے نہیں ہوئی تو کامل ایمان والا نہیں بن سکتا۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا يؤمن احدكم حتى

اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الایمان (باب حب الرسول صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ من الایمان) و اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان (باب وجوب محبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم).
تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: لا یؤمن: فعل۔ احدکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل۔ حتی: حرف جار۔ اكون: فعل ناقص، ضمیر اسم۔ احب: صیغہ اسم تفضیل ضمیر فاعل۔ الیہ: جار مجرور احب کے متعلق۔ من: حرف جار۔ والدہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ ہوا۔ وولده: معطوف معطوف علیہ۔ والناس اجمعین: معطوف پھر تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر مجرور ہو کر احب کے متعلق، پھر احب فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر اکون کی خبر، اکون اپنے اسم اور خبر سے مل کر حتی کے لئے مجرور، جار مجرور مل کر یؤمن کے متعلق، یؤمن اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



مسلمان تین دن سے زیادہ کسی سے قطع تعلق نہ رکھے

①۳۹ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ. تَرْجَمَهُ: ”کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے اگر کسی نے ایسا کیا، اور اسی حال میں مر گیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔“
لُغَاتِي: يَهْجُرُ: هَجَرَ (ن) هَجَرًا قطع تعلق کرنا، چھوڑنا، أخ: بمعنی بھائی۔

تشریح: اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ نے انسان کی طبیعت و مزاج کا کتنا خیال رکھا ہے، تین دن کی قید لگائی، کیونکہ عموماً انسان کا غصہ تین دن میں ٹھنڈا یا کم از کم ہلکا ضرور ہو جاتا ہے، اگر شریعت تین دن سے پہلے ملنے کا حکم دیتی تو یہ انسانی طبیعت پر بہت شاق گزرتا۔

کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تین دن سے زائد بھی ناراضگی رکھی جاسکتی ہے: کسی نے اہل بدعت یا غلط عقیدے والے سے یا کسی اور دینی مصلحت کی وجہ سے یا کسی دنیوی نقصان کی وجہ سے بات چیت چھوڑ دی تو اب اس میں تین دن کی قید نہیں ہوگی، مگر علماء فرماتے ہیں: اس کنارہ کشی میں بھی اچھے انداز کو اختیار کرے یہ نہیں کہ اس کی غیبت اور اس پر عیب لگاتا پھرے اس سے قطع تعلق اس وقت تک رہے جب تک وہ دل سے توبہ نہ کر لے، جیسے غزوہ تبوک میں تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شرکت نہ کرنے پر ان سے پچاس دن تک قطع تعلق کیا گیا اور پھر جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو پھر سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ کی وجہ سے ایک عرصہ تک بات چیت بند کر دی تھی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے بیٹے بلال سے ایک دینی بات کی وجہ سے ترک ملاقات اختیار کر لی تھی، بہر حال اس نوع کے سینکڑوں واقعات ملیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دینی معاملہ کی وجہ سے تین دن سے زائد بھی خفگی رکھی جاسکتی ہے مگر اس میں نیت صادق ہو کوئی نفسانی خواہش یا دنیوی غرض شامل نہ ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات“ ص ۲۲۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث فمن هجر فوق ثلاث فمات دخل النار.

تخریج حدیث: أخرجه ابو داؤد فی کتاب الادب (باب هجرة الرجل أخاه)
ترکیب حدیث: لا يحل: فعل - لمسلم: جار مجرور لا تكل کے متعلق - يهجر: فعل ضمیر فاعل - أخاه: مضاف مضاف الیه

سے مل کر مفعول۔ فوق ثلث: مضاف مضاف الیہ سے مل کر بھیجر کا مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مفرد ”ہجران اخیہ“، تکمل کا فاعل، تکمل فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ من: شرطیہ۔ ہجر: فعل، ضمیر فاعل۔ فوق ثلث: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ فاء: حرف عطف۔ مات: فعل ضمیر فاعل سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط۔ دخل النار: فعل فاعل مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزا سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



کسی کا مال اس کی خوشی کے بغیر لینا جائز نہیں

﴿۱۷۰﴾ اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ.

تَرْجَمَہ: ”جان لو! کسی کا بھی مال (کسی دوسرے شخص کے لئے) اس کی مرضی اور خوشی کے بغیر جائز نہیں۔“

لُغَاتُہ: اِمْرِئ: بغیر تاء تانیث کے بمعنی مرد اور تاء تانیث کے ساتھ بمعنی عورت۔ طَيْب: طَابَ (ن) طَيْبًا بمعنی خوش گوار ہونا، طَيْبِ اس مال کو بھی کہتے ہیں جو بہترین ہو۔

تَفْسِیْرُہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب کو دینے کے سواء کوئی چارہ کار نہ ہو، مثلاً مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار ہو یا ذی وجاہت ہو، مخاطب اس کی شخصیت کے دباؤ میں آ کر وہ چیز اس کو دے، تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اس حدیث کی بناء پر ایسی چیز کو غضب میں شامل کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کا حکم یہ ہوگا کہ اس چیز کو لوٹا دے یا معاف کر والے جیسے کہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: کسی نے کسی پر کوئی ظلم کیا تو وہ آج ہی معاف کر والے ایسے دن کے مواخذہ سے پہلے جس دن کوئی درہم و دینار نہ ہوگا اور اس کا عمل صالح اس ظلم کے بدلے میں لے لیا جائیگا، اور اگر اس کے پاس عمل صالح نہ ہو تو پھر مظلوم کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔

ایک دوسری حدیث میں ایسے ہی شخص کو مفلس کہا گیا ہے جو قیامت کے دن نیکیاں تو بہت سی لے کر حاضر ہوگا مگر کسی کے مال کو غضب کیا ہوگا یا کسی کا خون بہایا ہوگا تو اس کی نیکیاں مظلوموں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہوں کو اس کے اوپر ڈال کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، اللہ در القائل:

يَا أَيُّهَا الظَّالِمُ فِي فِعْلِهِ * الظُّلْمُ مُرْدُوذٌ عَلَىٰ مَنْ ظَلَمَ

تَرْجَمَہ: ”اے اپنے اوپر ظلم کرنے والے، ظلم ظالم ہی کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغصب والعاریۃ“ ص ۲۵۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا ألا لا

يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه.

تَحْرِیْرُہ: عَزَاهُ صَاحِبُ الْمَشْكُوَةِ اِلَى الْبَيْهَقِيِّ فِي شَعْبِ الْاِيْمَانِ.

تَرْكِیْبُ حَدِیْثِہ: اَلَا: حرف تنبیہ۔ لَا یَحِلُّ: فعل۔ مَالُ امْرِئ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل۔ اَلَا: حرف استثناء لغو

باء: حرف جار۔ طیب: مصدر مضاف۔ نفس: مضاف الیہ۔ منہ: جار مجرور متعلق ہوا طیب کے، پھر طیب اپنے مضاف الیہ اور

متعلق سے مل کر باء کے لئے مجرور، جار مجرور متعلق ہوا متعلق کے، متعلق فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

شقاوت بدبختی کی علامت ہے

﴿۱۶﴾ لَا تُنْزِعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ.

تَرْجَمَةٌ: ”رحمت وشفقت نہیں نکالی جاتی مگر بدبخت (کے دل) سے۔“

لُغَاتُكَ: تُنْزِعُ: نَزَعَ (ض) نَزَعًا، نَالًا، أَكْهَرْنَا۔ شَقِيٍّ: شَقِيٍّ (س) شَقًا وَشَقَاءً وَشَقَاوَةً بدبخت ہونا۔
تَشْرِيحُ: ”شقی“ کا معنی بدبخت مگر یہاں مراد فاسق اور کافر ہے، (۱) فاسق اور کافر گناہوں کے باعث اپنے دل کو اتنا سخت بنا لیتا ہے کہ اس کے بعد اس کے دل سے یہ فطری چیز یعنی رحمت وشفقت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے خاص بندوں پر اپنا خصوصی انعام ہوتا ہے۔

انبیاء کے رحیم وشفیق ہونے پر خدا نے خود گواہی دی مثلاً قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾

تَرْجَمَةٌ: ”یشک ابراہیم بوازم دل تھا تحمل کرنے والا“۔ (۲)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اسی شفقت کی ہدایت کی جب فرعون کی طرف بھیجا:

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾

تَرْجَمَةٌ: ”پس کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا ڈرے“۔ (۳)

خود نبی کریم ﷺ کی نرمی و ملاطفت کی ان الفاظ سے قرآن میں توصیف فرمائی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾

تَرْجَمَةٌ: ”پس اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے

پاس سے۔“ (۴)

خود اللہ جل جلالہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

”إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطَى عَلَى الْعَنْفِ وَمَا لَا يُعْطَى عَلَى مَا

سِوَاهُ“

تَرْجَمَةٌ: ”اللہ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جو کچھ دیتا ہے وہ سختی یا کسی اور چیز پر نہیں دیتا۔“ (۵)

ایک حدیث میں آتا ہے جو نرمی سے محروم رہا وہ تمام خیر سے محروم رہا۔ (۶)

(۱) مرقاة ۹/۲۲۶

(۲) سورة التوبة ترجمہ شیخ الہند۔

(۳) سورة طہ ترجمہ حضرت شیخ الہند۔

(۴) مسلم

(۵) سورة آل عمران ترجمہ حضرت شیخ الہند۔

(۶) مسلم

بہر حال نرمی و شفقت یہ اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے مگر جو بد بخت ہو گناہ اور معصیت کر کے اس زینت کو نکالنے کی کوشش کرے تو اللہ اس کو اس عظیم سے محروم فرما دیتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة على الخلق“ ص ۴۲۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعت أبا القاسم الصادق المصدوق صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لا تنزع الرحمة الا من شقى.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب البرِّ والصَّلة (باب ماجاء فی رحمة الناس) و اخرجہ
ابوداود فی کتاب الادب (باب فی الرحمة)

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: لا تنزع: فعل۔ الرحمة: نائب فاعل۔ الا: استثناء لغو۔ من شقى: جار مجرور متعلق بتنزع کے، تنزع فعل
اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



گھنٹی کی موجودگی میں فرشتے نہیں آتے

﴿۱۶۱﴾ لَا تَصْحَبُ الْمَلٰٓئِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ.

ترجمہ: ”اس قافلہ کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے جس میں کتایا گھنٹی ہو۔“

لُغَاتُكَ: تَصْحَبُ: صَحِبَ (س) صُحْبَةً، ساتھی ہونا، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا۔ رُفْقَةً: جمع رِفَاق، اُرْفَاق، رِفَق، رُفَق آتی ہے، معنی ساتھیوں کی جماعت، قافلہ۔

تَشْبِيْہٌ: ”الملئكة“: بمعنی فرشتے، اس سے مراد وہ فرشتے نہیں جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں، اور وہ فرشتے بھی مراد نہیں جو انسان کی حفاظت کے لئے مقرر ہوتے ہیں کیونکہ وہ تو ہر حال میں انسان کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، یہاں مراد وہ فرشتے ہیں جو رحمت لے کر آتے ہیں، ہوا انسان کے ساتھ کتایا گھنٹی وغیرہ ہو تو رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔^(۱) ”کلب“: بمعنی کتا، اس سے مراد وہ کتا ہے جو صرف شوق وغیرہ کے لئے پالا جائے اگر کھیتی کی حفاظت یا شکار وغیرہ کے لئے ہو جس کی شریعت نے اجازت دی ہے وہ مراد نہیں ہے۔

”جرس“: بمعنی گھنٹی، جو عموماً جانوروں کے گلے میں باندھی جاتی ہے، اس کی ممانعت کے بارے میں علماء فرماتے ہیں اس کی مشابہت ناقوس کے ساتھ ہوتی ہے، ناقوس منع ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر جرس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے، ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لڑکی آئی جس کے پاؤں میں گھنگر تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے پاس سے وہ چیز لے جاؤ جو ملائکہ کے آنے سے رکاوٹ بنتی ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب آداب السفر“ ص ۳۳۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تصحب الملائكة رفقة فيها كلب ولا جرس.

تَحْنِيْجٌ حَدِيْثٌ: اخراجه مسلم فى كتاب اللباس والزينة (باب كراهية الكلب والجرس فى السفر) واخرجه ابوداود فى كتاب الجهاد (باب فى تعليق الاجراس)

تَرْكِيبٌ حَدِيْثٌ: لا تصحب: فعل۔ الملائكة: فاعل۔ رفقة: موصوف۔ فيها: جار مجرور فعل محذوف ثبت کے متعلق کلب: معطوف علیہ۔ لا: زائد۔ جرس: معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر فاعل ہوا فعل محذوف ثبت کا، اور پھر ثبت فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل صفت ہوئی رفقة کی، موصوف صفت مل کر مفعول ہوا تصحب کا۔ تصحب فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

صیغ الامر والنہی

یہاں سے مصنف ایسی احادیث کو لائیں گے جن کے شروع میں امر یا نہی کے صیغے ہیں

میری طرف سے چھوٹی سی بات کو بھی دوسرے کو پہنچا دو

﴿۱۵۲﴾ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً.

ترجمہ: ”میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔“

لَعَلَّكُمْ: بَلِّغُوا: بَلَاغَةً، تَبْلِيغًا، بمعنی تبلیغ کرنا، قال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ ﴿بَلِّغْ﴾ (ن) بَلِّغُوا، بمعنی پہنچانا آیت: بمعنی علامت، من الکتاب، بمعنی آیت۔

تیشیج: ”ولو آية“: سے مراد وہ حدیث ہے جو بظاہر چھوٹی ہی ہو مگر افادیت کے اعتبار سے علوم و معارف اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔

علماء کرام نے فرمایا کہ اس حدیث میں علم کو پھیلانے اور دوسرے کو علم کی روشنی سے منور کرنے کی ترغیب دلانا مقصود ہے، کبھی کبھار کوئی مختصر ہی سی بات ہوتی ہے وہ آدمی کی ہدایت کے لئے کافی و شافی ہو جاتی ہے۔

ہشیار کو اک حرف نصیحت ہے کافی

نادان کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

بعض کہتے ہیں یہاں ”آیت“ سے مراد قرآن کی آیت ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ولو آیت“ سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ جزو حدیث سے بھی کر سکتے ہیں ^(۱) بشرطیکہ وہ سمجھ میں آجائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ جب قرآن جس کی حفاظت کا وعدہ خداوند قدوس نے خود اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے، اس کے باوجود اس کی تبلیغ کا حکم ہے تو حدیث کی تبلیغ کا حکم تو بطریق اولیٰ ضروری ہو جانا چاہئے۔ ^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.

تَخْرِیجِ حَدِیثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الانبیاء (باب ما ذکر عن بنی اسرائیل).

تَرْکِیْبِ حَدِیثٍ: بلغوا: فعل ضمیر فاعل۔ عنی: جار مجرور سے مل کر بلغوا کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ لو: شرطیہ۔
آیہ: خبر فعل محذوف کانت کی۔ کانت: فعل ناقص ضمیر اس اسم، کانت اپنے اسم اور خبر سے مل کر شرط ماقبل کا جملہ جزا پر دال تھا اس لئے جزاء محذوف ہوگی۔



ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھو

﴿۱۴۱﴾ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ.

تَرْجَمَہ: ”ہر ایک شخص کو اس کے مرتبہ پر رکھو۔“

لُغَاتُک: اَنْزِلُوا، اَنْزَلَ (افعال) اِنْزَالًا، بمعنی اتارنا، ”اَنْزَلَ الضَّيْفَ“، مہمان کا اتارنا، نَزَلَ (ض) نَزُولًا، اترنا۔ مَنَازِلَهُمْ: جمع مَنْزِل اترنے کی جگہ، مکان۔

تَشْرِیْح: ہر شخص کو اس کے مرتبہ پر اتارنا چاہئے، جس درجہ کا آدمی ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے، فرشتوں کے بارے میں خدا تعالیٰ کا خود ارشاد مبارک ہے: ﴿وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ﴾، کہ ہر ایک فرشتے کے لئے مخصوص مقام ہے، اگر خادم کو مخدوم کی جگہ اور مخدوم کو خادم کی جگہ یا چپڑاسی کی جگہ آفیسر کو اور آفیسر کی جگہ چپڑاسی کو بٹھادیا جائے تو سارا نظام ہی ختم ہو جائے گا، ایک اور جگہ پر خدا تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: (۱)

﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾

تَرْجَمَہ: ”ہم نے درجے بلند کر دیے بعض کے بعض پر۔“

علامہ قطب الدین رحمہ اللہ اس حدیث کے ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان فرماتے ہیں، ایک مرتبہ وہ کھانا کھا رہی تھیں ایک فقیر گذرا اس کے سوال کرنے پر اس کو ایک روٹی کا ٹکڑا بھیج دیا، کچھ ہی دیر کے بعد ایک سوار گذرا، اس کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا ابھیجا کہ اس کو کہو کہ کھانا حاضر ہے اگر خواہش ہو تو تناول کر لیں، اس پر حاضرین میں سے کسی نے اس مختلف برتاؤ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ جناب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا: ”اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ“۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة على الخلق“ ص ۴۲۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عائشة ان النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: انزلوا الناس منازلهم.

تَحْنِیْح حَدِیْث: اخرجه ابو داؤد فی کتاب الادب (باب فی تنزیل الناس منازلهم).

تَرْکِیْب حَدِیْث: انزلوا: فعل ضمیر فاعل۔ الناس: مفعول بہ۔ منازلهم: مضاف مضاف الیه سے مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

سفارش کرنے سے ثواب ملتا ہے

①۴۵ اِشْفَعُوا فَلْتُوجِّرُوْا.

تَرْجَمَةً: ”سفارش کرو تا کہ تمہیں سفارش کا ثواب مل جائے۔“

لِغَاثِكُمْ: اِشْفَعُوا: شَفَعَ (ف) شَفَاعَةً لِفُلَانٍ، فِیْہِ، الٰہی زید، سفارش کرنا۔ فَلْتُوجِّرُوْا: اَجَرَ (ن، ض) عَلٰی کَذَا، بدلہ دینا، مزدوری دینا۔

تَشْرِیح: کسی کی سفارش کرنا گویا اس شخص سے ہمدردی کرنا ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے لوگوں کو اس حدیث میں یہ حکم دیا کہ ایک دوسرے کی سفارش (یعنی ہمدردی کیا کرو) اس حدیث میں یہ شرط نہیں کہ جس کی سفارش کر رہا ہے وہ قبول بھی ہو، اگر قبول بھی نہ ہوئی تب بھی اس کو پورا ثواب ملے گا۔ (۱)

کسی ناجائز مقصد کے لئے یا وہ حدود جو شریعت نے مقرر فرمائیں ہیں، ان سب میں سفارش کرنا شرعاً جائز نہیں ہے بلکہ ایسی چیزوں میں سفارش کرنے والے گناہ گار بھی ہوں گے۔

اس حدیث کے مثل یہ آیت کریمہ بھی ہے: ﴿مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا﴾ جو شخص اچھی سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا۔ (۲)

مگر سفارش میں یہ شرط ہے کہ دباؤ یا اپنا اثر استعمال نہ کیا جائے، اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کی سفارش قبول نہ کی جائے تو وہ ناراض نہ ہو، اگر سفارش قبول نہ ہونے کی صورت میں ناراضگی یا دشمنی ہوتی ہو تو اس کا نام سفارش نہیں بلکہ اکراہ ہے، اسمیں ثواب کے بجائے گناہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سفارش کرنے والوں کے لئے اجر مقرر ہے خواہ اس کی سفارش قبول کی جائے اور کام ہو جائے یا اس کی سفارش رد کر دی جائے اور کام نہ ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة علی الخلق“ ص ۴۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عنه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان اذا اتاہ السائل او صاحب الحاجة قال: اشفعوا فلتوجروا ویقضی اللہ علی لسان رسوله ما یشاء.

تَحْرِیْجِ حَدِیْثِ: اُخْرِجْہُ مُسْلِمٌ فِی کِتَابِ الْبِرِّ وَالصَّلَةِ (باب استحباب الشفاعة واخرجه البخاری فی کتاب الادب باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضاً).

تَرْکِیْبِ حَدِیْثِ: اشفعوا: فعل ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر امر۔ فا: جوابیہ۔ لتوجروا: فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب امر، امر اپنے جواب امر سے مل کر جملہ فعلیہ (انشائیہ) ہوا۔

اللہ پر ایمان لانا اور پھر موت تک اس پر جمے رہنا

﴿۱۶﴾ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمَّ.

تَرْجَمَہ: ”کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر قائم رہ۔“

لُغَاتُہ: اِسْتَقِمَّ: بمعنی سیدھا ہونا، درست ہونا، قال تعالیٰ: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾.

تَفْسِیْرُہ: اس حدیث کا شمار بھی جوامع الکلم احادیث میں ہوتا ہے، حدیث کے صرف دو لفظوں میں پورے اسلام کا خلاصہ آ گیا، اول اللہ پر ایمان لانا، دوم: موت تک اس پر قائم رہنا۔^(۱)

اس حدیث کے مثل قرآن کی یہ آیت بھی ہے: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ﴾ جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہیں اور وہ لوگ بھی جو کفر سے توبہ کر کے آپ کی ہمراہی میں ہیں اور دائرہ سے ذرا مت نکلویقیناً وہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے، قرآن میں اور بھی کئی جگہوں پر استقامت کا حکم دیا گیا ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ استقامت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: دنیا میں سیدھے راستے پر قائم رہنا قیامت کے دن پل صراط پر گزرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

استقامت کیا ہے؟ اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں مثلاً ابن زید رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت پر جمنے کا نام استقامت ہے، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کلمہ توحید پر جمنے کا نام ہے، اور رابع رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ کے علاوہ سب سے اعراض کرنے کا نام ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اخلاص کا نام ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ادائے فرض کو کہتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ تمام احکامات اور اوامر و نواہی پر سیدھے جمے رہیں، لومڑی کی طرح ادھر ادھر راہ فرار اختیار نہ کریں۔

سب اقوال کا خلاصہ یہی ہے کہ موت تک دین پر جمے رہنے کا نام استقامت ہے، اسی وجہ سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ اَلْفِ كَرَامَةٍ“ استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔ بعض محققین علماء نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عموماً قرآن مجید سے ہی ماخوذ ہوتے ہیں، سعید بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ: میں نے کتاب الصلوٰۃ پر غور کیا تو مجھ کو تمام احادیث کا مرجع قرآن پاک میں مل گیا۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سفیان بن عبد اللہ الثقفی قال: قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قل لی فی الاسلام قولاً لا اسئل عنه احدا بعدک، وفی روایۃ غیرک قال: قل امنت باللہ ثم استقم.

تَخْرِیجُ حَدِیثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان (باب جامع اوصاف الاسلام) و اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی حفظ اللسان).

تَرْکِیْبُ حَدِیثٍ: قل: فعل امر ضمیر فاعل - آمنت: فعل ضمیر فاعل - باللہ: جار مجرور متعلق فعل کے ہو کر جملہ ہو کر مقولہ۔ قل اپنے فاعل اور مقولہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ثم: عاطفہ۔ استقم: فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



جو چیز شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو

﴿١٤٧﴾ دَعْ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ.

ترجمہ: ”جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو، جو تم کو شک میں نہ ڈالے اس کو کرو۔“

لُغَاتُ: دَعْ: وَدَعَ (ف) وَدَعَا، چھوڑنا۔ يُرِيكَ: شک میں ڈالنا، تہمت لگانا۔

تشریح: علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک کسوٹی بیان کی گئی ہے کہ جو قول یا فعل تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو۔ جس پر دل مطمئن ہو، اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ ”اپنے دل سے فتویٰ لو، اگر دل میں خلجان ہے اگرچہ مفتی حضرات نے ظاہر کو دیکھ کر جائز ہونے کا فتویٰ دے بھی دیا ہو مگر اطمینان قلب نہیں تو اس پر عمل نہ کرو“، اس کی مثال ایسے سمجھی جائے کہ ایک آدمی کے پاس حرام اور حلال دونوں قسم کا مال ہے وہ اس میں سے کچھ آپ کو دینا چاہتا ہے مگر آپ کا دل مطمئن نہیں کہ ممکن ہے کہ حرام مال بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، تو اس صورت میں آپ اس کو قبول نہ کریں کیونکہ قبول کرنا یہ شک میں ڈالنے والا ہے بخلاف قبول نہ کرنا اس لئے اس کو اختیار کرنا شک سے بچنا ہوگا، مگر یہاں پر ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ یہ کسوٹی اور قانون اس شخص کے لئے ہے جس کا دل خواہشات نفسانی کی کدورت سے پاک ہو ورنہ عام لوگوں کے لئے تو جو مفتی فتویٰ دے گا اس پر عمل کرنا ہی ضروری ہوگا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکسب وطلب الحلال“ ص ۲۴۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دَعْ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ قَالَ الصَّدُق طَمَانِيَةً وَإِنِ الْكَذِبَ رِيَّةً.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب صفة القيامة وقال هذا حديث صحيح وأخرجه الامام احمد فی مسنده ۱/۲۰۰ والنسائی.

ترکیب حدیث: دَعْ: فعل امر ضمیر فاعل۔ ما: موصول۔ یریک: فعل ضمیر فاعل۔ لک: مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ اور یہ جملہ ما کے لئے صلہ، موصول صلہ سے مل کر دَعْ کے لئے مفعول۔ انی: حرف جار۔ ما: موصول۔ لا یریک: فعل، فاعل اپنے مفعول سے مل کر جملہ ہوا اور پھر یہ جملہ صلہ موصول کا، موصول صلہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق دَعْ فعل کا، دَعْ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

برائی کے بعد فوراً نیکی کرلو

﴿۱۴۸﴾ اَتَقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمَحُّهَا.

ترجمہ: ”اللہ سے ڈرو جہاں بھی ہو، اگر تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو تاکہ وہ اس برائی کو مٹا دے۔“

لُغَاتِی: تَمَحُّهَا: مَحَا (ن) مَحَوُ الشَّيْءِ، مٹانا۔

تَشْرِیْح: یہ ارشاد مبارک دو نصیحتوں پر مشتمل ہے جو دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کو جامع ہے، اول: جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرو، اسی کا نام تقویٰ ہے، تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی شرک سے برائت اختیار کرے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا سب سے احتراز کرے، ان دو کے درمیان تقویٰ کے اور بہت سے درجات ہیں۔ (۱)

”حیث ما کنت“: خدا کا خوف ہر حال میں ہو خواہ آدمی جلوت میں ہو یا خلوت میں، سفر میں ہو یا حضر میں کیونکہ کوئی حالت بندوں کی اللہ سے پوشیدہ نہیں، تقویٰ کی اہمیت کی وجہ سے قرآن مجید میں جگہ جگہ پر ”اتقوا اللہ“ وارد ہوا ہے اور احادیث نبویہ میں بھی بہت سی جگہ پر اللہ سے ڈرنے کا حکم آیا ہے، دوسری نصیحت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی کہ آدمی سے ہی خطاء و لغزش ہوتی ہے، جب بھی ہو جائے تو اس کا علاج فوراً نیکی کرنے کے ساتھ کر لے، جیسے کہ قرآن مجید میں بھی ارشاد خداوندی ہے: ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (۲) البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب بھی آدمی سے کوئی گناہ ہو جائے، فوراً اس کے جنس سے کوئی نیکی کر لے، مثلاً اگر شراب نوشی کی ہے تو اس کے بدلہ میں حلال چیز کسی کو کھلا دے اور گانا بجانے میں مشغول ہوا تھا تو اب تلاوت قرآن پاک کر لے یا سن لے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرفق والحياء وحسن الخلق“ ص ۴۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اتق اللہ حیث ما

کنت، واتبع السيئة الحسنه تمحها وخالق الناس بخلق حسن.

تَخْرِیجِ حَدِيث: أخرجه الترمذی فی ابواب البر والصلة (باب معاشرۃ الناس) وقال هذا

حدیث حسن صحیح واخرجه الدارمی (فی باب حسن الخلق) ۲/۲۳۱.

تَرْکِیْبِ حَدِيث: اتق: فعل ضمیر فاعل۔ لفظ اللہ: مفعول۔ حیث: مضاف۔ ما: موصولہ۔ کنت: فعل تام ضمیر فاعل، فعل اپنے

فاعل سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مضاف الیہ ہو کر مفعول فیہ ہوا فعل اتق کا، اتق فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل

کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، ”و اتبع السيئة الحسنه تمحها“ وتبع فعل امر، السيئة مفعول اول، الحسنه مفعول ثانی، فعل اپنے

دونوں مفعولوں سے مل کر امر، تمحها: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جواب امر، امر اپنے جواب امر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

لوگوں سے اچھے اخلاق سے سلوک کرو

﴿۱۹﴾ وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنِ.

ترجمہ: ”لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔“

لُغَاتِی: خَالِقٌ (ن)، پیدا کرنا، مُخَالَفَةٌ: خوٹھوئی کے ساتھ زندگی گزارنا۔

تفسیر: اس حدیث میں بطور نصیحت کے یہ فرمایا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ سب سے ہی اچھا سلوک رکھے اور ہر ایک سے اخلاق سے پیش آئے، حدیث بالا کے مضمون کو ذخیرہ احادیث میں بہت ہی کثرت سے اجاگر کیا گیا ہے، مثلاً ایک روایت میں ہے:

”مَا خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ“

ترجمہ: ”بہترین عطاء خدا کی طرف سے انسان کو خوش خلقی ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں ایسے شخص کو کامل ترین ایمان والا ارشاد فرمایا گیا ہے، (۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو بہت راتوں کو عبادت میں جاگتا ہو اور دنوں میں روزہ رکھتا ہو، (۲) اسی طرح جب آپ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرما رہے تھے اور ان کا ایک پاؤں رکاب میں تھا، اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اے معاذ! لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ (۳)

حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ: اے ابراہیم! اپنے اخلاق کو اچھا رکھو اگرچہ کفار کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوتا کہ نیکو کاروں کے زمرے میں داخل ہو جاؤ (۴) خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اخلاق ہی کے ذریعہ سے انسان اللہ اور اس کے بندوں کے نزدیک محبوب بن سکتا ہے، اس لئے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرے۔ اللہم ارزقنا خلقا کخلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرفق والحياء وحسن الخلق“ ص ۴۳۲ پر ہے، پوری حدیث گزشتہ حدیث نمبر ۱۴۸ کے ضمن میں مذکور ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب البر والصلة (باب ماجاء فی معاشرۃ الناس) وقال هذا حدیث حسن صحیح واخرجه الدارمی (فی باب حسن الخلق ۲/۲۳۱)۔

ترکیب حدیث: خالق: فعل ضمیر فاعل۔ الناس: مفعول۔ باء: جار۔ خلق: موصوف صفت سے مل کر مجرور ہوا۔ جار اپنے مجرور سے مل کر خالق فعل کے متعلق ہوا۔ خالق: فعل۔ اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

مؤمن کو اپنا دوست بناؤ

(۱۵۰) لَا تَصَاحِبِ إِلَّا مُؤْمِنًا.

تَرْجَمَہ: ”ساتھی مت بناؤ مگر مؤمن کو۔“

لُغَاتِک: تَصَاحِب: مُصَاحَبَةً، صَحِبَ (س) صُحْبَةً دوستی کرنا، ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔
تَشْرِیْح: اس حدیث پاک میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ دشمنانِ دین کے ساتھ ایسی صحبت وہم نشینی اختیار نہ کی جائے جس سے آدمی کو خود کفر و شرک میں (معاذ اللہ) مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو جائے کیونکہ صحبت کا بہت اثر پڑتا ہے، اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ: ”صحبت صالح ترا صالح کند۔“

سچی اور پکی دوستی صرف اسی سے کی جائے جس کے عقائد و نظریات صحیح ہوں جس کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

تَرْجَمَہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“

علماء کرام نے لکھا ہے کسی کو اپنا دوست بنانے سے پہلے یہ غور کرنا ضروری ہے کہ جس کے ساتھ دوستی کر رہا ہوں اس کے عقائد اور اعمال بھی صحیح ہیں یا نہیں، کہیں اس کی وجہ سے یہ گمراہی کی وادی میں پہنچ جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ کسی نے پوچھا کہ ہم نشین کیسے ہوں؟ کن لوگوں میں بیٹھا کریں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

”مَنْ ذَكَرَ كُمْ اللَّهُ رُؤْيَتْهُ وَزَادَ فِي عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهُ وَذَكَرَ كُمْ الْآخِرَةُ عَمَلُهُ“

تَرْجَمَہ: کہ جس کو دیکھنا تمہیں اللہ کی یاد دلائے اور جس کی بات سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت یاد آئے۔^(۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر طویل بحث فرمائی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں، دوست بنانے سے پہلے دوست میں چند باتوں کو دیکھا جائے:

اول: اس سے علم و عمل میں استفادہ مقصود ہو اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔

دوم: جس سے دل پریشان نہ ہو اور وہ عبادت سے روکنے والا نہ ہو۔

سوم: مصیبت اور حوادث کے وقت کام آئے۔

چہارم: ایک دوسرے کے لئے دعا کرتے ہوں۔

پنجم: آخرت میں شفاعت کی امید ہو۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحب فی اللہ ومن اللہ“ ص ۴۲۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن ابی سعید
 انه سمع رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یقول: لا تصاحب الا مؤمنا ولا یأکل طعامک الا تقی۔
 تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی صحبة المؤمن) و اخرجہ ابوداود
 فی کتاب الادب (باب من یومر أن یجالس)۔
 ترکیبِ حَدِیْثٍ: لا تصاحب: فعل نہی ضمیر فاعل۔ الا: استثناء لغو۔ مؤمنا: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ
 فعلیہ انشائیہ ہوا۔



متقی کو اپنا کھانا کھلاؤ

﴿۱۵۱﴾ وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيًّا.

تَرْجِمَہ: ”تمہارا کھانا کوئی نہ کھائے مگر پرہیزگار۔“

لُغَاتُک: تَقِيًّا: پرہیزگار، جمع اتَّقِيَاء آتی ہے۔

تَفْسِیْرُک: اس حدیث سے کئی مطالب محدثین رحمہم اللہ نے بیان فرمائے ہیں: منجملہ ان میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو خطاب ہے کہ تم اپنی روزی حلال اور جائز طریقہ سے حاصل کرو تا کہ پرہیزگار مسلمانوں کے کھانے کے وہ قابل ہو جائے، ^(۱) یا مطلب یہ ہے کہ اپنا کھانا صرف متقی اور پرہیزگار ہی کو کھلاؤ کیونکہ اس کے بعد وہ عبادت کریں گے اس کا ثواب کھانا کھلانے والے ہی کو ملے گا اور اگر بدکردار کو کھلایا خدا نخواستہ اگر وہ کوئی گناہ کرے تو کھانا کھلانے والا بھی اس گناہ میں شریک ہوگا بوجہ اس کی اعانت کے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں جو متقی کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے وہ صرف دعوت اور تقاریب کے موقعہ کی بات ہے ورنہ شریعت نے تو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

تَرْجِمَہ: وہ کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔

علماء کرام تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ بھوک سے بچانے کی وجہ سے کافر کو بھی کھانا کھلانا جائز ہے۔ ^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحب فی اللہ ومن اللہ“ ص ۳۲۶ پر ہے، پوری حدیث گزشتہ حدیث کے ضمن میں مذکور

ہے۔

تَحْنِیْحُ حَدِیْثُ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی صحبة المؤمن) وخرجہ ابوداؤد فی کتاب الادب (باب من یومر ان یجالس).

تَرْکِیْبُ حَدِیْثُ: لَا یَأْكُلْ: فعل نہی۔ طعامک: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول۔ الا: استثناء لغو۔ تَقِيًّا: فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

امانت ادا کرو اور خیانت نہ کرو

﴿۱۵۲﴾ اِذَا الْاَمَانَةُ اِلَىٰ مَنِ اثَّمْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.

”جس کسی نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے اس کو امانت دے دو اور جس کسی نے تمہارے

ساتھ خیانت کی تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔“

لُعَاثِك: اِدِّ: اَدَّى، تَأَدَّى الشَّيْءُ ادا کرنا، پہنچانا۔ اِثَّمْتَمَنَكَ: اَمِنَ، اِثَّمَنَ فَلَانًا عَلٰی كَذَا، کسی کو کسی چیز کا امین بنانا۔ تَخُنْ: خَانَهُ (ن) خِيَانَةً امانت میں خیانت کرنا۔

تَشْرِيحُ: اس حدیث میں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں: اول: ”الامانة“، دوم: ”تخن۔“

”امانت“ امن سے مأخوذ ہے بمعنی حفاظت یعنی امانت کو چھوڑ کر کوئی شخص امن میں نہیں رہ سکتا، امانت کی ضد خیانت ہے، یہ خون سے مشتق ہے، اس کا معنی کم کرنا، خیانت میں بھی وہ دوسرے کی چیز میں کمی کرتا ہے۔^(۱)

اس حدیث میں دو نصیحتیں کی گئی ہیں: پہلی یہ ہے کہ جب کوئی تمہارے پاس امانت رکھوائے تو تم اس کی حفاظت کرو، جب وہ طلب کرے تو اس کو پوری پوری واپس کر دو، ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میری امت اس وقت تک بھلائی پر رہے گی جب تک وہ امانت کو مال غنیمت اور صدقہ کو ٹیکس نہ سمجھنے لگے، ایک اور روایت میں جہاں منافقوں کی نشانیوں کو بیان فرمایا گیا ہے ان میں من جملہ اور نشانیوں کے ایک نشانی یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے تو وہ خیانت کرتا ہے۔^(۲)

اسی حدیث کے مثل قرآن کی یہ آیت بھی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾

تَوَجِّهًا: بے شک اللہ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔^(۳)

دوسری نصیحت حدیث بالا میں یہ ہے جب خائن تمہارے ساتھ خیانت کرتا ہے تو تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو، ورنہ دوسرا آدمی بھی خائن بن جائے گا، مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دلائل کی بناء پر اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں^(۴) جیسے کسی کا کسی پر حق ہو اور اس کا مال اس صاحب حق کے قبضہ میں بھی ہے تو یہ صاحب حق اس کے مال سے جو اس کے قبضہ میں ہے اپنے مال کے بقدر لے سکتا ہے، اس کی صورت یہ ہوگی مثلاً زید کے سو روپیہ بکر کے ذمہ واجب ہیں اور بکر کے ایک ہزار روپیہ زید کے قبضہ میں ہیں تو اب زید بکر کے ہزار میں سے اپنے سو روپیہ لے سکتا ہے۔

یہ روایت مشکوٰۃ میں ”باب الشركة والوكالة“ ص ۲۵۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

وعن النبی صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اَدِ الْاَمَانَةَ اِلَى مَنْ اَثِمْنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.

تَخْنِجُ حَدِیث: اخرجہ ابوداؤد فی کتاب البیوع (باب فی الرجل يأخذ حقه من تحت یدہ) و اخرجہ الدارمی (فی باب اداء الامانة عنه).

تَرْکِیْبُ حَدِیث: اَدِ: فعل ضمیر فاعل۔ الامانة: مفعول۔ الی: حرف جار۔ من: موصولہ۔ ائتمنک: فعل ضمیر فاعل۔ ک: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور جار اپنے مجرور سے مل کر فعل کے متعلق، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ لَا تَخُنْ: فعل ضمیر فاعل۔ من: موصول۔ خانک: فعل فاعل۔ ک: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صلہ من کا، موصول صلہ سے مل کر تَخْنِ کے لئے مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



بہترین لوگوں کو مؤذن ہونا چاہئے (۱۵۲) لِيُؤْذَنَ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلِيُؤْمَمَّكُمْ قُرَائُكُمْ.

ترجمہ: ”تم میں سے بہترین لوگ اذان دیں اور تمہارے قراء تمہاری امامت کریں۔“
لَعَنَ: لِيُؤْذَنَ: اَذَنٌ، تَأْذِينًا، اَذَنٌ لِلصَّلَاةِ، اذان دینا۔ لِيُؤْمَمَّكُمْ: اَمَّ (ن) اَمَّا بِالْقَوْمِ، امام بننا امامت کرنا۔ قُرَائُكُمْ: جمع القارئ، پڑھنے والا، عبادت گزار۔

تشریح: اسلام کے اہم رکن میں سے نماز اور روزہ بھی ہے، اس کے اوقات کی ذمہ داری مؤذنون پر ہے، اس وجہ سے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ بہترین لوگ اذان دیں تاکہ غلطی نہ کریں، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اذان عالم بالا اوقات دے تاکہ مؤذنین کا ثواب حاصل کرے، (۱) بعض علماء اس حدیث کا ایک مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ: مؤذن کو بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دینی ہوتی ہے تو بسا اوقات اس کی نظر لوگوں کے گھروں پر پڑتی ہے، تو اب اگر وہ دیندار ہوگا تو اپنی نظر کو نامحرم پر پڑنے سے بچائے گا۔

”ولِيُؤْمَمَّكُمْ قُرَائُكُمْ“ امام کے بارے میں اس جزء میں یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو دین کے اعتبار سے سب سے بہتر ہو وہ نماز پڑھائے، علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مراد اس سے وہ شخص ہے جو احادیث اور عہد صحابہ کو اچھی طرح جانتا ہو اور مسائل سے بھی واقف ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا تھا کیونکہ وہ سب سے بڑے عالم تھے۔ (۲)

اسی وجہ سے ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، تمہارے امام تمہارے لئے قیامت کے دن شفاعت کریں گے پس تم میں جو بہتر ہو اس کو آگے کرو۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الامامة“ ص ۱۰۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لِيُؤْذَنَ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلِيُؤْمَمَّكُمْ قُرَائُكُمْ.

تخریج حدیث: اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الصلوة (باب من اُحق بالامامة) اخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الاذان (باب فضل الاذان وثواب المؤذنین).

ترکیب حدیث: لِيُؤْذَنَ: فعل۔ لکم: جار مجرور متعلق فعل ہے۔ خیارکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ: حرف عطف، لِيُؤْمَمَّكُمْ: فعل۔ کم: مفعول۔ قرائکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

جو پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت مت دو

(۱۵۷) لَا تَأْذَنُوا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ.

تَرْجَمَہ: ”ایسے شخص کو اجازت نہ دو جو سلام سے پہل نہ کرے۔“

تَشْرِیح: مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی آئے اور بغیر سلام کے اندر آنے کی اجازت طلب کرے تو ایسے شخص کو اندر آنے کی اجازت مت دو، یہی قرآن مجید سے بھی مفہوم ہوتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا﴾

تَرْجَمَہ: اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک

کہ (ان) سے اجازت حاصل نہ کرو اور (اجازت لینے سے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔^(۱)

اگر کوئی سلام نہ کرے تو اس کو کہا جائے گا کہ واپس جا کر سلام کرو اور پھر اجازت لے کر داخل ہو، ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ: ایک صحابی کہتے ہیں:

”فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ وَلَمْ أُسْتَأْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلِ السَّلَامُ

عَلَيْكُمْ أَذْخُلُ؟“^(۲)

تَرْجَمَہ: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے نہ سلام کیا اور نہ ہی اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا واپس جاؤ اور السلام علیکم کہو اور اندر آنے کی اجازت طلب کرو۔

اجازت طلب کرنے کا مسنون طریقہ جو احادیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان پہلے دروازے پر کھڑے ہو کر اہل خانہ کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہے اور پھر اپنا نام بتائے پھر اندر آنے کی اجازت طلب کرے، اب اگر اجازت مل جائے تو اندر داخل ہو جائے ورنہ واپس ہو جائے۔ احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب اہل خانہ پوچھیں کون ہے؟ تو اپنا نام بتائے کہ میں فلان ابن فلاں ہوں، اس وقت خاموش نہ رہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی عادت ہوتی ہے، اسی طرح ”میں ہوں“ یہ بھی نہ کہے بلکہ اپنا نام بتائے۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ: میں حضور ﷺ کے پاس گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کون؟ میں نے کہا کہ ”أنا“، یعنی میں ہوں، تو آپ نے فرمایا: ”أنا أنا كانه كره“ میں میں یعنی آپ نے اس کو ناگوار محسوس فرمایا، اس لئے پوچھنے پر اپنا نام بتانا چاہئے۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاستیذان“ میں ۴۰۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جابر رضي الله عنه ان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: لا تأذنوا لمن لم يبدأ بالسلام.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: عزاه صاحب المشكوة الى البيهقي.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: لا تأذنوا: فعل نہی ضمیر فاعل۔ لام: حرف جار۔ من: موصول۔ لم يبدأ: فعل ضمیر فاعل۔ باء: جار۔ السلام: مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا "لم يبدأ" فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور لا تأذنوا کے متعلق، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔



سفید بالوں کو نہ اکھیڑو

﴿۱۵۵﴾ لَا تَتَنَفَّوْا الشَّيْبَ فَإِنَّهُ نُورُ الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: ”سفید بالوں کو نہ اکھیڑو کیونکہ وہ مسلمان کے لئے نورانیت کا سبب ہے۔“

لُغَاتُكَ: لَا تَتَنَفَّوْا: تَنَفَّ (ض) نَتَفَّ الشَّعْرَ بَالٍ اَكْهَارًا۔ الشَّيْبُ: بمعنی سفید بال، شَاب (ض) شَيْبًا وَشَيْبَةً (ض) بُوڑھا ہونا، سفید بال والا ہونا، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَأَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾.

تَشْرِیْحُ: ”لا تَتَنَفَّوْا الشَّيْبَ“: سفید بالوں کو مت نوچو، اگرچہ یہ بڑھاپے کی نشانی ہے مگر بڑھاپا تو انسان کا وقار ہے اسی وقار کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں اور بے حیائیوں سے رک جاتا ہے اور اسی بڑھاپے کی وجہ سے انسان توبہ و استغفار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

”فانہ نور المسلم“: بعض علماء کرام اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: قیامت کے دن ظلمت و تاریکی ہوگی اس دن یہ نور ہوگا اور اس کو کام دے گا، یا مطلب یہ ہے کہ یہ نور ہوگا اور انسان کے آگے آگے چلے گا جس کو قرآن کی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾

ترجمہ: ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا۔ (۱)

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ: بڑھاپے میں جو بال سفید ہوتے ہیں اس سے انسان کو ظاہری اعتبار سے نورانیت ملتی ہے اور انسان کا چہرہ خوبصورت معلوم ہونے لگتا ہے، حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہونے لگے تو انہوں نے اللہ سے پوچھا کہ اے اللہ! یہ کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا، اے اللہ! پھر تو اس کو اور زیادہ کر دے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الترجل“ ص ۳۸۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمر و بن شعيب عن ابيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تَتَنَفَّوْا الشَّيْبَ فانہ نور المسلم من شاب شيبه في الاسلام كتب الله له بها حسنة وكفر عنه بها خطيئة ورفع به درجة.

تَخْرِیجُ حَدِيثِ: اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الترجل (باب فی نتف الشيب) مع الفاظ مختلفة واخرجه الامام احمد فی مسنده.

ترکیبِ حدیث: لا تَتَنَفَّوْا: فعل ضمیر فاعل۔ الشيب: مفعول، فعل اپنے فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ فانہ: فا: تعلیلیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل، ضمیر اسم۔ نور المسلم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دنیا سے بے رغبتی کرو خدا محبت کرنے لگے گا

(۱۵۱) اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللَّهُ.

ترجمہ: ”دنیا سے زہد اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔“

لُغَاتُكَ: اِزْهَدْ: زَهَدَ (س، ف) زُهْدًا، زَهَادَةً فِي الشَّيْءِ، وَعَنْهُ، بے رغبتی کر کے چھوڑ دینا۔

تفسیر: ”زہد“ کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبتی اختیار کرنے کے ہیں، اصطلاح دین میں کہتے ہیں: لذات و مرغوبات سے بے رغبتی اختیار کی جائے اور عیش و تنعم کی زندگی کو چھوڑنے کا نام زہد ہے۔ (۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زہد کہتے ہیں خواہش دنیا کو چھوڑنا باوجود قدرت کے آخرت کی وجہ سے، خواہ وہ جہنم کے خوف کی وجہ سے ہو یا جنت کی طمع کی وجہ سے (۲) اس تعریف کی بناء پر بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ: حقیقی زہد اس شخص کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جس کے پاس مال وغیرہ نہ ہو بلکہ حقیقی زہد اس کو کہیں گے کہ ساری لذتوں کے موجود ہوتے ہوئے اس سے دور رہے۔

اسی وجہ سے ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے زہد کہہ کر پکارا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: زہد تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے دامن میں دنیا کھنچی آئی تھی ان سب کے باوجود وہ دنیا کی لذتوں سے ترک تعلق کیے ہوئے تھے۔ (۳)

امام غزالی ”مکاشفۃ القلوب“ میں فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تو دنیا سے بے تو جہی اختیار کر اور آخرت کی طرف متوجہ رہ تو تو ایسے گھر کے قریب پہنچ جائے گا جو اس دنیا کے گھر سے بدرجہا بہتر ہے۔ (۴) اسی وجہ سے ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی دنیا کی محبت بہت سی آخرت سے روکتی ہے۔ (۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سهل ابن سعيد رضى الله تعالى عنه قال: جاء رجل فقال يا رسول الله: دلني على عمل اذا انا عملته احبني الله واحبني الناس قال: ازهد في الدنيا يحبك الله وازهد فيما عند الناس يحبك الناس.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی کتاب الرقاق۔ وأخرجه ابن ماجة فی کتاب الزهد (باب الزهد فی الدنيا).

ترکیب حدیث: ازهد: فعل ضمیر فاعل۔ فی الدنيا: جار مجرور متعلق ازهد کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر امر۔ يحبك: فعل۔ ك: مفعول۔ لفظ الله: فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول لہ سے مل کر جواب، امر اپنے جواب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(۳) مرقاة ۳۶۹/۹ ومظاہر حق ومعارف الحدیث ۲/۹۴

(۲) مرقاة ۳۶۸/۹

(۱) معارف الحدیث ۲/۹۳

(۵) احیاء العلوم ۲/۲۵۶

(۴) مکاشفۃ القلوب ص ۲۳۶

لوگوں کے پاس جو ہے اس سے بھی زہد کرو

﴿۱۵۷﴾ وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ.

ترجمہ: ”لوگوں کے پاس جو ہے اس سے زہد اختیار کرو، لوگ تم سے محبت کریں گے۔“

لُغَاتُ: النَّاسُ: بمعنی لوگ، یہ اسم جنس ہے کبھی کبھی اس کی جمع ”اِنْسَانٌ“ بھی آتی ہے۔

تشریح: یہ عام مشاہدہ ہے کہ جو لوگوں سے سوال کرتا ہے تو ایک دو دفعہ دینے کے بعد وہ اس سے دور بھاگنے لگتا ہے اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو شخص اپنے فاقہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا کیونکہ آج ایک ضرورت کے لئے بھیک مانگی وہ احتیاج ختم ہوگی تو کل اس سے اہم کوئی ضرورت پیش آ جاتی ہے، جب تک یہ لوگوں سے مانگتا رہے گا آدمی خود ہی فقیر ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ شانہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ﴾

ترجمہ: اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ کی طرف۔

جب ایک فقیر دوسرے فقیر سے مانگے گا تو فقیر کب تک دوسرے کو دے گا اور جو فقیر غنی (یعنی اللہ) کے سامنے اپنے ہاتھ کو پھیلائے گا تو وہ ضرورت بھی پوری ہوگی اور دوسری ضرورت پیش نہ آئے گی اور اگر آئی تو اس کا انتظام مالک ساتھ ہی کر دے گا۔ (۱)

خلاصہ یہ ہوا کہ جو لوگوں سے مانگتا ہے تو لوگ اس سے نفرت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور جو خدا سے مانگتا ہے تو خدا اس سے خوش ہو جاتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دعاؤں میں سے ہے:

”اللَّهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِي عَنْ سُجُودٍ غَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِي عَنِ الْمَسْئَلَةِ غَيْرِكَ“

ترجمہ: اے اللہ! جیسا کہ تو نے میرے سر کو اپنے غیر کے سامنے سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا اسی طرح میری زبان کو اپنے غیر سے سوال کرنے سے محفوظ فرما۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۳۲ پر ہے، پوری حدیث گزشتہ حدیث نمبر ۱۵۶ کے ضمن میں مذکور ہے۔

ترکیبِ جَرِیث: ازہد: فعل ضمیر فاعل۔ فی: حرف جار۔ ما: موصولہ۔ عند الناس: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فعل محذوف کا مفعول فیہ ہو کر صلہ موصولہ کا۔ موصولہ صلہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا۔ جار اپنے مجرور سے مل کر ازہد کے متعلق ہو کر امر۔ یحبک: فعل۔ ک: مفعول۔ الناس: فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جواب امر۔ امر اپنے جواب امر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

دنیا میں مسافر کی طرح رہو

﴿۱۵۸﴾ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ.

تَرْجَمَہ: ”دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ پردیسی ہے یا راستہ چلنے والا مسافر۔“

لُغَاتِی: غَرِيبٌ: بمعنی مسافر، جمع غُرَبَاءُ آتی ہے، غَرَبَ (ن) غُرْبَةً وَغُرْبًا وَغَرَابَةً پردیسی ہونا۔ عَابِرٌ: (اسم فاعل) گذرنے والا، جمع عَبَّار، عَبْرَةٌ آتی ہے، عَبَرَ (ن) عَبْرًا عَبُورًا السَّبِيلَ، گذرنا، راستہ گذرنا۔

تَشْرِیْحٌ: غریب کے معنی مسافر کے ہیں، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سفر میں مسافر کسی لغو چیز میں مشغول نہیں ہوتا تو اسی طرح ہر مسلمان کا ہمہ وقت آخرت کی طرف سفر ہے تو اس کو بھی لغو اور غلط چیزوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، یا اس حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی مسافر پردیس اور رہ گذر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا، تو اسی طرح مسلمان کو بھی چاہئے کہ دنیا کو اپنا وطن اصلی نہ سمجھے بلکہ ہمہ وقت وطن حقیقی (آخرت) کی ہی فکر میں رہے۔ (۱)

یا اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح مسافر ضرورت کی چیزوں کو صرف لیتا ہے بہت سامان جمع کرنے کی فکر نہیں کرتا تو اسی طرح مسلمان کو چاہئے کہ دنیا کی چیزوں کو جمع نہ کرے بلکہ بقدر ضرورت ساتھ رکھے اور آخرت میں کام دینے والی چیزوں میں لگا رہے۔

دوسرا لفظ اس حدیث میں ”عابر“ ہے، اس کا معنی ہے گذرنے والا مسافر اور ”او“ بھی بل کے معنی میں آتا ہے (۲) علماء کرام کہتے ہیں: اس لفظ میں اسی او پر والی بات میں مزید مبالغہ پیدا کیا گیا ہے کہ مسافر تو کسی نہ کسی جگہ پر کچھ مختصر سا قیام کر بھی لیتا ہے یا دوسرے کوئی کام کاج بھی معمولی سا کر لیتا ہے مگر چلتا ہوا مسافر نہ ہی کسی جگہ قیام کرتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کام میں مشغول ہوتا ہے، اس میں مسلمان کو ترغیب ہے کہ دنیا میں رہو تو سہی مگر آخرت کی تیاری کرتے رہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تمنی الموت وذكره“ ص ۱۳۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنكبى فقال: كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل وكان ابن عمر يقول: اذا امسيت فلا تنتظر الصباح واذا اصبحت فلا تنتظر المساء وخذ من صحتك لمرضك ومن حياتك لموتك.

تَخْرِیجٌ حَدِيثٌ: اخرجه البخارى فى كتاب الرقاق (باب قول النبى صلى الله عليه وسلم كن فى الدنيا

كانك غریب او عابر سیل)۔

ترکیبِ حَذِیث: کن: فعل ناقص ضمیر اس کا اسم۔ فی الدنيا: متعلق۔ کانتک: کان حرف مشبہ بالفعل۔ ک: اس کا اسم غریب: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ عابر سیل: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر کان کی خبر اور کان اپنے اسم اور خبر سے مل کر کن کی خبر۔ کن فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔



جائیداد مت بناؤ

(۱۵۹) لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فِتْرَ غَبُورًا فِي الدُّنْيَا.

تَرْجَمَہ: ”جائیداد مت بناؤ تم دنیا میں رغبت کرنے لگو گے۔“

لُغَاتِک: الضَّيْعَةُ: بمعنی جائیداد۔

تَشْرِیْح: علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ اس شخص کے لئے منع ہے جو حصول جائیداد میں اتنا مشغول و منہمک ہو جائے کہ آخرت کی فکر نظروں سے اوجھل ہو جائے اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرتا رہتا ہے تو ایسے شخص کے لئے جائیداد بنانا منع نہیں ہے (۱) جائیداد بنانے سے انسان کے دل میں دنیا میں رہنے کی رغبت آئے گی اور شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ انسان کی رغبت آخرت ہی کی طرف ہو کیونکہ دنیا کی مثال تو ایک پل کی سی ہے جس سے گذر کر ہی آدمی جنت میں جاسکتا ہے، پل صرف گزرنے کے لئے بنایا گیا ہے نہ کہ اس پر عمارت یا جائیداد بنائی جائے، یہی بات امام غزالی رحمہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نقل کی ہے کہ دنیا کی مثال ایک پل کی طرح ہے اس سے گذر جاؤ اس پر عمارت وغیرہ نہ بناؤ (۲) دنیا میں چیزوں کو جمع کرنا اور جائیداد بنانا یہ آخرت کے بندوں اور عاقل کا کام نہیں ہے۔ ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے:

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد ❁ اگر دارد برائے دوست دارد
تَرْجَمَہ: مرد کامل وہ نہیں ہے جو دنیا کو دوست رکھے، اگر دنیا کو رکھے تو خدا کے لئے ہی رکھتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تتخذوا الضَّيْعَةَ فِتْرَ غَبُورًا فِي الدُّنْيَا.

تَخْرِیجِ حَدِیث: اخرجہ الترمذی فی کتاب الزہد وقال حدیث حسن.

تَرْکِیْبِ حَدِیث: لا تتخذوا: فعل نہی ضمیر فاعل۔ الضَّيْعَةُ: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر نہی۔ فاء: جوابیہ۔
ترغبوا: فعل ضمیر فاعل۔ فی الدنیا: جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب نہی۔ نہی اپنے جواب نہی سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

مزدور کو مزدوری کام کے ختم ہونے پر فوراً ادا کرو

﴿۱۶۰﴾ اَعْطُوا الْاَجِيرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهُ.

ترجمہ: ”مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔“

الْعَاثِمُ: اَجِيرٌ: بمعنی نوکر، مزدور، جمع اُجَرَاءُ آتی ہے، اِسْتَأْجَرَ: مزدوری پر کسی کو لینا۔ يَجِفُّ: جَفَّ (ض) جَفَافًا وَجُفُوفًا، خشک ہونا، صفت جَافٌ آتی ہے۔ عَرَقَةٌ: بمعنی پسینہ، عَرِقَ (س) عَرَقًا، پسینہ آنا۔

تَشْرِیحُ: جب کسی ضرورت کے لئے آدمی کسی سے کچھ کام لے تو اس کام کے ختم ہونے پر اس کی مزدوری اس کو دے دے اور اس کی مزدوری کے ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام نہ لے، انسان کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتی ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کے بعد اس کی اجرت نہ دینا نہ صرف شریعت اسلام کے خلاف ہے بلکہ شیوہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔^(۱)

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ“ یعنی غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔^(۲)

ایک روایت میں آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں قیامت کے دن تین اشخاص سے جھگڑوں گا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے کسی کو مزدور رکھا پھر اس کی اجرت پوری نہ کی ہو۔^(۳) حدیث کے الفاظ میں ”يَجِفُّ عَرَقُهُ“ کہ اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کو مزدوری دے دو، یہ مبالغہ کے طور پر فرمایا گیا ہے، مراد جلدی ادائیگی ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاجارة“ ص ۲۵۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعطوا الاجير اجره قبل ان يجف عرقه.

تَحْرِیْحُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الرهن (باب اجر الاجراء).

ترکیبِ حدیث: اعطوا: فعل ضمیر فاعل۔ الاجیر: مفعول۔ اجرہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول ثانی۔ قبل: مضاف، ان: مصدر یہ۔ یجف: فعل۔ عرقہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ ہوا۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور تینوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

ڈاڑھی رکھو اور مونچھوں کو کٹواؤ

(۱۶۱) خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَوْفَرُوا اللَّحْيَ وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ.

ترجمہ: ”مشرکین کی مخالفت کرو، اپنی ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹواؤ۔“

لُعَاتِك: اَوْفَرُوا: اَوْفَرَ زِيَادَةً كَرْنَا، بَرَهَانًا، وَفَرَ (ض) وَفَرًا لَهُ الْمَالُ، زِيَادَةً كَرْنَا۔ اللَّحْي: جَمْعُ اللَّحْيَةِ دَاڑْهِی، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ أَحْفُوا: أَحْفَى إِحْفَاءً شَارِبَهُ، مَوْنِجْهَ كَتَرْنِي فِي مِبَالِغَةٍ كَرْنَا، حَفَى (س) حَفًّا زِيَادَةً چلنے سے پاؤں کا تھکنا۔

تشریح: مشرکین کی عادت یہ تھی کہ وہ ڈاڑھیاں کٹواتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے، اب شریعت مطہرہ نے اس کے خلاف کرنے کا حکم دیا کہ تم ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ، آپ ﷺ کی بھی عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ جمعہ کی نماز میں جانے سے پہلے آپ ﷺ لبوں کے بال کاٹ لیا کرتے تھے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں کفار کی کلی طور سے مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ڈاڑھی کا رکھنا نصاً واجب قرار پایا اور ڈاڑھی منڈانے کی حرمت بھی اس حدیث سے نکل آئی کیونکہ ضابطہ معروف ہے:

”الَا مَرُّ بِالشَّيْءِ يَقْتَضِي النَّهْيَ عَنْ ضِدِّهِ“

(یعنی کسی کام کے کرنے کا حکم دینا اس کے خلاف کے کرنے سے ممانعت کا مقتضی ہوتا ہے) اس حدیث سے جہاں پر منڈانا حرام قرار پایا اسی طرح سے شخص رکھنا بھی منع ہو گیا کیونکہ اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔^(۱) اسی وجہ سے فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانا یا اتنی کتر وانا کہ ایک منٹھی سے کم رہ جائے حرام ہے۔^(۲) ایک مشت کی مقدار کی تحدید صریحاً اگرچہ کسی حدیث میں نہیں آتی غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ سے ایک مشت تک رکھنا تو ثابت ہے اس سے کم کروانا ثابت نہیں ہے۔^(۳) واحفوا الشوارب: مونچھ کو تراشنا سنت ہے، حضرت مولانا نور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الاحفَاءُ أَفْضَلُ مِنَ الْحُلْقِ“ تمام بال قبیخی سے اچھی طرح تراش لینا ہی پسندیدہ اور مختار ہے۔ مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں بھی اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ کتر وانا سنت ہے لیکن کتر وانا میں ایسا مبالغہ ہو کہ منڈنے کے قریب ہو جائے۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الترجل“ ص ۳۸۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

(۱) احناف کی کتابیں: فیض الباری ۴/۳۸۰، بذل المجہود ۳/۳۳، اشعۃ اللمعات ۱/۲۸۸، مالا بد منہ ۱۳۰ اور بہت سی کتب میں۔ شوافع کی کتاب عبادی شرح منہاج، مالکی کتاب: شیخ احمد نفراوی مشہور عالم ہیں امام ابو زید کے رسالہ کی شرح میں اس کی تصریح کی ہے، منہل العذب المورود ۱/۱۸۶ جن کی کتاب: الاقاع، مختصر المقتع، کشف التناع، فقہ ظاہری میں بھی یہی مسئلہ ہے۔ المحلی ۳/۳۲۰، نیل الاوطار ۱/۱۰۷۔

(۲) فتاویٰ رحیمیہ ۱/۷۵

(۳) معارف الحدیث ۲/۳۱۷

(۴) شمائل ترمذی ۹۳

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خالفوا
المشرکین اوفروا للہی واحفوا الشوارب وفي رواية انہکوا الشوارب واعفوا للہی.

پُتْرِیحِ حَدِیث: اخرجہ البخاری فی اللباس (باب تقلیم الاظفار).

تَرْکِیْبِ حَدِیث: خالفوا: فعل ضمیر فاعل۔ المشرکین: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔
اوفروا: فعل ضمیر فاعل۔ اللہی: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ واحفوا: فعل ضمیر فاعل۔
الشوارب: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف۔ معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



لوگوں کو بشارت سناؤ اور نرمی کا معاملہ کرو

﴿۱۷﴾ بَشِّرُوا وَلَا تُنْفِرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعْسِرُوا.

تَرْجَمَةٌ: ”لوگوں کو بشارت سناؤ، نفرت نہ دلاؤ، نرمی کا معاملہ کرو، تنگی نہ کرو۔“

لُعَاتِك: بَشِّرُوا: بَشَّرَهُ، تَبَشِيرًا، خوش خبری دینا، خوش کرنا، قال تعالى ﴿وَبَشِّرْنَاهُ بِاسْحَاقَ﴾ بَشَّرَ (ض، س) أَبَشَرُوا اسْتَبَشَّرَ، خوش ہونا۔ تُنْفِرُوا: نَفَرَهُ، تَنْفِيرًا، نفرت دلانا، نَفَرَ (ض) نَفَرًا مِنْ كَذَا، نفرت کرنا، ناپسند کرنا۔ يَسِّرُوا: يَسَّرَهُ بِفُلَانٍ، آسان کرنا، يَسَّرَ (ك) يُسِّرُ و (س) يَسِّرُ الامر، آسان ہونا، اسی سے يَسِيرُ آتا ہے، بمعنی آسان، قال تعالى ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ تُعْسِرُوا: عَسَرَ الامر، دشوار کرنا، عَلِيهِ تَنَكَّرْنَا، عَسِرَ (س، ك) عُسْرًا دشوار ہونا۔

تَشْرِيجُ: لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا، یہ ان کے جلب قلوب کے لئے اکسیر ہے، جب قلوب ان کے مائل ہو جائیں تو ان کا بات سنا اور لینا زیادہ آسان ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو کہا کہ: ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيْنًا﴾ کہ فرعون سے نرمی سے بات کرنا، اور اس کا نتیجہ بھی بیان فرمایا کہ ﴿لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾ کہ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خاشعین میں سے ہو جائے۔

پس اس حدیث میں مبلغین کو تبلیغ کا ایک اہم ترین اصول بیان فرمایا کہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرو ان کا دل دین کی طرف مائل ہو اور دین پر چلنا آسان ہو اور پھر لوگوں کے دلوں میں ان کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد پیدا ہوگی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا نرمی کرنا تنگی نہ کرنا، اور خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب بھی دو امور میں اختیار دیا گیا، آپ اس میں سے آسان کو اختیار فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ مسجد نبوی میں ایک اعرابی نے پیشاب شروع کر دیا تو لوگ اس کو روکنے کے لئے دوڑ پڑے تو آپ نے منع فرمایا، بعد میں پانی کا ڈول بہا دیا اور فرمایا کہ تمہیں صرف آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے تم تنگی کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔

ایک اور مشکوٰۃ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نرمی پر عطا فرماتے ہیں وہ نہ سختی پر دیتے ہیں نہ کسی اور چیز پر، اس لئے نرمی کا رویہ ہی تبلیغ کے لئے مفید ہے، یہاں پر اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ما علی الولاۃ من التيسير“ ص ۳۲۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث احدا من اصحابہ فی بعض امرہ قال بشرُوا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا.

تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: اخرجہ ابوداود فی کتاب الادب (باب فی کراہیۃ المراء) و اخرجہ البخاری فی کتاب الادب (باب قول النبی و یسروا ولا تعسروا) مع الفاظ مختلفۃ.

تَرْکِیْبِ حَدِیْثٍ: بَشَرُوا: فعل فاعل سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ لَا تَنْفَرُوا: فعل ضمیر فاعل سے مل کر معطوف، معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔ یَسْرُوا: فعل فاعل سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ لَا تَعْسَرُوا: فعل فاعل سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو

﴿۱۱۳﴾ اطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعَوِّدُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ.

تَرْجَمَہ: ”بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیماروں کی عیادت کرو اور قیدیوں کو قید سے چھڑاؤ۔“

لُغَاتُک: الْجَائِعُ: بمعنی بھوکا، جمع جِيعَانِ آتی ہے۔ عَوِّدُوا: عَادَ (ن) عَوَّدًا، عِبَادَةُ الْمَرِيضِ، بیمار پر سی کرنا۔
تَفْسِیْرُک: اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین حکم دیے ہیں اور یہ تینوں فرض علی الکفایۃ کے طور سے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ اس کو پورا کر لیں تو سب کی طرف سے یہ فرض کفایۃ ختم ہو جاتا ہے ہاں سنت اس وقت بھی باقی رہتی ہے۔
”اطعموا الجائع“: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلانا اضطراری حالت سے پہلے سنت ہے اور اگر اضطراری حالت ہو تو فرض ہو جاتا ہے اور اگر مسکین بھوکا ایسی جگہ پر ہے جہاں کے سب لوگ ذی قدرت ہوں تو اب سب پر فرض علی الکفایۃ ہے ان میں سے ایک نے بھی کھلا دیا تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے، اور اگر مسکین ایسی جگہ پر ہے کہ وہاں ایک ہی آدمی ذی استطاعت ہو تو اب اس پر کھلانا فرض عین ہوگا۔

”عودوا المریض“: بیمار کی عیادت کرو، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جو اپنے بھائی کی عیادت کے لئے صبح کے وقت جائے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اور شام کو جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔
”وفکوا العانی“: قیدی کو قید سے چھڑاؤ: ایک اور روایت میں ایک سائل نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھ کو ایک ایسا عمل بتادیں کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: غلام کو آزاد کرو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب عیادۃ المریض و ثواب المریض“ ص ۱۳۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکوا العانی.

تَفْخِیْرُکِ حَدِیْث: اخرجه البخاری فی کتاب الاطعمة و اخرجه فی کتاب المرض و فی کتاب الجهاد و اخرجه ابوداؤد فی کتاب الجنائز (باب الدعاء للمریض بالشفاء عند العیادۃ).

تَرْکِیْبُکِ حَدِیْث: اطعموا: فعل ضمیر فاعل۔ الجائع: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ عودوا: فعل، ضمیر فاعل۔ المریض: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ فکوا العانی: فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف اپنے تمام معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

مرغ کو برامت کہو

﴿۱۶﴾ لَا تَسْبُوا الدِّينَ فَإِنَّهُ يُوقِظُ لِلصَّلَاةِ.

ترجمہ: ”مرغ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ تم کو نماز کے لئے بیدار کرتا ہے۔“

لُغَاتُكَ: تَسْبُوا: سَبَّ (ن) سَبَّ، سَخَتْ گالی دینا۔ الدِّينَ: مرغ، جَمْعُ دِيْنٍ، اَذْيَاكَ، دِيْكَةٌ آتی ہے۔ يُوقِظُ: اَيْقَظَ، اِنْقَظَ، بمعنی بیدار کرنا۔

تفسیر: مرغ نماز کے لئے بیدار کرتا ہے اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے سفر میں مرغ کو ساتھ رکھتے تھے تاکہ اوقات نماز معلوم رہیں۔ (۱)

کون سی نماز مراد ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کرام فرماتے ہیں اس سے مراد تہجد کی نماز ہے اور وہ اپنی تائید میں یہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ آپ تہجد میں اس وقت اٹھتے تھے جب کہ مرغ بانگ دے رہا ہوتا تھا، بعض علماء کرام فرماتے ہیں یہاں نماز سے مراد فجر کی نماز مراد ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنی بانگ سے یہ اطلاع کر رہا ہے کہ فجر کا وقت قریب ہو گیا ہے۔ (۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حیوان میں ایک اچھی خصلت ہے تو اس کو برا کہنے سے منع فرمایا گیا ہے تو پھر مؤمن کو برا کہنے والے کا کیا حال ہوگا اس حدیث میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ جس چیز سے کچھ فائدہ ہو تو اس کو برا نہ کہا جائے بلکہ اس کی تعظیم اور تکریم کی جائے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ما یحل اكله وما یحرم“ ص ۳۶۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسبوا الديك فانه يوقظ للصلاة.

تخریج صحیح: أخرجه أبو داود في كتاب الادب (باب في الديك والبهايم).

ترکیب صحیح: لا تسبوا: فعل فاعل۔ الديك: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ فانه: فاء: تفصیلیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ہ: اس کا اسم۔ یوقظ: فعل ضمیر فاعل۔ للصلاة: جار مجرور متعلق ہوا فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر ان کی خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

غصہ کی حالت میں قاضی فیصلہ نہ کرے

﴿۱۶۵﴾ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانٌ.

ترجمہ: ”قاضی فیصلہ نہ کرے دو آدمیوں کے درمیان جب کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔“

لُغَاتٌ: يَقْضِيَنَّ: قَضَى (ض) قَضَاءً، قَضَى بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ، فیصلہ کرنا، اسی سے قاضی اسم فاعل ہے، ”قاضی الْقُضَاةُ“ چیف جسٹس کو کہتے ہیں۔ غَضَبَان: غصہ والا ہونا، غضبناک ہونا، غَضِبَ (س) غَضَبًا عَلَيْهِ، غصہ ہونا۔

تشریح: اس حدیث میں ایک بہت اہم اصول کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ جب قاضی غصہ کی حالت میں ہو تو وہ فیصلہ نہ کرے کیونکہ غصہ میں انسان کی غور و فکر کی قوت تقریباً ختم ہی ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے اس حدیث میں انسانی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے، اس حدیث پر علماء کرام نے ان حالات کو بھی قیاس کیا ہے جن میں انسان کے حواس پوری طرح قابو میں نہیں ہوتے اور دماغ پوری طرح حاضر نہیں ہوتا مثلاً سردی گرمی یا بھوک پیاس یا بیماری سخت ہو، ان حالتوں میں بھی قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ (۱)

اس کے باوجود علماء کرام فرماتے ہیں کہ: اگر ان حالات میں قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اب وہ کراہت کے ساتھ جاری نافذ سمجھا جائے گا۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب العمل فی القضاء والخوف منه“ ص ۳۲۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی بکرۃ قال: سمعت رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یقول: لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانٌ.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الاحکام (باب هل یقضی الحاکم وهو غضبان) وأخرجه ابوداؤد فی کتاب القضاء (باب القاضی یقضی وهو غضبان) ابن ماجہ فی کتاب الاحکام (باب لا یحکم الحاکم وهو غضبان).

ترکیب حدیث: لا یقضیَنَّ: فعل، حکم: ذوالحال۔ بین اثنین: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا فعل کا۔ وهو غضبان: مبتداء خبر سے مل کر حال۔ حال اپنے ذوالحال سے مل کر فاعل ہوا یقضیَنَّ فعل کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

ناز و نعمت کی زندگی سے بچنا چاہئے

﴿۱۱۶﴾ اِيَّاكَ وَالتَّنْعَمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيَسُوْا بِالْمُتَنَعِمِيْنَ.

ترجمہ: ”تم ناز و نعمت کی زندگی سے بچتے رہو کیونکہ اللہ کے (نیک) بندے ناز و نعمت میں زندگی نہیں بسر کرتے۔“
 لغایت: التَّعْنَمُ: ناز و نعمت کی زندگی بسر کرنا۔ نَعَمَ (س، ن، ف) نِعْمَةً الرَّجُلُ، خوش حال ہونا۔
 تَشْرِيجُ: دین کا جو ہر جفا کشی ہے اور اس میں کمال مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، جس قدر آدمی مجاہدہ کرتا ہے اسی قدر دین میں کمال حاصل ہوتا ہے جو آخرت میں درجات عالیہ کا ذریعہ ہے اور یہ انسان کا مقصد ہے دنیا میں آنے کا، حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا ”مَنْ أَكْبَسَ النَّاسَ وَمَنْ أَحْزَمُ النَّاسِ“ کہ کون سب سے زیادہ سمجھدار اور محتاط آدمی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”أَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ“ کہ جو سب سے زیادہ موت کی تیاری کرنے والا ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ سب مجاہدہ عبادت و ریاضت سے حاصل ہوگا اور یہ ناز و نعم اس مقصد اصلی کے حصول میں رکاوٹ بنے گا کیونکہ تعین کا مفہوم نفسانی خواہشات کی تکمیل میں زیادہ سے زیادہ اہتمام و انصرام کرنا، بہت زیادہ دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے درمیان رہنا اور کھانے پینے اور طبیعت و نفس کی مرغوبات کا حریص ہونا، حاصل یہ کہ راحت طلبی، تن آسانی کی چیزوں میں پڑنا اور عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنا فاجر، غافل، نادان، جاہل لوگوں کا خاصہ ہے^(۱) کیونکہ مؤمن تو ”عَابِرُ سَبِيلٍ“ ہے اس کے پاس اتنا وقت کہاں کہ اپنی خواہشات کو پورا کرتا پھرے، وہ اپنی تمام تر خواہشات اپنے مقام پر چھوڑتا ہے اور اپنی ضرورت میں اقل پر گزارہ کرتا ہے، اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے کہ جس کو مدت معینہ کے لئے سونے کی کان میں چھوڑا جائے کہ جتنا نکالو تمہارا ہے، اب اس کے پاس اتنا وقت کہاں کہ اپنے آرام کھانے پینے کو دیکھے بلکہ یہ تو سونا نکالنے میں لگے گا کہ آرام تو بعد میں ہوگا، اسی طرح آخرت کی تیاری کرنے والے کے پاس کہاں فرصت کہ دوسری چیزوں میں وقت ضائع کرے، اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيْمَانِ“ کہ سادگی ایمان میں سے ہے^(۲) اس لئے یہاں پر آپ نے بلاوجہ کی پر تکلف زندگی سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضل الفقراء وعیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ ص ۴۳۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث بہ الی الیمن قال: ایاک والتنعیم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین.

تَخْرِيجِ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشكوة الى مسند احمد في باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

تَرْكِيْبُ حَدِيثٍ: اياك: در اصل اتق نفسك ہے۔ اتق: فعل ضمير فاعل، نفسك: مضاف مضاف اليه سے مل کر معطوف عليه۔ واؤ: حرف عطف، التنعم: معطوف، معطوف عليه معطوف سے مل کر مفعول ہوا اتق فعل کا، اتق فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ ف: جواب امر۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ عباد اللہ: مضاف مضاف اليه سے مل کر ان کا اسم۔ ليسوا: فعل ناقص، ضمير اس کا اسم۔ بالمتنعمين: خبر۔ ليسوا اپنے اسم اور خبر سے مل کر خبر کی خبر ان کی خبر ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہیں پھیلانا چاہیے

﴿۱۷﴾ اِعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطُ أَحَدُكُمْ ذِرَاعِيَهُ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ.

ترجمہ: ”سجدہ میں اطمینان سے ٹھہرا اور تم میں سے کوئی شخص (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔“

لُغَاتُكَ: يَبْسُطُ: (ن) بَسَطَ، بمعنى پھیلانا، بچھانا۔ ذِرَاعِيَهُ: تشبیہ ہے ذِرَاع کی، بمعنی بازو، قال تعالیٰ ﴿كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعِيَهُ بِالْوَصِيدِ﴾، جمع أَذْرُع، ذُرْعَانِ آتی ہے، ذِرْع (ف) ذِرْعَا الثَّوْبِ، ہاتھ سے ناپنا۔ تَشْرِیح: علماء کرام فرماتے ہیں اس حدیث مبارک سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی سجدہ میں اعتدال سے ٹھہرے اور پھر سجدہ کی تسبیحات کو اطمینان سے پڑھے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سجدہ میں اعتدال سے مراد یہ ہے کہ پشت کو برابر رکھا جائے اور دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھا جائے اور کہنیاں زمین سے اوپر رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھیں، جب اس طرح سے سجدہ کیا جائے تو اس کو اطمینان والا سجدہ کہیں گے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں اس حدیث میں سجدہ کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ سجدہ کو خوب اچھی طرح سے کیا جائے، فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: سجدہ کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سامنے اپنی عبدیت اور عجز و انکساری کے اظہار کے طور پر بندہ کا اپنے سر کو زمین پر ٹیک دینا اور سجدہ میں دونوں پیروں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے، اگر دونوں پیر سجدہ کی حالت میں زمین سے اٹھے رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایک پیر اٹھا رہا تو پھر سجدہ مکروہ ہو جائے گا۔

”در مختار“ میں ہے کہ پیشانی اور دونوں پیروں سے سجدہ فرض ہے اور دونوں پیروں میں سے کم از کم ایک انگلی زمین پر ہونا شرط ہے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھنا سنت ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب السجود وفضله“ ص ۸۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اعتدلوا فی السجود ولا یبسط احدکم ذراعیه انبساط الکلب.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الصلوٰۃ (باب لا یفرش ذراعیه فی السجود).

ترکیب حدیث: اعتدلوا: فعل ضمیر فاعل۔ فی السجود: جار مجرور متعلق ہوا فعل کا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ لا یبسط: فعل۔ احدکم: فاعل۔ ذراعیه: مفعول۔ انبساط الکلب: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر معطوف علیہ، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

مُردوں کو برا کہنا منع ہے

﴿۱۸﴾ لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا.

تَرْجَمَہ: ”مُردوں کو برا مت کہو کیونکہ وہ پہنچ گئے اس چیز کی طرف جو انہوں نے آگے بھیجی۔“

لُغَاتُ: الْأَمْوَاتُ: مَيِّت کی جمع ہے، بمعنی مردہ، جمع أَمْوَات، مَوْتَى، مَيِّتُونَ وغیرہ آتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأَنْهُمْ مَيِّتُونَ﴾، مَاتَ (ن) بمعنی مرنا۔ أَفْضَوْا: (افعال) إِفْضَاءً بمعنی پہنچنا۔

تَشْرِیح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے کی غیبت کرنا بھی حرام ہے، مولانا اور لیس کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردہ اب اللہ کے پاس پہنچ گیا، اللہ چاہے تو اس کو معاف کر دے یا چاہے عذاب دے، بندے کے لئے مناسب نہیں کہ اس کے بارے میں کچھ جسارت کرے۔ (۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مردے کی غیبت زندہ لوگوں کی غیبت سے کہیں زیادہ سخت ہے کیونکہ زندہ آدمی سے معافی مانگی جاسکتی ہے، مگر مردے سے معافی مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۲)

اسی وجہ سے بعض علماء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر مردے کو غسل دینے والا کوئی برائی دیکھے مثلاً چہرے یا بدن کا سیاہ ہو جانا (معاذ اللہ) تو اس کو بھی لوگوں کے سامنے بیان کرنا حرام ہے، ہاں اگر مردے میں کوئی اچھی بات دیکھے تو اس کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے کہ بیان کر دے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جن کفار کا انتقال کفر کی حالت میں ہوا ہے مثلاً ابو جہل، ابولہب، فرعون، قارون وغیرہ تو ان کی برائی کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جن کے بارے میں شک ہو کہ وہ دنیا سے کفر کی حالت میں گئے یا ایمان کی حالت میں تو اس حال میں بھی اس کی برائی کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المشی بالجنائز والصلوة علیہا“ ص ۱۴۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تسبوا الاموات فانہم قد افضوا الی ما قدموا.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری فی کتاب الجنائز (باب ما نہی من سب الاموات).
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: لا تسبوا: فعل فاعل۔ الاموات: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ فاء: تعلیلیہ۔
ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ہم: ان کا اسم۔ قد افضوا: فعل فاعل۔ الی: حرف جار۔ ما: موصول۔ قدموا: فعل ضمیر فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہوا فعل کے ساتھ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ان کی خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر تعلیلہ ہو کر معطوف۔ معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

سات سال کی عمر سے اپنی اولادوں کو نماز کا حکم دو

﴿۱۶۹﴾ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاصْرِبْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ

عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

ترجمہ: ”تم اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور ان کو نماز (نہ پڑھنے) پر مارو جب

کہ وہ دس سال کے ہوں اور ان کے بستر بھی جدا جدا کر دو۔“

لُغَاتُ: أَبْنَاءُ: اِن کی جمع ہے، بمعنی بیٹا۔ بَنُوں بھی جمع آتی ہے۔ الْمَضَاجِعُ: مَضَج کی جمع ہے بمعنی خواب گاہ سونے کی جگہ۔ صَبَعَ (ف) صَجَعًا وَاصَّجَعَ، پہلو کے بل لیٹنا۔ قَالَ تَعَالَى: ﴿وَاهْجُرُوهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ﴾.

تَشْرِیح: اس حدیث بالا میں سر پرستوں کو حکم ہے کہ بچپن میں ہی ان کو نماز کا عادی بنایا جائے، ایک دوسری روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَدَّبُوا أَوْلَادَكُمْ عَلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ: حُبِّ نَبِيِّكُمْ، وَحُبِّ آلِ بَيْتِهِ، وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ فَإِنَّ حَمَلَةَ الْقُرْآنِ فِي ظِلِّ عَرْشِ اللَّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ. (۱)

ترجمہ: اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ، اپنے نبی کی محبت اور ان کے اہل بیت سے محبت اور قرآن کریم کی تلاوت اس لئے کہ قرآن کریم یاد کرنے والے اللہ کے عرش کے سایہ میں انبیاء اور منتخب لوگوں کے ساتھ اس دن میں ہوں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ: بچوں کو قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ اور نیک لوگوں کے واقعات اور دینی احکام کی تعلیم دینی چاہئے۔ اور بھی کئی جگہ پر بچوں کو مختلف چیزوں کے سکھانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، بظاہر ان سب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ نوعمری ہی سے شریعت کے احکامات کو سیکھ لے تاکہ جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جائے اس کا ایمان کامل اور مضبوط اور راسخ عقیدہ میں سرشار ہو کر پلے بڑھے اور جب وہ بڑا ہو تو ملحدین کے الحادی دجل و مکر و فریب اہل ضلال اور گمراہی کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو۔

وينشاننا شئ الفتیان منا * علی ماکان عودہ ابوہ

وما دان الفتی بحجی ولكن * یعودہ التدين اقبوہ

ترجمہ: ہم میں نیا نیا جوان انہی عادات پر پلتا بڑھتا ہے جن کا اس کے والدین اسے عادی بناتے ہیں اور عقل کے

ذریعہ سے کوئی نوجوان بھی دیندار نہیں بنتا دینداری کا عادی تو اس کے رشتہ دار ہی بنائیں گے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الصلوٰۃ“ ص ۵۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ (باب متى يؤمر الغلام بالصلوة) واخرجه الترمذی فی کتاب الصلوٰۃ (باب ما جاء متى يؤمر الصبی بالصلوة) مع اختلاف یسیر.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: مروا: فعل فاعل۔ اولادکم: مضاف مضاف الیه سے مل کر ذوالحال۔ بالصلوة: متعلق فعل کے۔ واؤ: حالہ۔ ہم: مبتداء۔ ابناء سبع سنين: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مبتداء کی خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر حال ہوا، حال ذوالحال سے مل کر مفعول ہوا اور یہ جملہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ اضربوہم: فعل فاعل۔ علیہا: جار مجرور فعل کے متعلق۔ واؤ: حالہ۔ ہم: مبتداء۔ ابناء عشر سنين: مضاف ایک دوسرے سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر حال۔ ذوالحال حال سے مل کر مفعول ہوا اور پھر یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف، فرقوا: فعل فاعل۔ بینہم: مفعول فیہ۔ فی المضاجع: جار مجرور متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر پہلے جملہ کا معطوف۔ معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

قرآن کی حفاظت کرو

﴿۱۷۰﴾ تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهَوُ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِّنَ الْإِبْلِ فِي عُقُلِهَا.

ترجمہ: ”قرآن کی حفاظت کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قرآن سینوں سے اتنی

جلدی نکل جاتا ہے رسی چھوٹ کر بھاگنے والے اونٹ کے مقابلہ میں۔“

لُعَاتِك: تَعَاهَدُوا: تَعَاهَدَ، تَعَاهَدَ، بمعنی حفاظت کرنا، (س) عَهْدًا حفاظت کرنا۔ عُقُلِهَا: عَقَلَ (ن، ض) عَقَلَ الْبَعِيرُ ٹانگ کے ساتھ ملا کر رسی سے باندھنا، عَقْلَهُ: وہ چیز جس سے باندھا جائے، مراد وہ رسی جس سے اونٹ کی رانوں کو باندھا جائے۔

تیسری بیج: اپنی کتاب کا یاد کر لینا یہ صرف اس امت کا خاصہ ہے، پہلی امتوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی تھی، چنانچہ دلائل النبوة کی روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں ایسی امت پاتا ہوں کہ وہ اپنے قرآن کو یاد کر لے گی اور ظاہر باطن پڑھا کرے گی تو یہ امت مجھے دے دیں (۱) اور یہ فضیلت کی بات ہے، حفظ قرآن کے مستقل فضائل احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے اس کی حفاظت کی طرف توجہ لائی ہے کہ جس طرح اس کا یاد کر لینا یہ زیادہ فضیلت والا ہے اسی طرح اس کا یاد رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے اس کی خبر گیری ضروری ہے کہ جس طرح اگر جانور کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو جانور بھاگ جاتا ہے بعینہ اسی طرح قرآن کو حفظ کرنے کے بعد حفاظت ضروری ہے مبادا یہ کہ نیکی برباد گناہ لازم ہو جائے۔

علماء نے قرآن کے بھول جانے کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے، اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ ناظرہ خواں جو کہ حفظ یاد نہیں کرتا اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر بھول جائے تو مرتکب کبائر میں ہوگا (۲) قرآن کے بھولنے کو علماء نے اعراض دین میں شمار فرمایا ہے، حق تعالیٰ شانہ کا قول ہے کہ: ”مَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي الْخ“ اس کے لئے حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں اس امر کی طرف توجہ لائی ہے کہ صرف یاد کرنا نہیں بلکہ اس کی مستقل دیکھ بھال ضروری ہے تاکہ مقصود حاصل ہو جائے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ص ۱۹۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

تعاهدوا القرآن فوالذي نفسي بيده لهو أشد تفصيا من الإبل في عقلها.

تَخْرِیجُ حَدِیْثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب فضائل القرآن (باب استذکار القرآن و تعاہدہ) و اخرجہ مسلم (فی باب الامر بتعاهد القرآن).

تَرْکِیْبُ حَدِیْثٍ: تعاهدوا: فعل فاعل۔ القرآن: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔ واؤ: حرف قسم جار۔ الذی: موصولہ۔ نفسی: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ بیدہ: باء: حرف جار۔ یدہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا۔ جار مجرور سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہو کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور سے مل کر اتم فعل محذوف کے متعلق ہوا۔ اتم فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر قسم۔ لام: تاکید۔ ہو: مبتداء۔ اشد: اتم تفصیل، ضمیر اس کے اندر ممیز، تفصیلاً: تمیز، ممیز تمیز سے مل کر فاعل ہوا "اشد" کا، من الابل فی عقلها: دونوں اشد کے متعلق۔ اشد فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جواب قسم۔ قسم اپنے جواب قسم سے مل کر جملہ قسمیہ ہوا۔



مظلوم کی بددعا سے اپنے آپ کو بچاؤ

(۱۷۱) اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ.

ترجمہ: ”مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔“

لُغَاتُ: حِجَابُ: بمعنی پردہ، جمع حُجُب ہے، حَجَبَ (ن) حِجَابًا چھپانا، حائل ہونا۔

تَشْرِیح: شان ورود: یہ حکم آپ ﷺ نے ایک بڑے عابد و زاہد فقیہ صحابی یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تھا جب کہ آپ ان کو یمن کا قاضی بنا کر مدینہ سے روانہ فرما رہے تھے، اس وقت میں آپ ﷺ نے ان کو بہت سی نصیحتیں ارشاد فرمائی تھیں ان میں سے منجملہ یہ کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا، آپ کا یہ ارشاد صرف حضرت معاذ کے ساتھ مختص نہ تھا بلکہ اس میں پوری امت کو ترمیب ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ مظلوم کی بددعا دل کی گہرائی سے نکلتی ہے اس لئے اس میں غایت درجہ کا خلاص ہوتا ہے اور خلاص والے کی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

ایک دوسری حدیث سے بھی حدیث بالا کی تائید ہوتی ہے جس حدیث کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: مظلوم کی بددعا سے اپنے آپ کو بچاؤ اس لئے کہ وہ اپنا حق مانگتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ کسی حقدار کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتے۔ اسی کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا:

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن * اجابت از در حق بہر استقبال می آید

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الزکاۃ“ ص ۱۵۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذاً الى اليمن فقال: انك تأتي قوما اهل كتاب فادعهم الى شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله قد فرض عليهم خمس صلوات في اليوم والليلة فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم فان اطاعوا لذلك فاياك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب.

تَحْنِیْحِ حَدِیْثِ: اخرجہ البخاری فی ابواب المظالم والقصاص (باب الاتقاء والحذر من دعوة المظلوم) واخرجہ الترمذی فی ابواب البر والصلة (باب ماجاء فی دعوة المظلوم).

ترکیبِ حَدِیْثِ: اتق: فعل فاعل۔ دعوة المظلوم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل فاعل مفعول سے مل کر جملہ

فعلیہ ہو کر معلل۔ فاء: تعلیلیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ہ: اس کا اسم۔ لیس: فعل ناقص۔ بینہا: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ بین اللہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر لیس کی خبر۔ حجاب: لیس کا اسم مؤخر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔



قبروں کے اوپر بیٹھنا منع ہے

(۱۷۲) لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا.

ترجمہ: ”نہ قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔“

لُغَاتُ الْقُبُورِ: جمع ہے قَبْر کی جس میں مردے کو رکھا جاتا ہے، قال تعالى: ﴿أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ مَا فِي الْقُبُورِ﴾ تَشْرِیح: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ قبروں پر بیٹھنا، اس کو روندنا اور تکیہ بنانا سب مکروہ ہے، لوگوں کی یہ عادت دیکھی گئی ہے کہ اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کی قبر تک پہنچنے کے لئے درمیان کی قبروں کو بلا تکلف روندتے چلے جاتے ہیں، یہ انتہائی غلط حرکت ہے، علماء کرام نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ قبرستان میں ننگے پاؤں چلے اور اس کو مستحب بتایا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا قبرستان میں جانے کا کہ آپ جب تشریف لے جاتے تو کھڑے کھڑے دعا مانگتے اور یوں فرماتے:

”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا أَنْشَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ وَأَسْأَلُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ“

ترجمہ: اے مؤمنین کے گھر! تم پر سلامتی ہو اور انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے امن و عافیت مانگتا ہوں۔ (۱)

سُئِلَ: حدیث بالا میں قبروں پر بیٹھنے کی ممانعت ہوتی ہے مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما جو صحابی رسول ہیں وہ قبر پر بیٹھ جاتے تھے؟ جَوَاب: اس بات کی نسبت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف محدثین کے نزدیک صحیح نہیں یا اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ پیشاب و پاخانہ کرنے کی نیت سے بیٹھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اس نسبت سے نہیں بیٹھتے تھے (۲) یا مراد یہ ہے اظہار غم کے لئے قبر پر مسلسل بیٹھا رہنا منع ہے۔

”وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا“: جو شخص قبر یا صاحب قبر کی تعظیم کی خاطر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے تو یہ صریح کفر ہے اور اگر تعظیم مقصود نہیں تب بھی مکروہ تحریمی ہوگا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب دفن المیت“ ص ۱۴۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَجْلِسُوا عَلَى

القُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجه مسلم فی کتاب الجنائز واخرجه ابوداؤد فی کتاب الجنائز (باب) فی کراهیة القعود علی القبر).

ترکیبِ حَدِيثٍ: لا تجلسوا: فعل فاعل۔ علی القبور: جار مجرور متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ لا تصلوا: فعل فاعل۔ الیہا: جار مجرور متعلق ہوا فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو

﴿۱۷۳﴾ اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَاتْرَكُوهَا صَالِحَةً.

ترجمہ: ”بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر سواری کرو جب کہ وہ سواری کے قابل ہوں اور ان کو صحیح حالت میں چھوڑ دو۔“

لُغَاتُ: الْبَهَائِمُ: جَمْعُ الْبَيْمَةِ. بِمَعْنَى جَانور، چوپائے۔ الْمُعْجَمَةُ: مُعْجَمٌ كِي مَوْنُثْ هِے، بِمَعْنَى گونگا، کھل کر بیان نہ کرنے والا، عَجَمٌ: (ك) عَجْمَةٌ لَكُنْتُ هُونًا۔

تفسیر: ”هذه البهائم المعجمة“: یہ بے زبان چوپائے، جانوروں کو ”الْمُعْجَمَةُ“ (گوئگے) اس لئے کہتے ہیں کیونکہ جانور بھی اپنی بھوک پیاس تھکن وغیرہ کو بیان کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس نکتہ سے مالک کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جانور تو اپنی ضروریات بیان نہیں کر سکتے مگر تم اس کا خیال رکھو اس کے کھانے پینے کا اور ان کو زیادہ تکلیف نہ دو (۱) اور اس میں اس کی بھی ترغیب ہے کہ دانہ پانی وغیرہ یہ مالک پر لازم ہے اور وہی اس کا بندوبست کرے کہ جب یہ سواری کرتا ہے تو اس کے دانہ پانی اور آرام کا بھی خیال رکھے صرف یہ نہیں کہ سواری کی اور اس کو چھوڑے کہ خود ہی وہ چرے۔

”فارکبوھا صالحہ“: اس جزء میں اس بات کی ترغیب ہے کہ جانوروں کی خبر گیری کی جائے ان کے دانہ پانی آرام میں کوتاہی نہ کی جائے، اگر ان باتوں کا خیال رکھا جائے گا تو وہ جانور زیادہ دنوں تک تمہاری سواری کے قابل رہے گا اور جب تھک جائے تو آرام کرنے دو تا کہ اس میں پھر توانائی آجائے اور تمہاری سواری کے لئے دوبارہ تیار ہو جائے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب النفقات وحق المملوك“ ص ۲۹۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سهل بن الحنظلية رضى الله عنه قال: مر رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ببيعير قد لحق

ظهره ببطنه فقال: اتقوا الله في هذه البهائم المعجمة فاركبوها صالحة واطركوها صالحة.

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد في كتاب الجهاد (باب ما يؤمر به من القيام على الدواب والبهائم).

ترکیب حدیث: اتقوا: فعل فاعل - لفظ الله: مفعول - فی: حرف جار - هذه: اسم اشارہ - البهائم المعجمة: موصوف صفت سے مل کر مشار الیہ ہو کر مجرور ہوا جار کا، جار اپنے مجرور سے مل کر فعل کے متعلق، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر معلل - فاء: تفصیلیہ - ارکبوھا: فعل فاعل - ھا: ذوالحال - صالحہ: حال، حال اپنے ذوالحال سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ - اترکوھا صالحہ: (سابق جملہ کی طرح ترکیب ہو کر) معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

(۲) التعلیق الصبیح

(۱) التعلیق الصبیح ۹۶/۴

نوٹ: اس مسئلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے رسالہ کا مطالعہ ”ارشاد الہائم فی حقوق البهائم“ بھی بہت مفید ثابت ہوگا۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کرنا منع ہے

(۱۷۶) لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مُحَرَّمٌ.

ترجمہ: ”کوئی مرد اجنبیہ عورت کے ساتھ ہرگز خلوت نہ کرے اور کوئی عورت محرم کے بغیر ہرگز سفر نہ کرے۔“
لغات: يَخْلُونَ: خَلَا (ن) خُلُوًّا وَخَلَاءً، تنہائی اختیار کرنا۔ مُحَرَّم: جمع مَحَارِم، وہ رشتہ دار جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو۔

تفسیر: ”لا یخلون رجل بامرأة“: کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے خلوت نہ کرے، کیونکہ شیطان دشمن ہے، ایک دوسرے کے دل میں محبت ڈال کر ان کو غلط راستہ پر ڈال دیتا ہے، اسی وجہ سے شیطان کا مقولہ ہے کہ اگر رابعہ بصریہ جیسی نیک عورت اور حسن بصری جیسا نیک مرد اگر آپس میں خلوت کریں تو میں ان دونوں کو بھی غلط راستہ میں مبتلا کروں گا۔^(۱) شریعت نے پہلے ہی سے اس کو حرام کر دیا تاکہ آدمی غلط راستہ پر نہ نکل جائے۔

”ومعها محرم“: محرم کہتے ہیں جس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو خواہ قربت کی وجہ سے یا رضاعت یا سسرالی ناطے کی بناء پر،^(۲) فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ عورتوں کو بغیر محرم کے ۴۸ میل کا سفر مباح ہے مگر اس فساد کے زمانے میں نہ کیا جائے تو بہتر ہے،^(۳) اور ۴۸ میل سے زائد کا سفر بغیر محرم کے جائز نہیں، ایسی عورت پر حج بھی احناف کے نزدیک فرض نہیں ہوتا جس کے ساتھ محرم میسر نہ آئے۔ اس مسئلہ میں حدیث بالا سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب المناسک“ ص ۲۲۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة الا ومعها محرم فقال رجل يا رسول الله: اکتبت في غزوة كذا وكذا وخرجت امرأتی حاجة، قال اذهب فاحجج مع امرأتك.

ترجمہ: ”بخاری: اخرجہ مسلم فی کتاب الحج (باب سفر المرأة مع محرم) واخرجہ البخاری فی کتاب النکاح (باب لا یخلون رجل امرأة الا ذو محرم) فقط الجملة الاولى.

ترکیب حدیث: لا یخلون: فعل۔ رجل: فاعل۔ بامرأة: متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ لا تسافرن: فعل۔ امرأة: فاعل۔ الا: استثناء لغو۔ واؤ: حالیہ۔ معها: خبر مقدم۔ محرم: مبتداء مؤخر۔ مبتدا خبر سے مل کر حال، ذوالحال حال سے مل کر لا تسافرن کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(۱) تازیانہ شیطان (۲) مظاہر حق ۲/۶۳۹ (۳) فتح الملہم ۳/۳۷۵ والہد للہجود (۴) نوٹ: اس مسئلہ میں باقی دوسرے ائمہ کا اختلاف ہے جس کے لئے فتح الباری ۳/۳۷۶، الہد للہجود ۳/۷۹، التعلیق الصبیح ۳/۷۵، وغیرہ اور فقہ کی دوسری کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

جانوروں کی پشت کو منبر بنانا منع ہے

(۱۷۵) لَا تَتَّخِذُوا ظُهُورَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ.

تَرْجَمَہ: ”جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ۔“

لُغَاتِی: ظُهُور: جمع ہے ظَہْر کی بمعنی پیٹھ۔ دَوَاب: جمع دَابَّة کی بمعنی ریگنے والے جانور، سواری کے جانور کو بھی کہتے ہیں، دَب (ض) دَبَّ، وَدَبَّیْنَا، ہاتھ پاؤں کے بل چلنا۔ مَنَابِر: جمع مَنْبَر، بمعنی بلند جگہ۔ تَشْرِیْح: اگر آدمی کسی جانور پر سوار ہو اور کسی شخص سے بات کرنی ہو تو چاہئے کہ نیچے اتر جائے تاکہ اتنی دیر وہ جانور بھی آرام کر لے، یہ اس وقت ہے جب کہ لمبی بات کرنی ہو اور اگر معمولی سی بات ہو تو جانور پر سوار ہوتے ہوئے بھی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو جانور پر سوار ہو کر بھی بات کر سکتے ہیں جیسے کہ روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا ^(۱) اس حدیث کی بناء پر علماء نے جانوروں پر سونا بھی منع فرمایا ہے اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ”احیاء العلوم“ میں فرماتے ہیں کہ بعض اکابر کا دستور تھا کہ جانور کو کرایہ پر لیتے ہوئے اگرچہ شرط لگاتے کہ سواری سے نہ اتریں گے اس کے باوجود اتر جاتے تھے اس میں غرض یہ ہوتی تھی کہ جانور پر کچھ احسان ہو جائے، مسلسل سوار رہنے سے آدمی کو نقصان بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ اس کے پٹھے ست ہو جاتے ہیں کچھ پیدل چلنا صحت کے لئے مفید بھی ہے۔ ^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب آداب السفر“ ص ۳۴۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تتخذوا ظهور دوابکم منابر فان اللہ تعالیٰ انما سخرها لکم لتبلغکم الی بلد لم تکنوا بالغیہ الا بشق الانفس وجعل لکم الارض فعلیہا فاقضوا حاجاتکم.

تَحْرِیْحِ حَدِیْث: اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الجہاد (باب فی الوقوف علی الدابة) اخرجہ الامام البغوی فی شرح.

تَرْکِیْبِ حَدِیْث: لا تتخذوا: فعل، ضمیر فاعل۔ ظهور دوابکم: تمام مضاف ایک سرے سے مل کر مفعول۔ منابر: مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

کسی جاندار کو باندھ کر نشانہ بنانا منع ہے

(۱۷۱) لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا.

ترجمہ: ”کسی بھی جاندار چیز کو باندھ کر نشانہ نہ بناؤ۔“

لُغَاتُ: الرُّوح: بمعنی جان، نفس، قال تعالیٰ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ اس کی جمع أَرْوَاحُ آئی ہے۔ غَرَضُ: بمعنی حاجت۔ مطلوب، جمع أَغْرَاضُ آئی ہے، یہاں نشانہ بنانا مراد ہے۔

تَشْرِیحُ: اس عالم دنیا میں ہر ایک جاندار کو اپنی حفاظت کرنے کا پورا حق حاصل ہے خواہ وہ اشرف المخلوقات ہو یا حیوانات ہو، کسی پر بھی ظلم کرنا سخت گناہ ہے، اگر خدائے تعالیٰ نے انسان کو طاقت و قوت عطا کر کے حیوانات پر تسلط عطا کیا ہے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ اپنی اس طاقت و قوت اور اس اختیار کے بل بوتے پر محض شوق پورا کرنے کے لئے جانوروں کو تختہ مشق بنائے، حدیث بالا کا یہی مطلب ہے کہ جانوروں کو باندھ کر مت مارو۔

بعض محدثین اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی جانور کو باندھ دے تاکہ وہ نہ خود کھائے اور نہ وہ اس کو کھلائے اسی میں وہ مر جائے، چاہئے کہ وہ اس کو دانہ پانی دے یا اس کو آ زاد کر دے تاکہ وہ خود کچھ کھالے، بہر کیف اس حدیث میں فرمایا کہ باندھ کر مت مارو اس طرح کرنے سے نہ صرف ذی روح کو اذیت آتی ہے بلکہ مال کا ضائع ہونا بھی لازم ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الصيد والذبائح“ ص ۳۵۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تتخذوا شیئا فیہ الروح غرضًا.

تَخْرِیجُ حَدِیثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الصيد (باب النہی عن صبر البہائم) واخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الذبائح (باب النہی عن جبر البہائم).

تَرْکِیْبُ حَدِیثٍ: لا تتخذوا: فعل، ضمیر فاعل۔ شیئا: موصوف۔ فیہ: جار مجرور ثابت کے متعلق۔ خبر مقدم، الروح مبتداء مؤخر جملہ اسمیہ شیئا کے لئے صفت، موصوف صفت سے مل کر مفعول اول۔ غرضًا: مفعول ثانی۔ لا تتخذوا: فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنا منع ہے

(۱۷۷) لَا تَجْلِسُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا.

ترجمہ: ”دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔“

لُغَاتُكَ: تَجْلِسُ: جُلَسَ (ض) بمعنی بیٹھنا۔ رَجُلَيْنِ: رَجُلٌ کی تثنیہ ہے، بمعنی دو آدمی۔

تَفْصِيلُ: حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جب دو آدمی بیٹھے ہوں تو اب تیسرے آدمی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان جا کر بیٹھ جائے ممکن ہے کہ وہ دونوں اس آدمی کے آنے کی وجہ سے جو آپس میں باتیں کرنا چاہتے تھے نہ کر سکیں۔

اس مسئلہ میں علماء فرماتے ہیں کہ تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی یہ کہ ان بیٹھنے والوں کے آپس میں محبت ہوگی یا نہیں، یا تعلق بہم ہوگا، معلوم نہ ہو کہ ان میں آپس میں محبت ہے یا نہیں، اگر ان میں آپس میں محبت ہو تو اس کا حکم حدیث بالا والا ہوگا کہ ان کے درمیان بیٹھنا جائز نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ ان میں آپس میں محبت کا علاقہ نہ ہو تو اب ان کے درمیان بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تیسرے یہ کہ ان کے آپس کا تعلق معلوم نہ ہو تو اس صورت میں احتیاط کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ان کے درمیان میں نہ بیٹھے اگر بیٹھ جائے تو کوئی بات نہیں، اس حدیث کے ہم معنی دوسری حدیث بھی آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا“

ترجمہ: حلال نہیں ہے کسی آدمی کے لئے کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان فارق بن جائے مگر ان دونوں کی اجازت کے ساتھ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب القیام“ ص ۴۰۳ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمر و بن شعيب عن ابيه عن جده رضى الله عنهم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

لا تجلس بين رجلين الا باذنهما.

تَفْصِيلُ: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي كِتَابِ الْأَدَبِ (بَابُ فِي الرَّجُلِ يَجْلِسُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ بِغَيْرِ إِذْنِهِمَا).

تَرْكِيبُ حَدِيثِ: لَا تَجْلِسُ: فَعْلٌ، ضَمِيرُ فَاعِلٍ - بَيْنَ رَجُلَيْنِ: مضاف مضاف الیه سے مل کر مفعول - الا: استثناء لغو - باء: حرف جار - اذنهما: مضاف مضاف الیه سے مل کر مجرور ہوا، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا فاعل لا تجلس کے، لا تجلس فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

صدقہ دینے میں جلدی کرو

﴿۱۷۸﴾ بَادِرُوا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا.

ترجمہ: ”صدقہ دینے میں جلدی کرو کیونکہ مصیبت اس سے آگے نہیں بڑھتی۔“

لُغَاتُكَ: بَادِرُوا: بَادَرَ، مُبَادَرَةً، إِلَى الشَّيْءِ، جَلْدِي كَرْنَا۔ يَتَخَطَّاهَا: تَخَطَّى، تَخَطَّيًّا، بِمَعْنَى تَجَاوَزْنَا، پھاندا۔

تَفْسِيرُ مَج: صدقہ سے بلاؤں کا دور ہونا متعدد روایات میں مختلف مضامین کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ سے پاک کیا کرو، اور اپنے بیماروں کا صدقے سے علاج کیا کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دعا سے دفعہ کیا کرو۔^(۱) یعنی جب صدقہ سے بیماری کا علاج کرو گے تو ان کا اثر زائل ہو جائے گا اور وہ ضرر رسانی ختم ہو جائے گی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ ستر بیماریوں کو دور کرتا ہے جس میں سے کم درجہ برص اور جذام کی بیماری کا ہے^(۲)، ایک روایت میں آیا ہے کہ پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے پرندے کے گھونسلے سے دو بچے اٹھائے اس پرندے نے اللہ تعالیٰ سے اس فعل کی شکایت کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اگر ایسا دوبارہ اس نے کیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا، پھر وہ شخص دوبارہ آیا تو اس کو بستی کے کنارے فقیر ملا اس نے اس فقیر کو اپنے توشہ میں سے دیا پھر وہ اس گھونسلے کے پاس آیا اور اس میں سے بچہ کو لے کر چلا گیا اور بچے کے والدین دیکھتے رہ گئے اور انہوں نے شکایت کی کہ اے اللہ! آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے دوبارہ کیا تو آپ اس کو ہلاک کریں گے اس نے پھر ویسے ہی کیا دوبارہ لیکن آپ نے اس کو ہلاک نہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تمہیں نہیں معلوم میں کسی کو اس دن ہلاک نہیں کرتا جس دن اس نے صدقہ کیا ہو۔^(۳)

صدقہ سے بلاؤں مصیبتوں کا دور ہونا ”کنز“ کی بہت سی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے گویا کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرنے کے لئے اکسیر ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الانفاق وکراہیۃ الامساک“ ص ۱۶۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن علی قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا.

تَحْقِيقُ حَدِيثِ: عزاء صاحب مشکوٰۃ فی کتاب الزکوٰۃ (باب الانفاق وکراہیۃ الامساک) الی رزین۔
تَرْکِیْبُ حَدِيثِ: بَادِرُوا: فعل فاعل۔ بالصدقۃ: متعلق ہوا فعل کے اور پھر فعل فاعل اور متعلق جملہ معلل ہوا۔ فاء: حرف تعلیل۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ البلاء: اس کا اسم۔ لا يتخطاها: فعل فاعل مفعول سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

کسی کی عیب جوئی کرنا منع ہے

(۱۷۹) لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيكَ فَيَرْحَمَهُ اللَّهُ وَيَبْتَلِيكَ.

ترجمہ: ”اپنے بھائی کے ایسے عیب کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرو (جس سے اس کو شرمندگی ہو) پس اللہ

اس پر رحم کرے گا اور تم کو اس میں مبتلا کر دے گا۔“

لُغَاتُكَ: الشَّمَاتَةُ: شِمَتْ (س) شَمَاتَةً، شَمَاتًا بفلان، کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔ وَيَبْتَلِيكَ: ابْتَلَى ابْتِلَاءً، آزمائش کرنا، مصیبت میں ڈالنا، بَلَا (ن) آزمانا، تجربہ کرنا، امتحان لینا۔

تشریح: اسلام نے مسلمانوں کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی کہ معاشرۃ میں ایک دوسرے کی ہمدردی، خیر خواہی رہے اور ہر اس فعل سے منع فرمایا جس سے اس مواخاۃ بھائی چارگی میں کمی آتی ہو اسی لئے باہم سوء ظن، جاسوسی، ایک دوسرے کو برے ناموں سے پکارنا، غرض جو بھی امر اس بھائی چارگی کے ماحول کے لئے رکاوٹ و مانع ہو اس سے منع فرمایا ہے۔

اسی میں سے لوگوں کی عیب جوئی ہے، پھر اس سے زیادہ بدتر کام کہ اس کا اظہار لوگوں کے سامنے کرتا پھرے، متعدد احادیث میں مسلمان کی ستر پوشی کی اہمیت و ترغیب وارد ہوئی ہے اور پردہ دری پر سخت سے سخت وعید وارد ہوئی ہے، چنانچہ حدیث میں آیا کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، جو شخص کسی مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری فرماتے ہیں حتیٰ کہ گھر بیٹھے اس کو رسوا کر دیتے ہیں۔^(۱)

اس لئے اس حدیث میں اس سے بچنے اور باز رہنے کا حکم ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب لوگوں میں بیان کرو اور اللہ اس پر رحم فرما کر اس کو توبہ کی توفیق دے دیں اور تم کو اس کی پاداش میں اس میں مبتلا کر دیں، اسی لئے ایک روایت میں آیا ہے کہ جو کسی مسلمان بھائی کو کسی گناہ پر عار دلانے کا تو نہیں مرے گا یہاں تک کہ اس گناہ کو کرے،^(۲) اس لئے اس سے خوب بچنا چاہئے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۴ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:

عن واثلة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تظهر الشماتة لأخيك، فیرحمه الله ویتبلیک.

ترجمہ: اخرجہ الترمذی فی ابواب القیامۃ وقال هذا حدیث غریب.

ترکیب حدیث: لا تظهر: فعل فاعل۔ الشماتۃ: مفعول۔ ل: حرف جار۔ اخیک: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا اور جار مجرور فعل ”تظهر“ کے متعلق ہو کر جملہ معلل۔ فاء: حرف تعلیل۔ یرحم: فعل۔ ہ: مفعول۔ لفظ اللہ فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ یتبلی: فعل، ضمیر فاعل۔ ک: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

مشرکین سے جہاد کرو

﴿۱۸۰﴾ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسِّنْتِكُمْ.

ترجمہ: ”مشرکین کے ساتھ جہاد کرو اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ساتھ۔“

لُغَاتُكَ: أَنْفُسِكُمْ: جمع نَفْس کی بمعنى جان۔ السِّنْتِكُمْ: جمع لِسَان، بمعنى زبان۔

تَفْہِیْمٌ: جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا رہے اور اللہ کی زمین پر اللہ کے نام کا جھنڈا بلند ہو جائے اور اللہ کے باغی منکروں کا دعویٰ سرنگوں ہو جائے اس کے لئے جو کوشش محنت کرے وہ بہت ہی فضائل کا مستحق ہوگا، ایک روایت میں آتا ہے کہ کسی آدمی کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔^(۱)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اول: وقت پر نماز پڑھنا۔ دوم: والدین سے حسن سلوک۔ سوم: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔^(۲)

حدیث بالا میں تین طرح سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے:

اول: جان سے کہ جب حق و باطل کے درمیان معرکہ پیش آجائے تو اپنی جان کو لے کر میدان میں اتر جائے اور اللہ کے دین کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کر دے۔

دوم: مال سے کہ لشکر کی تیاری کے لئے یا باطل کو مٹانے کے لئے جب مال کی ضرورت پڑے تو یہ اپنے مال کو پیش کر دے۔ سوم: زبان سے کہ دشمنان اسلام کے عقائد و نظریات کی زبان سے مذمت کرے، جب ان سے مقابلہ ہو تو ان کے حق میں ذلت رسوائی اور شکست کے لئے بددعا کرے اور زبان سے ان کو ڈرائے دھمکائے اور لوگوں کو جہاد میں جانے کی ترغیب دے یہ سب زبان کا جہاد ہے۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الجہاد“ ص ۳۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: جاهدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم.

تَفْہِیْمٌ حَدِیْثٌ: اخرجہ ابو داود فی کتاب الجہاد (باب کراہیۃ ترک الغزو).

تَرْکِیْبٌ حَدِیْثٌ: جاهدوا: فعل فاعل۔ المشرکین: مفعول۔ باء: حرف جار۔ اموالکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ انفسکم: معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ السنتکم: معطوف۔ تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر باء کے لئے مجرور۔ جار مجرور سے مل کر فعل کے متعلق ہوا۔ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو

(۱۸) اِنْقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ.

تَرْجَمَةٌ: ”بچو جہنم کی آگ سے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہی ہو اگر اس کو نہ پائے تو اچھی بات کہہ دے۔“
لُغَاتُكَ: بِشَقِّ: بکسر الشین، بمعنی جانب، کنارہ، ہر چیز کا آدھا حصہ، جمع شُقُوق ہے، شَقٌّ (ن) شَقًّا توڑنا، پھاڑنا۔
تَرْجَمَةٌ: صدقہ سے مصائب و بلاء کا دور ہونا روایات کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے، اس حدیث میں حضور ﷺ نے ایک اور اہم امر کی طرف توجہ دلائی کہ جس طرح صدقہ سے دنیاوی مصائب و بلاء دور ہوتے ہیں اسی طرح آخرت میں جہنم سے بچاؤ کا بھی ذریعہ ہے، دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو یعنی اگر زیادہ نہیں ہے تو نہ کریں بلکہ فرمایا کہ جتنا بھی ہو جس قدر استعداد ہو آسان ہو اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ سے خرید لے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو میں تجھے اللہ جل شانہ کے کسی عتاب سے نہیں بچا سکتا، اے عائشہ! کوئی مانگنے والا تیرے پاس سے خالی ہاتھ نہ جائے چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (۱) تو جس قدر استعداد ہو ہاں اگر بالکل کچھ دینے کو نہیں تو پھر اس حالت میں دوسری صورت یہ ہے کہ اچھی طرح سے جواب دے دو یہ نہیں کہ اگر کچھ دینے کو نہیں ہے تو بھدے پن کے جواب دو بلکہ اس کی دل شکنی کرنے کے بجائے نہایت نرمی و ملائمت سے اپنا عذر بیان کر دو اور ایسے الفاظ و اسلوب میں جواب دو کہ وہ تمہارے جواب ہی سے خوش ہو جائے بشرطیکہ دین میں مدد نہ ہو۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب علامات النبوة“ ص ۵۲۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عدی بن حاتم قال: بینا أنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذ اتاہ رجل فشکا الیہ الفاقة ثم اتاہ الآخر فشکا الیہ قطع السبیل فقال یا عدی: هل رأیت الحیرة فان طالت بك حیوة فلتترین الطعینة تترحل من الحیرة حتی تطوف بالكعبة لا تخاف احدا الا اللہ ولئن طالت بك حیوة لتفتحن كنوز كسری ولئن طالت بك حیوة لتترین الرجل یخرج ملاً كفہ من ذهب او فضة یطلب من یقبلہ فلا یجد احدا یقبلہ منه ولیلقین اللہ احدکم یوم یلقاه ولس بینہ و بینہ ترجمان یترجم له فلیقولن الم ابعث الیک رسولا فیبلغک فیقول بلی فیقول الم اعطک مالا و افضل علیک فیقول بلی فینظر عن یمینہ فلا یری الا جہنم وینظر عن یسارہ فلا یری الا جہنم اتقوا النار ولو بشق تمرة فمن لم یجد

فبكلمة طيبة قال عدی فرأيت الظعينة ترتحل من الحيرة وحتى تطوف بالكعبة لا تخاف الا الله و كنت فيمن افتتح كنوز كسرى بن هرمز ولئن طالت لكم حياة لترون ما قال النبي ابو القاسم صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يخرج ملاء كفه.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الادب (باب طیب الکلام) وفی کتاب الزکوۃ (باب اتقوا النار ولو بشق تمرة) و اخرجہ مسلم فی کتاب الزکوۃ (باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة).
تَرْکِیْبُ حَدِیْثٍ: اتقوا: فعل ضمیر فاعل۔ النار: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا مقدم۔ کان: فعل محذوف۔ تمر: اس کا اسم۔ بشق: باء: حرف جار۔ شق تمرة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو، جار مجرور سے مل کر کان کے متعلق، ”کان“ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط مؤخر، جزا مقدم شرط مؤخر سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ فمن: من: موصولہ متضمن معنی شرط۔ لم یجد: فعل، ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ باء: حرف جار۔ کلمۃ طیبۃ: موصوف صفت سے مل کر باء کے لئے مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہو کر جزاء، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو

(۱۸۲) اِغْنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ.

ترجمہ: ”پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، فقر سے پہلے خوشحالی کو، مشاغل سے پہلے فراغت و وقت کو، موت سے پہلے زندگی کو۔“

لُغَاتُ: اِغْنِمْ: غنیمت سمجھنا، غَنِمَ (س) غُنْمًا سبقت حاصل کرنا، قال تعالى: ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ شَبَاب: جوانی، شَبَّ (ض) شَبَابًا، جوان ہونا۔ هَرَمَ: بمعنی انتہائی بوڑھا ہونا، هَرَمَ (س) هَرَمًا، بہت بوڑھا ہونا، کمزور ہونا۔ سُقْمَ: سُقِمَ (س، ك) سُقْمًا، سَقَامَةً بمعنی بیمار ہونا، قال تعالى: ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ اس کی جمع سِقَام اور سَقَمَاء آتی ہے۔ تَشْرِيحُ: ”شبابك قبل هرمك“: جوانی کو غنیمت جانو، کہ آدمی جوانی میں وہ اعمال کر سکتا ہے جو بڑھاپے میں نہیں کر سکتا، جوانی میں نیکی کی عادت ڈال لی گئی تو پھر بڑھاپے میں آسانی سے نیکیاں کرتا رہے گا۔

”صحتك قبل سقمك“: صحت کو غنیمت جانو بیماری سے پہلے، علماء نے لکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی نعمت صحت و تندرستی ہے کیونکہ جب بیماری میں بدن کمزور ہو جائے گا تب بدن اللہ کی پوری طرح اطاعت نہیں کر سکے گا۔

”غنناك قبل فقرك“: مال داری کو فقر آنے سے پہلے، کہ جب اللہ انسان کو مال دے تو اس کو دین کے کاموں میں خرچ کرے، ایسا نہ ہو کہ مال ختم ہو جائے یا موت آجائے پھر تمنا کرے گا تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

”فراغك قبل شغلك“: فراغت کو مشغولیت سے پہلے، کہ جب آدمی مصروف ہو جاتا ہے تب اس کو فراغت کے وقت کی قدر آتی ہے کاش کچھ فراغت مل جائے تاکہ میں اللہ کی اطاعت میں اس کو لگا دوں جیسے کہ مقولہ ہے:

”الْبِعْثَةُ إِذَا فَقِدَتْ عُرِفَتْ“

ترجمہ: یعنی جب نعمت ہاتھ سے نکل جاتی ہے پھر اس کی قدر آتی ہے۔“

اس پر فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے: ”رات بڑی لمبی ہے اس کو اپنی نیند سے چھوٹی مت کرو اور دن روشن ہے اس کو اپنے گناہوں سے تاریک نہ کرو۔“ ”حیوتك قبل موتك“: اپنی زندگی کو موت سے پہلے، آدمی زندگی میں تو عمل کی طاقت رکھتا ہے موت آنے پر یہ طاقت چھین لی جائیگی اس لئے اپنی اس عمر فانی کو ضائع نہ کرے، ایک دانا کا قول ہے: ”بچپن کھیل میں جوانی مستی میں اور بڑھاپا سستی اور غفلت میں گزارا تو خدا پرستی کے لئے کہاں سے وقت نکالے گا“ اسی لئے زندگی میں اللہ کی اطاعت کے لئے وقت کو فارغ کرنا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
 عن عمر بن ميمون الاودي رضى الله عنه قال: قال رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لرجل
 وهو يعظه: اغتنم خمسا قبل خمس شبابك قبل هرمك وصحتك قبل سقمك وغناك قبل فقرك
 وفراغك قبل شغلك وحيوتك قبل موتك.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه الحاكم في المستدرک فی کتاب الرقاق وقال هذا حديث صحيح على شرط
 الشيخين ولم يخرجاه.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: اغتنم: فعل، ضمير فاعل۔ خمساً: مُمَيِّزُ اَوَّل۔ شبابك: مضاف مضاف اليه سے مل کر معطوف عليه۔ واؤ:
 حرف عطف۔ صحتك: مضاف مضاف اليه سے مل کر معطوف اول۔ واؤ: حرف عطف۔ غناك: معطوف ثانی۔ واؤ: حرف
 عطف۔ فراغك: معطوف ثالث۔ واؤ: حرف عطف۔ حيوتك: معطوف رابع۔ معطوف عليه اپنے چاروں معطوفات سے مل
 کر تمیز، مُمَيِّز تمیز سے مل کر مفعول اغتنم فعل کا۔ قبل خمس: مضاف مضاف اليه سے مل کر مُمَيِّز ثانی۔ قبل هرمك: مضاف
 مضاف اليه سے مل کر معطوف عليه۔ واؤ: حرف عطف۔ قبل سقمك: معطوف اول۔ واؤ: حرف عطف۔ قبل فقرك:
 معطوف ثانی۔ واؤ: حرف عطف۔ قبل شغلك: معطوف ثالث۔ واؤ: حرف عطف۔ قبل موتك: معطوف رابع۔ معطوف
 عليه اپنے چاروں معطوفات سے مل کر تمیز، مُمَيِّز تمیز سے مل کر مفعول، اغتنم فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ
 انشائیہ ہوا۔

لَيْسَ النَّاقِصَةُ

پہلوان کسے کہتے ہیں؟

(۱۳) لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.

ترجمہ: ”نہیں ہے طاقت ور پہلوان جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقت ور پہلوان تو وہ ہے جو اپنے نفس کو غصہ کے وقت قابو میں رکھے۔“

لُغَاتُكَ: الشَّدِيدُ: بہادر، قوی، بلند، قال تعالى: ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ جمع أَشْدَاء، شُدُود آتی ہے، شَدَّ (ن، ض) شَدًّا مضبوط کرنا۔ الصُّرْعَةُ: جو دوسرے کو پچھاڑ دے، صَرَعَ (ف) صَرَعًا، بمعنی پچھاڑ دینا۔ تَشْيِيعُ: علماء فرماتے ہیں غصہ شیطانی وسوسوں سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے آدمی ظاہری و باطنی اعتدال کو چھوڑ بیٹھتا ہے، غصہ اس صورت میں مذموم ہے جب کہ باطل کے لئے ہو اور جب کہ راہ حق کو وہ چھوڑ دے اور اگر غصہ حق کے لئے ہو تو یہ محمود ہے، اس تمہید کے بعد اب حدیث بالا کو دیکھئے فرمایا جا رہا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا پہلوان اگر کسی بڑے پہلوان کو میدان میں پچھاڑ دے مگر وہ خود اپنے نفس سے پچھاڑا جائے تو یہ درحقیقت پہلوان نہیں اور جو اپنے نفس کو زیر کر دے جو حقیقت میں اس کا سب سے بڑا دشمن ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

”أَعْدَى عَدُوِّكَ الْتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ“

ترجمہ: تمہارے دشمنوں میں سے سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے۔ (۱)
نفس کو پچھاڑنے والے کو بڑا پہلوان کیوں کہا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم فانی ہے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں بخلاف روح کے جو اصل ہے ہمیشہ رہنے والی ہے تو اب جو نفس امارہ کو پچھاڑ دے گا اس کی حیثیت شریعت کے نزدیک زیادہ ہوگی جسم کے پچھاڑنے والے سے۔ بقول شاعر:

مردی نہ بقوت بازو ست وزور کف
با نفس اگر بر آئی دامن کہ شاطری

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغضب والكبر“ ص ۴۳۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

وعنه رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذى يملك نفسه عند الغضب.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الادب (باب الحذر من الغضب) واخرجہ مسلم فی کتاب البر والصلۃ (باب فضل من يملك نفسه عند الغضب وبای شیء يذهب الغضب).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: ليس: فعل ناقص۔ الشدید: اس کا اسم۔ بالصرعة: جار مجرور متعلق فعل محذوف کے ہو کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ انما: کلمہ حصر۔ الشدید: مبتداء۔ الذی: موصول۔ يملك: فعل ضمیر فاعل۔ نفسه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول۔ عند الغضب: مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

عورت کو اس کے خاوند کے خلاف اکسانا منع ہے

(۱۷۷) لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهِ.

ترجمہ: ”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بدراہ کرے۔“

لُغَاتُكَ: خَبَّبَ: دھوکا دینا، خراب کرنا، بگاڑنا، خَبَّبَ عَلَى فَلَانٍ صَدِيقَهُ، اس نے فلان کے دوست کو بگاڑ دیا۔
تَشْرِیحُ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کسی کی بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف اکسائے اس کی شکل یہ ہوئی کہ بیوی کے سامنے اس کے خاوند کی خوب برائی کی جائے اور یہ دوسری شکل بھی ممکن ہے کہ اس کی بیوی کے سامنے دوسرے اجنبی آدمی کی ایسی ایسی خوبیوں کو بیان کیا جائے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ واقعی میرے شوہر میں تو یہ خوبیاں موجود نہیں جو یہ فلاں شخص کے اندر ہیں، اس سے بھی دوسرے آدمی کی عزت اور اپنے شوہر کی نفرت اس کے دل میں پیدا ہوگی۔

یہ شکل بھی ممکن ہے کہ کسی کی بیوی کو بہکایا جائے کہ تم اپنے شوہر سے اتنے مال وغیرہ کا مطالبہ کرو کہ فلاں کی بیوی نے یہ مطالبہ کیا اس کے شوہر نے اس کو لا کر دیا تم بھی ایسا کرو اور یہ بھی شکل ممکن ہے کہ کہے اب یہ زمانہ نہیں رہا کہ بیوی شوہر کی خدمت کرے تم اپنے خاوند کی کیا نوکرائی ہو ہمیشہ اس کی خدمت ہی کرتی رہوگی؟

اسی طرح غلاموں اور نوکروں کے بارے میں بہکایا جائے کہ تم اپنے مالک کا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ یا نوکر کو کہا جائے کہ فلاں جگہ پر اچھی نوکری ہے وہاں چلے جاؤ یہاں اتنے کم میں تم کیوں نوکری کر رہے ہو؟ بہر حال ہر وہ صورت جس میں بیوی کو اس کے شوہر کے خلاف بہکایا جائے یا نوکر کو اس کے آقا کے خلاف، یہ سب صورتیں انتہائی نازیبا ہیں ان سے اجتناب ضروری ہے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب عشرة النساء و مالک واحد من الحقوق“ ص ۲۸۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس منا من خبب امرأة علی زوجها او عبدا علی سیدہ.

تَحْرِیحُ حَدِيثِ: اخرجه ابو دؤاد فی کتاب الطلاق (باب من خبب امرأة علی زوجها).
ترکیبِ حَدِيثِ: لیس: فعل ناقص۔ منا: کاننا کے متعلق ہو کر لیس کی خبر مقدم۔ من: موصولہ۔ خبب: فعل ضمیر فاعل امرأة: معطوف علیہ۔ او: حرف عطف۔ عبدا: معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول۔ علی: حرف جار۔ زوجها: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ او: حرف عطف۔ علی: حرف جار۔ سیدہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر علی کا مجرور ہو کر فعل کے متعلق۔ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر لیس کا اسم۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

چھوٹوں پر رحم نہ کرنے والا ہم میں سے نہیں

(۱۸۵) لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِّرْ كَبِيرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

ترجمہ: ”ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور

اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور بری باتوں سے نہ روکے۔“

لُعَاثِكُ: يُوقِّرُ: وَقَّرَ (ض) وَقَّرًا، وَقَارَةً، صاحب وقار ہونا، فلان وَقَّرَ شَيْخَهُ، فلاں نے اپنے استاد کی تعظیم کی۔

تشریح: اسلام نے پاکیزہ زندگی گزارنے کی مکمل تعلیم دی ہے یہ حدیث بھی اسی تعلیم کی معلم ہے، اس میں بھی حضور ﷺ نے چھوٹے بڑوں کے باہمی آداب سکھائے ہیں چنانچہ بچوں پر رحمت و شفقت کا حکم فرمایا، ایک روایت میں آیا ہے کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہاں، تو انہوں نے کہا کہ ہم تو نہیں کرتے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیا کروں کہ اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت نکال لی ہے۔

دوسری چیز بڑوں کا احترام ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اکرام میں سے ہے کہ بوڑھے مسلمان کا اکرام کرنا، ایک جگہ فرمایا کہ: وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی عزت نہ پہچانے، اس کے لئے ایک دوسرے کو نصیحت کرنا اور بھلائی پر آمادہ کرنا اور برائی سے بچانا یہ نہایت ضروری ہے اس لئے اس امر کی طرف بھی تنبیہ فرمادی جیسا کہ قرآن میں ہے: **وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ**، نصیحت فرماتے رہئے، نصیحت کرنا مومنین کو فائدہ دیتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة على الخلق“ ص ۴۲۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا ويأمر بالمعروف وينه عن المنكر.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب البر والصلة (باب ماجاء فی رحمة الصبيان) وأخرجه ابو داود فی کتاب الادب (باب فی الرحمة).

ترکیب حدیث: لیس: فعل ناقص۔ منا: کائنات کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ من: موصولہ۔ لم یرحم: فعل ضمیر فاعل۔ صغیرنا: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف لم یوقر کبیرنا: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ معطوف، واؤ حرف عطف، یأمر بالمعروف: فعل فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ معطوف، واؤ صرف عطف۔ ینہ: فعل فاعل۔ عن المنکر: متعلق ینہ کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر من کا صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر لیس کا اسم۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ

پڑوسی کا خیال نہ رکھنے والا مؤمن نہیں

﴿۱۸۱﴾ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ.

تَرْجَمَہ: ”وہ شخص (کامل) مؤمن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔“
لُغَاتُہ: يَشْبَعُ: (س) شَبَعًا، شَبَعًا مِنَ الطَّعَامِ. شکم سیر ہونا۔ جَنْبِہ: جانب، پہلو اس کی جمع أَجْنَاب اور جُنُوب آتی ہے، قال تعالیٰ: ﴿فَتَكُونُ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ﴾.

تَفْسِیْرُہ: حدیث کا مدعا یہ ہے کہ مسلمان اس وقت تک کامل درجے پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے پڑوسی کا خیال نہ رکھے، خاص کر کے جب کہ وہ بھوکا ہو، اس کو کچھ نہ کچھ بھیج دے یہاں تک کہ ایک روایت میں فرمایا گیا کہ تمہارے پاس زیادہ شور بانہیں تو جو شور باہے اسی میں کچھ پانی ملا لو اور پھر اس میں سے پڑوسی کو بھی کچھ بھیج دو، شریعت نے دوسری طرف پڑوسی کو بھی یہ سمجھایا کہ اگر پڑوسی جو معمولی سی بھی چیز بھیج دے تو اس کو حقیر نہ جانے خوشی کے ساتھ قبول کر لے اگرچہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔^(۱)

سب سے زیادہ وہ پڑوسی مقدم ہوگا جس کا دروازہ آدمی کے گھر سے زیادہ نزدیک ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دو ہمسایوں میں سے ایک کا دروازہ تو میرے سامنے ہے اور دوسرے کا دروازہ مجھ سے دور ہے بعض مرتبہ میرے پاس اتنی چیز نہیں ہوتی کہ دونوں کو بھیجی جاسکے تو دونوں میں سے کس کا حق زیادہ ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: وہ پڑوسی جس کا دروازہ تمہارے سامنے ہے وہ زیادہ حق دار ہے۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة علی الخلق“ ص ۴۲۴ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سمعت رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یقول: لیس المؤمن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ.

تَحْرِیْرُہ حدیث: عزاء صاحب مشکوٰۃ الی البیہقی فی شعب الایمان فی (باب الشفقة والرحمة علی الخلق).

تَرْکِیْبُہ حدیث: لیس: فعل ناقص۔ المؤمن: اس کا اسم۔ باء: زائدہ۔ الذی: موصولہ۔ یشبع: فعل ضمیر ذوالحال۔ واؤ: حالہ۔ جارہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء۔ جائع: صیغہ اسم فاعل ضمیر فاعل۔ الی: حرف جار۔ جنبہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر متعلق جائع کے۔ جائع: صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال۔ ذوالحال حال سے مل کر یشبع کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

مؤمن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا

﴿۱۸۷﴾ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيّ.

ترجمہ: ”وہ شخص (کامل) مؤمن نہیں جو دوسرے پر طعن کرنے والا ہو اور جو دوسروں پر لعنت کرنے والا ہو اور جو بے ہودہ باتیں کرنے والا ہو۔“

لُعَانَتِ: الطَّعَّانُ: مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت زیادہ طعنہ دینے والا۔ ”طَعَنَ (ن، ف) طَعْنًا“ نیزہ مارنا، ”فی الرجل“، عیب لگانا، ”طَعَنَ عَلَيْهِ“ طعنہ مارنا۔ لَعَّانٌ: یہ بھی صیغہ مبالغہ کا ہے، بہت زیادہ لعنت کرنے والا، لَعَنَ (ف) لَعْنًا فلانا، لعنت کرنا، گالی دینا۔ الْفَاحِشُ: حد سے گزرنے والا۔ فَحِشٌ (ك) فُحْشًا، بڑا ہونا، (ض)۔

تَشْيِیْحٌ: ”اللَّعَّانُ“: مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت زیادہ لعنت کرنے والا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لعنت کرنے پر جو وعید ہے وہ کبھی کبھار کی لعنت پر نہیں بلکہ جو کثرت سے اس مرض میں مبتلاء ہوگا اس کے لئے ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آدمی کبھی کبھار کر لیا کرے، لعنت کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم: کسی شخص کو بالکل اللہ سے ناامید اور رحمت خداوندی سے دور کرنا ہو یہ قسم کافروں کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ دوسری قسم: یہ ہے کہ کسی شخص کو مقام قرب خداوندی سے دور کرنا ہو جو ترک اولیٰ وغیرہ کا مرتکب ہو یہ مسلمانوں کے لئے ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال کے ترک کرنے پر جو احادیث میں لعنت کے الفاظ منقول ہوئے ہیں اس کا تعلق اسی دوسری قسم سے ہوگا۔

”لا الفاحش“: فحش گو نہیں ہوگا، مؤمن فضول، غلط کبواں نہیں کرتا، زبان کی حفاظت کرتا ہے، مشکوٰۃ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس پر بھی پکڑے جائیں گے جو کچھ بات زبان سے کر لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر تیری ماں روئے! اے معاذ! کیا آدمیوں کو ناک کے بل اوندھے منہ جہنم میں زبان کے علاوہ اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے؟ اور بہت سی روایات میں سخت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ پہلے تو لو پھر بولو، اللہ زبان کے فتنہ سے سب کی حفاظت فرمائے (آمین)۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا بالفاحش ولا بالبذی (وفی اخری له) ولا الفاحش البذی.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب البر والصلۃ (باب ماجاء فی اللعنة).
 تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: لیس: فعل ناقص۔ المؤمن: لیس کا اسم۔ بالطعان: باء زائدہ۔ الطعان: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف
 عطف۔ لا: زائدہ۔ اللعان: معطوف علیہ و معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ لا: زائدہ۔ الفاحش: معطوف علیہ معطوف۔ واؤ:
 حرف عطف۔ لا: زائدہ۔ البذی: معطوف۔ تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر
 جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



صلہ رحمی کی تعریف

﴿لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا﴾

ترجمہ: ”صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو بدلے میں کرے (یعنی برابر برابری کا معاملہ کرے) لیکن صلہ رحمی کرنے والا شخص تو وہ ہے جب اس سے قطع تعلق کیا جائے تو وہ تعلق کو قائم رکھے۔“

لُغَاتُكَ: الْوَاصِلُ: جوڑنے والا۔ وَصَلَ (ض) وَصَلًا، وَصَلَةً، بمعنی جوڑنا، صلہ رحمی کرنا، نرمی کرنا۔ الْمُكَافِي: کافی، مُكَافَاةً، احسان کا بدلہ احسان یا اس سے زیادہ اچھی طرح سے دینا۔ رَحِمُهُ: قرابت، رشتہ دار، جمع أَرْحَام، قال تعالى: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾۔

تشریح: جب کسی نے کسی پر احسان کیا تو دوسرا بھی اس پر احسان کرنے پر مجبور ہوگا۔ صلہ کا یہ معاملہ تو آدمی اجنبی کے ساتھ بھی کرتا ہے تو اس میں صلہ رحمی کہاں سے آئی؟ صلہ رحمی کی حقیقت یہ ہے کہ اگر دوسرے کی طرف سے بے نیازی، بے التفاتی یہاں تک کہ قطع تعلق بھی ہو تو یہ اس کو جوڑنے کی فکر میں ہو اور ان پر صلہ رحمی کرتا رہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ مضمون زیادہ وضاحت سے آیا ہے، ایک صحابی نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے رشتہ دار ہیں میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں، وہ قطع رحمی کرتے ہیں میں ان پر احسان کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں میں ہر معاملہ میں تحمل سے کام لیتا ہوں وہ جہالت پر اترے رہتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر یہ سب بات صحیح ہے تو تو ان کے منہ میں خاک ڈال رہا ہے (یعنی ان کو ذلیل کر رہا ہے) تیرے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی جب تو اپنی اس عادت پر ہمارے گا۔

”درمنثور“ کی ایک روایت میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرے کہ قیامت میں اس کو بلند مکانات ملیں اور اونچے درجات ملیں اس کو چاہئے کہ ظلم کرنے والے سے درگزر کرے اور جو اس کو محروم کرے اس پر احسان کرے جو اس سے تعلقات توڑے اس سے یہ تعلقات جوڑے۔

تو نہ چھوٹے مجھ سے یارب تیرا جھٹنا ہے غضب
یوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑے

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البر والصلة“ ص ۴۱۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس الواصل بالمکافی ولكن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا۔

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الادب (باب ماليس الواصل بالمكافى) و اخرجہ الترمذی فی ابواب البر والصلۃ (باب ماجاء فی صلۃ الرحم).

تَرْكِيْبُ حَدِيثٍ: ليس: فعل ناقص۔ الواصل: ليس کا اسم۔ باء: زائدہ۔ المكافى: خبر۔ ليس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ۔ لکن: حرف مشبہ بالفعل۔ الواصل: اسم۔ الذى: موصولہ۔ اذا: حرف شرط۔ قطعت: فعل مجھول۔ رحمہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل۔ فعل اپنے نائب فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ وصلها فعل فاعل مفعول سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر لکن کی خبر۔ لکن اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



اصل دولت مندی دل کا غنی ہونا ہے

﴿۱۸۹﴾ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ.

ترجمہ: ”نہیں ہے دولت مندی (امیری) مال و اسباب کی زیادتی سے بلکہ دولت مندی (امیری) دل کا غنی ہونا ہے۔“

لُغَاتُكَ: عَرَضٌ: متاع، سامان، اسباب، جمع عُرُوضِ آتی ہے۔ النَّفْسُ: روح، دل، جمع نَفُوسِ اور اَنْفُسِ آتی ہے۔ تَشْيِخٌ: دل کے غنی ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ حاصل ہو جائے اس پر دل مطمئن ہو جائے ^(۱) اور اس کا حوصلہ بلند ہو جائے اور مال دولت کے سہارے کے بجائے اللہ پر سہارا رکھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر روز ایک فرشتہ عرش سے منادی کرتا ہے ”اے انسان! گمراہ کرنے والے زیادہ مال سے کفایت کرنے والا تھوڑا مال تیرے لئے بہتر ہے۔“ تو جس کا دل غنی ہو جائے اگرچہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تب بھی اس کا دل مطمئن رہتا ہے، بخلاف اس شخص کے جس کے دل میں حرص اور طمع ہو خواہ اس کے پاس مال کتنا کیوں نہ ہو وہ فقیر ہی ہے، ایک عربی کا شاعر قناعت کے بارے میں کہتا ہے: ^(۲)

اضرع الى الله لا تضرع الى الناس * و اقنع بئاس فان العز في اليأس
ترجمہ: اللہ سے مانگ، لوگوں سے نہ مانگ، ان سے ناامید ہو کر قناعت کو اپنا کیونکہ لوگوں سے ناامید ہونے ہی میں عزت ہے۔

واستغن عن ذي قربي وذی رحم * ان الغنى من استغنى عن الناس ^(۳)
ترجمہ: ہر عزیز اور لیگانے سے بے پروا ہو جا کیونکہ لوگوں سے بے نیازی ہی مال داری ہے۔
بعض علماء نے اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ: ”غنی النفس“ سے مراد اخلاق حمیدہ اور علمی کمالات ہیں کہ جس کے اندر کمالات حمیدہ ہوں تو وہ امیر ہے اگرچہ مال و دولت کے اعتبار سے اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو بخلاف اس کے کہ ایک آدمی کے پاس مال و دولت بہت ہو مگر اخلاق حمیدہ سے خالی ہو تو وہ حقیقت میں فقیر ہی ہے۔ ^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس الغنی عن کثرة

العرض ولكن الغنی غنی النفس.

تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الرقاق (باب الغنی غنی النفس) و اخرجہ مسلم فی کتاب الزکوۃ (باب لیس الغنی عن کثرة العرض) و اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء ان الغنی غنی النفس) و اخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الزهد (باب القناعة).

تَرْکِیْبِ حَدِیْثٍ: لیس: فعل ناقص۔ الغنی: اس کا اسم۔ عن: حرف جر۔ کثرة العرض: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور سے مل کر کانا محذوف کے متعلق ہو کر خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ لکن: حرف مشبہ بالفعل۔ الغنی: اس کا اسم۔ غنی النفس: مضاف مضاف الیہ سے مل کر لکن کی خبر۔ لکن اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



کیا صلح کروانے میں جھوٹ بولنا جائز ہے؟

①۹۰ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا.

ترجمہ: ”جھوٹا وہ شخص نہیں جو لوگوں میں صلح کرائے اور خود بھی اچھی بات کہے اور دوسرے کی طرف بھی اچھی بات کی نسبت کرے (اگرچہ اس میں وہ جھوٹ سے کام لے)۔“

لُغَاتُكَ: يَنْمِي: نَمَى (ض) نَمِيًا ”الشيء“: بلند کرنا، منسوب کرنا مراد دوسرا معنی ہے الْحَدِيثُ إِلَى فُلَانٍ، کسی کی طرف منسوب کرنا۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے باہمی نزاع اور فتنہ و فساد کو ختم کرانے کے لئے کوئی شخص اگر ایسی بات بھی کہہ دے جو واقعہ کے خلاف ہو تو جھوٹ نہیں ہوگا اور اس پر جھوٹ کا گناہ نہیں ہوگا بلکہ ایسے شخص کے لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کرائے اللہ تعالیٰ اس کو ایک ایک پر ایک ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب مرحمت فرماتے ہیں ^(۱) بشرطیکہ اس میں اخلاص کے ساتھ آپس کے نزاع کو ختم کرنے کی نیت ہو۔ مثلاً دو آدمیوں کا آپس میں نزاع ہو گیا تو اب تیسرا آدمی پہلے کے پاس جا کر کہتا ہے کہ وہ دوست جس سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا تمہاری تو بہت تعریف کر رہا تھا اور اس نے تم کو سلام بھی بھیجا ہے اگرچہ اس نے سلام نہ کہلویا ہو یا اس کی تعریف نہ کی ہو، پھر یہ دوسرے کے پاس بھی اسی قسم کی بات کرتا ہے، اگر اس میں ان کی آپس کی دوستی کروانی مقصود ہو تو اب یہ جھوٹ نہیں ہوگا ^(۲) بعض علماء فرماتے ہیں اس صلح کروانے میں بالکل صاف جھوٹ نہ بولے بلکہ توریہ وغیرہ سے کام لے تو اچھا ہے۔ ^(۳)

”توریہ“ کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو مطلب ہوں مثلاً کلم کے ذہن میں اس کا مطلب بعید ہے وہ اس کو مراد لے رہا ہے مگر مخاطب اس کے ظاہری مطلب کو سمجھ رہا ہو۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ام كلثوم رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس ويقول خيرا وينمي خيرا.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الصلح (باب ليس الكاذب الذي يصلح بين الناس) وأخرجه مسلم فی کتاب البر والصلة (باب تحريم الكذب وبيان ما يباح منه) وأخرجه الترمذی فی ابواب البر والصلة (باب ما جاء في الاصلاح بين الناس).

تَرْكِيْبُ جَدِيْثٍ: ليس: فعل ناقص۔ الكذاب: ليس کا اسم۔ الذی: موصولہ۔ يصلح: فعل ضمیر فاعل۔ بین الناس: مضاف
 مضاف الیہ سے مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ يقول: فعل ضمیر فاعل۔
 خیرا: مقولہ۔ فعل اپنے فاعل اور مقولہ سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ ینمی خیرا: فعل اپنے ضمیر فاعل
 اور مفعول سے مل کر معطوف۔ معطوف اپنے معطوفات سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم
 اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



اللہ کے نزدیک دعا سے پسندیدہ اور کوئی عمل نہیں

﴿۱۹۱﴾ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ.

ترجمہ: ”اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں۔“

تفسیر: مسیح: انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سیکڑوں قسم کی تدبیریں کرتا ہے اور اس میں بڑی بڑی تکالیف بھی اٹھاتا ہے بسا اوقات وہ ساری تدبیریں الٹی پڑ کر نقصان دے جاتی ہیں، ضرورت کے پورا ہونے کے لئے ایک طریقہ شریعت نے بھی بتایا وہ سو فیصدی کامیاب ہے کبھی کسی کو بھی اس میں نقصان نہیں ہوا وہ دعا کا طریقہ جس کے بارے میں خود خدا تعالیٰ شانہ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

ترجمہ: ”مجھ سے دعا کرو میں تمہارا کام پورا کر دوں گا۔“

اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس کو اللہ سے دعا مانگنے کی توفیق مل گئی تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کی مراد پوری ہوگی، یہی نہیں کہ صرف اس کی مرادیں پوری ہوں گی بلکہ وہ اللہ کا مقرب بھی بن جاتا ہے اور جو اللہ سے دعا نہیں مانگتا اپنی تدبیروں میں پھنستا جاتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو اللہ سے ہر حال میں دعا مانگتا رہتا ہے تو فرشتے بھی اس کی سفارش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جانی پہچانی آواز ہے، اور جو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا اہتمام نہیں کرتا جب وہ دعا کرتا بھی ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اس آواز کو ہم نہیں پہچانتے اور اس کی آواز سے بے توجہی برتتے ہیں اور اس کی دعا کی قبولیت کے لئے سفارش نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو اللہ سے دعا کرتا رہتا ہے اس کا فرشتوں کے ساتھ بھی اور خدا کے ساتھ بھی قرب رہتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الدعوات“ ص ۱۹۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس شیء اکرَمَ علی اللہ من الدعاء.

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی فی ابواب الدعوات (باب ماجاء فی فضل الدعاء) واخرجہ ابن ماجہ فی کتاب الدعاء (باب فضل الدعاء).

ترکیب حدیث: لیس: فعل ناقص شیء: لیس کا اسم۔ اکرم: صیغہ اسم تفضیل ضمیر فاعل۔ علی اللہ: جار مجرور متعلق اکرم کے۔ من الدعاء: جار مجرور یہ بھی متعلق اکرم کے۔ اکرم: فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلق سے مل کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

گریبان کو پھاڑنے والا ہم میں سے نہیں

(۱۶۱) لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ.
تَرْجَمَہ: ”وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے رخساروں کو پیٹے، گریبان کو پھاڑے اور ایام جاہلیت کی طرح آواز بلند کرے۔“

لُغَاتُ: الْخُدُودُ: جَمْعُ خَدٍّ بِمَعْنَى رِخْسَارِ الْجُيُوبِ: جَمْعُ جَبِّ كِي بِمَعْنَى گریبان۔ جَابَ (ض) جَبَّيْنَا الْقَمِيصَ، گریبان بنانا۔ شَقَّ: (ن) شَقَّاهُ، بِمَعْنَى پھاڑنا، جدا جدا کرنا۔

تَشْبِیْہ: کسی عزیز رشتہ دار دوست یا متعلق شخص کی وفات پر آدمی کو رنج اور افسوس کا ہونا ایک فطری امر ہے، آدمی کا مرحوم سے جتنا تعلق ہوگا اتنا ہی رنج و غم ہوگا یہاں تک کہ جناب نبی کریم ﷺ کے بیٹے کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کو بھی سخت رنج ہوا اور اس غم میں آپ ﷺ کے آنسو مبارک بھی نکل رہے تھے، آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ بھی رورہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آنسو کا بہنا رحمت ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”إِنَّ النِّعْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونُونَ“ (۱)

تَرْجَمَہ: آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں دل غمگین ہے مگر اس کے باوجود ہماری زبانوں پر وہی الفاظ ہیں جن سے ہمارا پروردگار راضی رہے، اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بے شک غمگین ہیں۔

اتنی تو شریعت نے اجازت دی ہے مگر اس میں رخساروں کو پھینا گریبان کو پھاڑنا یہ حرام ہوگا جیسا کہ عموماً عورتوں کی عادت ہوتی ہے، اسی میں بالوں کو نوچنا، بالوں کو بکھیرنا، منہ کا کالا کرنا، منہ پر مٹی ڈالنا، یہ سب زمانہ جاہلیت کی رسموں میں سے ہے اس کو اسلام نے حرام کر دیا ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البكاء علی المیت“ ص ۱۵۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس منا من ضرب الخدود و شق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية.

تَحْرِیْجُ حَدِیْث: اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان (باب تحریم ضرب الخدود و شق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية) و اخرجہ البخاری فی کتاب الجنائز و کتاب المناقب (باب ما ینہی عنہ من دعوة

(الجاهلية)

تَرْكِيبِ جَدِیِّ: لیس: فعل ناقص۔ منا: جار مجرور محذوف کے متعلق ہو کر لیس کی خبر مقدم۔ من: موصولہ۔ ضرب: فعل ضمیر فاعل۔ الخدود: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ شق: فعل ضمیر فاعل۔ الجيوب: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ دعا: فعل ضمیر فاعل۔ باء: حرف جر۔ دعوی الجاهلیة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر لیس کا اسم۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہوتی

(۱۹۳) لَيْسَ الْخَبْرُ كَالْمُعَايَنَةِ.

ترجمہ: ”نہیں ہے سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح۔“

لُغَاتُ: الْمُعَايَنَةُ: عَايَنَ مُعَايَنَةً، بِمَعْنَى خُود دِيكْهْنَا، مُشَاهَدَہ كَرْنَا۔

تشریح: اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک نفسیاتی نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، انسان کا خاصہ ہے کہ وہ آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز سے جتنا متاثر ہوتا ہے اتنا زیادہ اور اتنی جلدی سنی ہوئی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، (۱) اس حدیث میں اس بات کو سمجھانے کے لئے نبی ﷺ نے ایک مثال دی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام جبل طور پر تشریف لے گئے پیچھے سے سامری نامی آدمی نے بنی اسرائیل کو گوسالہ کی پوجا میں لگا دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر دی کہ اے موسیٰ! تمہاری قوم گوسالہ کی پرستش میں گمراہ ہوئی ہے، اس بات کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کو رنج ہوا اور غصہ بھی آیا مگر توراۃ کی تختیوں کو پھینکا نہیں مگر جب موسیٰ علیہ السلام خود قوم کے پاس پہنچے اور اپنی آنکھوں سے قوم کو اس کی عبادت میں مشغول دیکھا تو اب پہلے سے کہیں زیادہ غصہ بڑھ گیا اور غصہ میں ان تختیوں کو زمین پر بھینک دیا جس سے کچھ تختیاں ٹوٹ بھی گئیں (۲) اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہوتی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب بدأ الخلق وذكر الانبياء عليهم الصلوة والسلام“ ص ۵۱۱ پر ہے، پوری حدیث اس

طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس الخبر کالمعاينة ان اللہ تعالیٰ اخبر موسیٰ بما صنع قومہ فی العجل فلم یلق الا لواح فلما عاین ما صنعوا القی الا لواح فانکسرت.

تخریج حدیث: أخرجه الامام احمد فی مسنده ص ۲۷۱/۱.

ترکیب حدیث: لیس: فعل ناقص۔ الخبر: لیس کا اسم۔ کاف: حرف جار۔ المعاينة: مجرور، جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہو کر لیس کی خبر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

الشرط الجزاء

یہاں سے اب مصنف ایسی احادیث کو لائیں گے جن میں دو جملے ہوں گے ان میں سے ایک کو شرط اور دوسرے کو جزا کہتے ہیں۔

جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے تو اللہ اس کو بلند کرتا ہے

﴿۱۹۶﴾ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ.

ترجمہ: ”جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے تو اللہ اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اللہ اس کو پست کرتا ہے۔“
لُعَاتِك: تواضع: بمعنی ذلیل ہونا، عاجز ہونا، وَضَعَ (ف) وَضَعًا، رکھنا گھٹانا، تواضع، خود سے چھوٹا بننا۔ رَفَعَ: (ف) رَفَعًا اٹھانا رَفَعَ (ك) رَفَعَةً، رَفَاعَةً، عالی مرتبہ ہونا۔
تَشْرِيج: ”کبر“ کہتے ہیں کوئی شخص ان اوصاف سے زیادہ کا دعویٰ کرے جو اپنے اندر رکھتا ہے۔

”صغر“ کہتے ہیں اپنے اصل مقام سے بھی اپنے آپ کو نیچے گرا دے، جس دعویٰ کا وہ حق رکھتا ہے وہ اس کو بھی ترک کر دے، ان دونوں کے درمیان تواضع ہے، یہ اعتدال کا مقام ہے کہ اپنے آپ کو نہ حد سے زیادہ بڑھایا جائے اور نہ ہی حد سے نیچے گرایا جائے، انسان کا اصل کمال اعتدال کی راہ پر اپنے آپ کو جمائے رکھنا ہے، اس تمہید کے بعد اب حدیث کو دیکھا جائے حدیث بالا میں فرمایا جا رہا ہے کہ متکبر و مغرور شخص خود کو بڑا عظیم اور عزت والا سمجھتا ہے اور لوگوں پر اپنی فوقیت دیکھتا ہے مگر وہ خدا کے نزدیک ذلیل و حقیر ہوتا ہے، اس کے برخلاف جو شخص تواضع یعنی درمیانی راہ کو اختیار کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو اپنی نظر میں حقیر جانتا ہے مگر وہ خدا کے نزدیک بلند مرتبہ والا ہوتا ہے، کبر اور صغر کے درمیانی راہ کو تواضع کہتے ہیں۔

درمیانی راہ شریعت کو پسند ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں یہ ہے:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي فِي نَفْسِي صَغِيرًا وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرًا.“

ترجمہ: اے اللہ! مجھ کو میرے نفس کے نزدیک چھوٹا بنا اور لوگوں کی آنکھ میں بڑا بنا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغضب والكبر“ ص ۴۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمر رضى الله عنه قال وهو على المنبر: يا ايها الناس! تواضعوا فاني سمعت رسول الله

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ
وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ حَتَّى لَوْ هُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ
خَنَزِيرٍ.

تَحْنِيجُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشكوة فی باب الغضب والكبر الی البیهقی فی شعب الایمان.
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: مَنْ: کلمہ شرط۔ تواضع: فعل، ضمیر فاعل۔ لِّلَّهِ: جار مجرور متعلق تواضع کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل
کر شرط۔ رفع: فعل۔ ہ: مفعول۔ لفظ اللہ: فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ
ہوا۔ ”مَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ“ کی ترکیب سابق جملہ کی طرح ہے۔



جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا

(۱۹۵) مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ.

ترجمہ: ”جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب محدثین یہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے شکر کی ادائیگی اس میں مضمر ہے کہ اس کی اطاعت اور تابعداری کی جائے اور یہ کہ اس نے جن انسانوں کو ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پہنچنے کا اس تک واسطہ اور ذریعہ بنایا ہے، ان کا شکر ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی پیروی کی جائے، تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پیروی نہیں کی جس نے ان لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کیا جن کے واسطہ سے اللہ نے اپنی نعمتیں اس کو دی ہیں۔ (۱)

دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص اپنے محسن کا شکر یہ ادا نہیں کرتا اور اس نے جو اس شخص کے ساتھ اچھے معاملات اور احسانات کئے ہیں اس کا انکار کرتا ہے جب کہ وہ سامنے موجود ہے تو اس انکار نعمت کی عادت کی بناء پر وہ خدا کی نعمتوں کا بھی ناشکر بن جائے گا۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب العطایا“ ص ۲۶۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ.

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی فی ابواب البر والصلۃ (باب ماجاء فی الشکر) و اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الادب (باب فی شکر المعروف).

ترکیب حدیث: من: کلمہ شرط۔ لم یشکر: فعل، ضمیر فاعل۔ الناس: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ لم یشکر اللہ: فعل فاعل مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے

﴿۱۶۶﴾ مَنْ لَمْ يَسْئَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ.

تَرْجَمَہ: ”جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔“

تَفْصِيلُ مَعْنَى: حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر ترک دعا تکبر اور استغناء کی وجہ سے ہے کہ (معاذ اللہ) مجھ کو خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں تو اس صورت میں اس کا ایمان ہی خطرے میں ہو جاتا ہے اور اگر ترک دعا علت بالا کی وجہ سے بھی نہ ہو تب بھی ان کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، قرآن میں بھی ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾

تَرْجَمَہ: جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔^(۱)

اس آیت میں باتفاق مفسرین ”عبادت“ سے مراد دعا ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ جو اپنی ضروریات اللہ سے نہیں مانگتا اس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور جتنا خدا سے مانگے گا اتنی ہی خدا کی ذات اس سے خوش ہوگی، تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام صلحاء کی سیرت میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ خدا سے خوب مانگنے والے تھے^(۲)۔ بقول شاعر:

اللہ یغضب ان ترکت سوالہ * وبنی آدم حین یسئل یغضب

تَرْجَمَہ: اللہ ناراض ہوتے ہیں جب اس سے مانگنا چھوڑا جائے اور بنی آدم اس وقت ناراض ہوتے ہیں جب ان سے مانگا جائے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الدعوات“ ص ۱۹۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لم یسئل اللہ یغضب علیہ.

تَفْصِيلُ مَعْنَى: أخرجه الترمذی فی ابواب الدعوات.

تَرْجَمَہ: مَن: کلمہ شرط۔ لَمْ یَسْئَلِ: فعل، ضمیر فاعل۔ لَفْظُ اللّٰہِ: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ یغضب: فعل، ضمیر فاعل۔ علیہ: جار مجرور یغضب کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نیک کام کی رہنمائی کرنے والے کو کام کرنے کا ثواب ملتا ہے

﴿۱۹۷﴾ مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ.

ترجمہ: ”جس کسی نے کسی کو نیک کام کی رہنمائی کی اس بتانے والے کو اس کام کرنے والے کے برابر ثواب ہوگا۔“
لُغَاتُكَ: دَلَّ: (ن) دَلَّالَةٌ إِلَى الشَّيْءِ وَعَلَيْهِ۔ رہنمائی کرنا، راستہ دکھانا۔

تشریح: یہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں انعامات میں سے ہے کہ کوئی شخص عمل خیر کے وجود میں آنے کے لئے ذریعہ بن جائے وہ اگرچہ عمل نہیں کرتا مگر اس کو عمل کرنے کا ثواب ملتا ہے، یہاں اسی کا بیان ہے، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہے جیسا خود نیکی کرنے والا۔^(۱)

اب یہ لوگوں کو اعمال کے لئے آمادہ کرتا ہے اگر انفرادی عمل ہے تو بھی بہت اجر ہے اگر اجتماعی ہو تو اس کا بھی خوب فائدہ ہوگا، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا کہ جو ہدایت کی دعوت دے اس کو ان تمام لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے جو اس کی ہدایت پر عمل کریں گے اور ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آئے گی، مزید برآں احسان یہ ہے کہ یہ مساعی اللہ کے ہاں اتنی محبوب ہے کہ اس کی دعوت دینا ہی باعث اجر و ثواب ہے جیسے کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر صدقہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی مانے یا نہ مانے ہمت نہیں ہارنی چاہئے بلکہ اپنی محنت جاری رکھنی چاہئے اس محنت سے اس داعی کو ضرور ہدایت ملے گی کسی کو ملے یا نہ ملے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انه ابدع بی فاحملنی فقال: ما عندی، فقال رجل: یا رسول اللہ انا ادله علی من یحملہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم فی کتاب الامارة (باب فضل اعانة الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب وغیرہ) واخرجه الترمذی فی ابواب العلم (باب ما جاء ان الدال علی الخیر کفاعلہ).

ترکیب حدیث: من: شرط۔ دل: فعل، ضمیر فاعل۔ علی خیر: جار مجرور متعلق ہو فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لہ: جار مجرور کائن محذوف کے متعلق۔ مثل اجر فاعلہ: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر کائن کا فاعل، کائن اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

جولوٹ مار کرے وہ نبی کی امت میں سے نہیں ہے

①۸۷ مَنْ اَنْتَهَبَ نَهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا.

تَرْجَمَہ: ”جو دوسرے کے مال کو لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

لُغَاتِی: اَنْتَهَبَ: مال غنیمت کو لینا۔ نَهَبَ (ف، ن، س) نَهَبًا الغنیمۃ، مال غنیمت لوٹنا، اسی سے نَهْبَةً آرہا ہے، ہر وہ چیز جولوٹی جائے۔

تَشْرِیْح: جو دوسروں کی بھلائی نہیں سمجھتا وہ اس قابل نہیں کہ اس کو اسلامی برادری کا فرد سمجھا جائے، اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔

علماء کرام نے فرمایا کہ جو دوسرے کے مال وغیرہ کو لوٹے خواہ وہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا یہ حرام ہے، حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حقوق العباد کی صرف پامالی نہیں بلکہ اس خبیث حرکت کی وجہ سے معاشرہ اور سوسائٹی کا امن و سکون بھی تباہ ہو جاتا ہے اور اسلام تو امن و سکون کا ضامن ہے، اسلام کے تابعدار ہونے کے ناطے سے ہر ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس معاشرے کو تباہ ہونے سے بچائے، یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب کہ آدمی دوسرے کے مال جائیداد اور دوسرے حقوق کی ایسی ہی حفاظت کرے جیسے کہ اپنی چیزوں کی کرتا ہے کہ وہ اپنی چیز پر کسی کی دست درازی برداشت نہیں کرتا اسی طرح یہ بھی دوسرے کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغصب والعاریۃ“ ص ۲۵۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال: لا جلب ولا جنب ولا شغار فی الاسلام ومن انتهب نهبۃ فلیس منا.

تَخْرِیجِ حَدِیْث: اخرجہ ابن ماجۃ فی کتاب الفتن (باب النہی عن النہبۃ) واخرجہ ابن ماجۃ (فی باب النہی عن النہبۃ) ورواہ ابودود فی کتاب الحدود (باب القطع فی الخلسۃ والخیانۃ).

تَرْکِیْبِ حَدِیْث: من: کلمہ شرط۔ انتهب: فعل، ضمیر فاعل۔ نهبۃ: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیس: فعل ناقص، ضمیر اس کا اسم متا: کاناکے متعلق ہو کر لیس کی خبر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

خاموش رہنے والا نجات پاتا ہے

(۱۹۹) مَنْ صَمَتَ نَجَا.

تَرْجَمَہ: ”جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔“

لُغَاتِک: صَمَتَ: (ن) صَمْتًا، خاموش رہنا، چپ رہنا۔

تَشْرِیح: انسان اگر اپنی زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھے تو بہت سی آفات سے نجات پاتا ہے، اکثر آفتوں میں جو انسان مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر کا تعلق زبان ہی سے ہوتا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر بات چیت کرنا چاندی ہے تو خاموش رہنا سونا ہے، اور اگر اس خاموشی میں اللہ کی ذات و صفات پر غور بھی کر لیا جائے تو نور علی نور بن جائے۔

مشکوٰۃ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ چپ رہنے سے آدمی کو جو درجات عالیہ ملتے ہیں وہ ساٹھ سال کی عبادت سے بھی افضل ہے، غور و فکر جب اللہ کی ذات و صفات یا قدرت پر ہو خواہ ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو اعضاء و جوارح کی عبادت سے افضل ہوگا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب آدمی زبان کو قابو نہ رکھے تو اس کو بسا اوقات معلوم بھی نہیں ہوتا کہ مجھ سے کہاں پر لغزش ہوگئی ہے اور پھر یہ شخص زبان کی ان گنت آفتوں میں پھنستا جاتا ہے، بقول مولانا رومی رحمہ اللہ: ۷

نکتہ کاں جست ناگہ از زبان ۞ ہنچو تیرے داں کہ جست آں از کماں

تَرْجَمَہ: جو بات زبان سے نکل گئی وہ اس تیر کی مثل ہے جو کمان سے نکل گیا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں ہو سکتا اسی طرح زبان کی لغزش بھی واپس نہیں ہو سکتی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صمت

نجا.

تَخْرِجِ حَدِیث: أخرجه الترمذی فی ابواب القیامة.

تَرْکِیْبِ حَدِیث: من: کلمہ شرط۔ صمت: فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ نجا: فعل فاعل سے مل کر اس کی جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

جو مسلمانوں پر ہتھیار اٹھائے وہ امت محمدیہ میں سے نہیں ہے

(۲۰) مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: ”جو شخص ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

الغایت: السِّلَاح: مذکر مؤنث دونوں استعمال ہوتا ہے، بمعنی ہتھیار، جمع أَسْلِحَة، سُلْح، سُلْحَان آتی ہے۔
تشریح: آدمی جب اسلحہ کو کسی دوسرے پر اٹھاتا ہے خواہ وہ مذاق میں ہی کیوں نہ ہو اور اس کا بالکل استعمال کرنے کی نیت بھی نہ ہو تب بھی ایسا شخص حدیث بالا کی وعید میں داخل ہو جائے گا (۱) کیونکہ شیطان تو اسی تاک میں رہتا ہے کہ وہ آدمی کو گناہ میں کسی طرح مبتلا کر دے، عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ آدمی اشارے اشارے میں یا مزاح میں وہ اسلحہ کسی کو چھوتا ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جھگڑا اور قتل و غارت شروع ہو جاتا ہے اسی وجہ سے ہر وہ چیز جو بعد میں فتنہ بن سکتی ہو شریعت نے پہلے ہی سے اس کی ممانعت کر دی ہے۔

”فلیس منا“: آپ ﷺ فرما رہے ہیں ایسا شخص ہماری جماعت سے نہیں ہے یا وہ اس قابل نہیں کہ اس کو اسلامی برادری میں سے سمجھا جائے یا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص ہماری سنت اور ہمارے طریقے پر نہیں ہے یا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص ہمارا تابعدار نہیں ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب سالا یضمن من الجنایات“ ص ۳۰۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمرو ابی هريرة رضى الله عنهم عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الفتن (باب قول النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا) وأخرجه مسلم فی کتاب الايمان (باب قول النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا).

ترکیب حدیث: من: شرطیہ۔ حمل: فعل، ضمیر فاعل۔ علینا: جار مجرور متعلق حمل کے۔ السِّلَاح: مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیس: فعل ناقص، ضمیر اس کا اسم۔ منا: جار مجرور کا ننا کے متعلق ہو کر لیس کی خبر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزاء، شرط اپنے جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

جہاد کی لغوی و اصطلاحی تعریف

① (۲۰) مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا.

ترجمہ: ”جس شخص نے اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے جانے والوں کا سامان تیار کیا اس نے بھی (گویا) جہاد کیا اور جو شخص کسی جہاد پر جانے والے کے پیچھے اس کے اہل و عیال میں نائب ہوا (گویا) اس نے بھی جہاد کیا۔“
لُغَاتُكَ: جَهَّزَ: تیار کرنا، جَهَّزَهُ، سامان تیار کیا۔ غَزَا: (ن) غَزَوْا طلب کرنا، قصد کرنا، دشمنوں سے جہاد کا ارادہ کرنا۔ خَلَفَ: خَلَفَ (ن) نیابت، خلافت، جانشین ہونا۔

تشریح: جہاد کا لغوی معنی: خوب محنت کرنا، مشقت کرنا ہے، عربی میں اس طرح معنی بیان کیا گیا ہے:

”بَذَلَ أَقْصَى مَا يَسْتَطِيعُهُ الْإِنْسَانُ مِنْ طَاقَتِهِ لِنَيْلِ مَرْغُوبٍ أَوْ لِدَفْعِ مَكْرُوهٍ“

ترجمہ: انسان کا اپنی کسی مرغوب چیز کو حاصل کرنے یا ناپسندیدہ چیز سے بچنے کے لئے انتہائی درجے کی کوشش کرنا۔

جہاد کی اصطلاحی تعریف:

”الْجِهَادُ بَذْلُ الْوُسْعِ بِالْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَاللِّسَانِ وَغَيْرِ ذَلِكَ“ (۱)

ترجمہ: اللہ رب العزت کے راستہ میں قتال کے لئے اپنی جان، مال اور زبان اور چیزوں سے بھرپور کوشش کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے جس سے دین اسلام غالب ہوگا اس کے لئے ہر آدمی کو شریعت نے ترغیب دی ہے، ہاں! اگر کوئی کسی شرعی عذر کی بناء پر شرکت نہ کر سکے تو اب یہ دوسرے کو مال وغیرہ دے دے تو اب اس نے گویا ایک آدمی جو سامان وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے رکا ہوا تھا، اس کے سامان دینے سے وہ چلا گیا تو اب اس کو بھی اسکے جہاد کا ثواب ملے گا کیونکہ یہ اس کے جہاد پر جانے کے لئے سبب بن گیا، اسی طرح جو احباب اپنے گھروں سے جہاد کے لئے گئے ہوئے ہیں ان کے پیچھے ان کے گھروں کی نگہبانی کرے تو گویا کہ اس کے حفاظت کرنے سے وہ آدمی مطمئن ہو جائے گا اور دل جمعی کے ساتھ جہاد کر سکے گا تو اس کو بھی ان جیسا ثواب ملے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الجہاد“ ص ۳۲۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن زید بن خالد رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من جهز غازیاً فی

سبیل اللہ فقد غزا ومن خلف غازیاً فی اہلہ فقد غزا.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الجہاد (باب فضل من جہز غازیا او خلفہ بخیر) و اخرجہ مسلم فی کتاب الامارۃ (باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ).

ترکیبِ حدیث: من: شرطیہ۔ جہز: فعل، ضمیر فاعل۔ غازیا: مفعول۔ فی: حرف جار۔ سبیل اللہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر فعل کے متعلق، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ قد غزا: فعل اپنے فاعل سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ و من خلف عازیا: اس کی بعینہ او پر والی ترکیب ہے۔



نرمی سے محروم رہنے والا تمام ہی خیر سے محروم رہتا ہے

﴿۲۶﴾ مَنْ يُحْرِمِ الرَّفْقَ يُحْرِمِ الْخَيْرَ.

ترجمہ: ”جو شخص نرمی سے محروم رکھا گیا وہ بھلائی سے محروم رکھا گیا۔“

لُغَاتُكَ: رَفُقٌ: رَفِيقٌ، (ن، س، ك) رَفِيقًا بِهِ، لَهُ، عَلَيْهِ. نرمی کرنا۔

تشریح: بعض روایات میں خیر کے بعد لفظ ”كُلُّهُ“ بھی ہے (۱) تو اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص نرمی و مہربانی سے محروم ہوا، تو گویا کہ وہ تمام ہی بھلائیوں سے محروم ہو گیا۔ اس حدیث میں مدعا یہ ہے کہ آدمی نرمی و مہربانی کو اختیار کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرے کیونکہ انسان کی ضروریات کو پورا کرنے والی ذات خدا کی ہے اور اللہ کو نرمی پسند ہے تو اب جو شخص نرمی اختیار کرتا ہے اور اس کے ساتھ مانگتا ہے تو اللہ ایسے شخص کو زیادہ عطا فرماتے ہیں بخلاف اس شخص کے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سختی کا معاملہ کرتا ہو۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرفق والحياء وحسن الخلق“ ص ۴۳۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جرير رضى الله عنه عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ يَحْرِمِ الرَّفْقَ يَحْرِمِ الْخَيْرَ.

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم فی کتاب البر والصلة (باب الرفق) و اخرجہ ابن ماجه فی کتاب الادب (باب الرفق).

ترکیب حدیث: من: شرطیہ۔ یحرم: فعل فاعل۔ الرفق: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ یحرم الخیر: فعل فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

بادشاہ کے پاس رہنے والا فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے

(۲۱) مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ آتَى السُّلْطَانَ افْتَنَّ.

ترجمہ: ”جو شخص دیہات میں رہتا ہے اس کا دل سخت ہوتا ہے اور جو شخص شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کے پاس آتا جاتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

لُغَاتُكَ: الْبَادِيَةُ: جنگل، صحرا، جمع بادیات، بَوَادٍ آتی ہے۔ جَفَا: جَفَا (ن) جُفُوًا، وَجَفَاءً، سختی سے پیش آنا، سخت دل ہونا۔ الصَّيْدُ: شکار، جمع صُيُود، صَادَ (ض) صَيْدًا شکار کرنا۔ افْتَنَّ: باب افتعال، فتنہ میں مبتلا ہونا یا کرنا، فَتَنَ (ض) فِتْنَةً فلانا، گمراہ کرنا۔

تفسیر: ”من سكن البادية جفا“: دیہات وغیرہ میں رہنے والوں کو عموماً علماء و صلحاء کی صحبت کم میسر آتی ہے اس وجہ سے ان میں دین سے دوری ہوتی ہے اس دوری کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور علم و معرفت فہم و ذکاوت میں بھی کمی ہوتی ہے، اسی مفہوم کو قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے: ﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا﴾ (سورہ توبہ) یعنی دیہاتی لوگ (ہیں وہ) کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت۔ (۱) اور اگر دیہات میں علماء کرام ہوں اور دین کا ماحول ہو تو ان شہریوں سے افضل ہیں جو جاہل ہیں۔

”من اتبع الصيد غفل“: جو شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے ازراہ لہو و لعب کے تو ایسا شخص طاعات و عبادات سے غافل ہو جاتا ہے اور اگر روزی حاصل کرنے کے لئے شکار کرتا ہے تو یہ جائز ہے، بعض صحابہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ شکار کرتے تھے۔ (۲)

”من اتى السلطان افتتن“: جو شخص بغیر ضرورت کے بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو وہ فتنہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کیونکہ جانے والا دین سے دوری پر بادشاہ کی موافقت کرے گا تو اس کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اگر مخالفت کرے تو اس کی دنیا خطرے میں پڑ جاتی ہے، اگر بادشاہ دین دار ہے تو پھر اس کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں، حضرت مظہر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے تو اس کی حاضری جہاد سے بھی افضل ہوگی۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الامارۃ والقضاء“ ص ۳۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من سكن البادية جفا ومن اتبع الصيد غفل ومن اتى السلطان افتتن وفي رواية ابی داود لزم السلطان افتتن وما ازداد عبد من السلطان دنوا ازداد من اللہ بعدا.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الامام احمد فی مسندہ ۱ / ۳۵۷ و اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الضحایا (باب فی اتباع الصيد) و اخرجہ الترمذی (فی ابواب الفتن).

تَرْكِيْبُ حَدِيْثٍ: من سكن البادية: شرط۔ جفا: جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ جزائیہ ہوا۔ ومن اتبع الصيد غفل: من: شرطیہ۔ اتبع: فعل فاعل۔ الصيد: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ غفل: فعل، ضمیر فاعل، فعل فاعل سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ من اتى السلطان: فعل فاعل مفعول سے مل کر شرط۔ افتتن: فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔



ریا کاری سے عمل کرنے والا کیا مشرک ہو جاتا ہے

④ مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ. تَرْجَمَهُ: ”جس شخص نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، اور جس شخص نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس شخص نے دکھاوے کے لئے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔“

لُعَاتِي: يُرَائِي: رِيَاءٌ، مُرَاءَةٌ، رِیاء کاری کرنا، خلاف حقیقت دکھانا، رَأَى (ف) رُؤْيَةً بمعنی دیکھنا۔

أَشْرَكَ: باب افعال إِشْرَاكًا، أَشْرَكَ فِي أَمْرِهِ، کام میں شریک بنانا، اسی سے شرک بھی ہے شرک کرنے والا، شَرِكٌ (س) شَرِكًا وَشِرْكَةً، بمعنی شریک ہونا۔

تَشْرِیح: شرک اکبر الکبائر ہے تمام گناہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے لیکن شرک کے بارے میں خود حق سبحانہ نے فرمایا کہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ کہ اللہ شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے، اور حق بھی یہی ہے وہ ذات جس کا کوئی ثانی نہ ہو جس کی کوئی نظیر نہ ہو نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہو اس کے ساتھ شریک کیا جائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”میں سب شرکاء سے زیادہ شرک سے بے زار ہوں۔“ (۱) اسی وجہ سے اسلام میں یہ مہتمم بالشان اعمال جن پر اسلام کی بنیاد ہے اگر اس میں دکھاوے کی نیت ہو جائے تو موجب عذاب و وبال بن جاتے ہیں، اس حدیث میں آپ ﷺ نے اس امر سے بچنے پر تنبیہ فرمائی ہے۔

”وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ“: روزہ دار نے اس نیت کے ساتھ روزہ رکھا کہ لوگ مجھ کو روزہ دار کہیں تو ایسا شخص بھی اس مدعیہ میں داخل ہوگا، حدیث کے اس جزء سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روزہ میں بھی شرک ہو سکتا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی نیت کر لے کہ لوگ مجھ کو روزہ دار کہیں یا اور کوئی دنیاوی غرض ہو۔ (۲)

”مَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ“: اگر آدمی صدقہ اس نیت سے دے کہ لوگ مجھ کو بخشنے والے مال دار کہیں تو بھی شرک ہے، علماء کرام نے قانون لکھا ہے کہ: فرض صدقہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ تو لوگوں کے سامنے دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ فرض ہے اس کے کرنے سے آدمی میں تکبر نہیں آتا مگر صدقہ نوافل وغیرہ کو چھپا کے ادا کرے کیونکہ اس میں ریا پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الریاء والسمعة“ ص ۴۵۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن شداد بن أوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول:

مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ.

تَخْرِيجِ حَدِيثٍ: اخرجہ الامام احمد فی مسندہ ۴ / ۱۲۶.

تَرْكِيْبِ حَدِيثٍ: مَنْ: شرطیہ۔ صلی: فعل ضمیر ذوالحال۔ یرائی: فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر حال۔ حال ذوالحال سے مل کر صلی کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ اشرك: فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ ومن صام یرائی، ومن تصدق یرائی: ان دونوں جملوں کی ترکیب بعینہ اول جملہ کی طرح ہے۔



جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی میں سے ہوگا

(۲۵) مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.

ترجمہ: ”جس شخص نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا (شمار) اسی میں ہوگا۔“

لغات: تَشَبَّهَ: مشابہ ہونا، مشابہت اختیار کرنا۔

تشریح: حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کو بھی اس قوم جیسی برائی یا بھلائی ملے گی مثال کے طور پر ایک شخص فساق و فجار کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کو بھی اس پر وہی گناہ ملے گا جو ایک فاجر اور فاسق کو ملتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی نیک صالح آدمی کی مشابہت اختیار کی تو اس کو بھی اس پر وہی اجر ملے گا جو ایک نیک صالح آدمی کو ملتا ہے۔ (۱)

یہ حدیث بھی جوامع الکلم میں سے ہے۔ اس میں ہر قسم کی مشابہت داخل ہوگی خواہ لباس کی ہو یا اخلاق، افعال، کردار، رہائش، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے وغیرہ سب میں یہی حکم ہوگا۔

شریعت کی منشا یہ ہے کہ آدمی ہر کام میں صالح لوگوں کا دامن پکڑے تاکہ اس کا حشر بھی انہی لوگوں کے ساتھ ہو۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحاً

ترجمہ: میں صالحین سے محبت رکھتا ہوں مگر ان میں سے نہیں ہوں۔ امید ہے کہ اللہ مجھ کو بھی صالح لوگوں میں سے بنادے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب اللباس“ ص ۳۷۵ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم.

تخریج حدیث: أخرجه ابو داود في كتاب اللباس (باب في لبس الشعرة)

ترکیب حدیث: من: شرطیہ۔ تشبه: فعل ضمیر فاعل۔ بقوم: جار مجرور متعلق تشبه کے متعلق ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ هو: مبتداء۔ منهم: جار مجرور ثابت (محذوف) کے متعلق ہو کر خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں

(۲۱) مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

ترجمہ: ”جو شخص میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔“

لُغَاتُكَ: رَغِبَ: (س) رَغَبًا، رَغْبَةً عَنْهُ، اعراض کرنا، ”فیہ“ چاہنا۔ سُنَّتِي: خصلت، عادت، طبیعت، جمع سُنَنٌ آتی ہے۔ تَشْرِیْحُ: شریعت نے خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے بعد کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں دیا ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے (۱) بلکہ نہ ماننے کی صورت میں نافرمانی اور اعراض ہوگا جو سبب ہوگا گمراہی کا اور اسی لئے ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: میرے سارے امتی جنت میں داخل ہوں گے ہاں جس نے انکار کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضرت: جس نے انکار کیا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ انکار کرنے والا ہوگا۔ (۲)

اب جو شخص حضور ﷺ کے طریقے سے اعراض کرنے والا ہے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ جو شخص میری سنت سے انحراف کرتا ہے اور میری بتائی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میری سنت اور میرے طریقے سے بیزار اور بے رغبتی کر رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص میری جماعت سے خارج ہے اور اسے مجھ سے اور میری جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۲۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: جاء ثلثة رهط الى أزواج النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لیسألون عن عبادة النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فلما أخبروا بها كأنهم تقالوها فقالوا أین نحن من النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقد غفر الله ما تقدّم من ذنبه وما تأخر فقال أحدهم: أما انا فأصلي الليل أبداً، وقال الآخر: أنا اصوم النهار أبداً ولا افطر، وقال الآخر: أنا اعتزل النساء فلا أتزوج أبداً، فجاء النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال: أنتم الذين قلتم كذا وكذا أما والله انی لا خشاکم لله واتقاكم له لكنی أصوم وافطر وأصلی وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی.

تَحْرِیْجُ حَدِیْثٍ: اخرجه البخاری فی کتاب النکاح و اخرجه مسلم فی کتاب النکاح.

تَرْکِیْبُ حَدِیْثٍ: من: شرطیہ۔ رغب: فعل ضمیر فاعل۔ عن: حرف جار۔ سنتی: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر رغب کے متعلق فعل اپنے فاعل متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیس: فعل ناقص۔ ضمیر اس کا اسم۔ منی: جار مجرور کا نا (محذوف) کے متعلق ہو کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

حج کو جلدی کرنا چاہئے

﴿۲۷﴾ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ.

تَرْجَمَہ: ”جو شخص حج کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ جلدی کرے۔“

لُغَاتُہ: فَلْيُعَجِّلْ: جلدی کرنا، سبقت کرنا۔

تَشْرِیْحُہ: مطلب اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ جو شخص حج پر قادر ہو تو اس کو چاہئے کہ جلدی کرے تاکہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہ ہو جائے۔

اس بات میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ جس پر حج فرض ہو گیا اس کو فی الفور حج کرنا ضروری ہے، یا تاخیر کر سکتا ہے، امام شافعی، امام محمد، امام ثوری، امام الاوزاعی رحمہم اللہ ان سب کے نزدیک تاخیر کر سکتا ہے جیسا کہ نماز آخری وقت تک پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ حج کے فوت ہونے کا گمان نہ ہو۔

مگر امام ابوحنیفہ ابو یوسف امام مالک و احمد رحمہم اللہ کے نزدیک حج فی الفور ضروری ہے اور بغیر کسی عذر کے تاخیر کرتا ہے تو اب یہ شخص فاسق ہوگا، حدیث بالا بھی ان ائمہ کا مستدل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے جواب میں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نماز کے وقت میں تنگی ہے کہ اتنے وقت میں عموماً آدمی نہیں مرتا مگر حج سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے اگر فرض ہونے کے بعد تاخیر کردی ممکن ہے سال کے دوران انتقال ہو جائے (۱) اور حج کے فرض ہونے کے بعد اگر کوئی حج نہ کرے سستی کرے تو اس کے بارے میں آتا ہے کہ یہودی یا نصرانی ہو کے مرے گا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی سخت سے سخت وعیدیں ہیں، اس لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس سال حج فرض ہوا اسی سال احتیاط کر لے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب المناسک“ ص ۲۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أراد الحج فليعجل.

تَخْرِیجُ حَدِيثِہ: أخرجه أبو داود في كتاب المناسك، ورواه ابن ماجه في كتاب المناسك.

تَرْكِيبُ حَدِيثِہ: من: شرطیہ۔ اراد: فعل ضمیر فاعل۔ الحج: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ ليعجل: فعل ضمیر فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں

(۲۰۸) مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا.

تَرْجَمَہ: ”جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

لُغَاتِی: غَشَّنَا: غَشَّ (ن) غَشًّا، دھوکہ دینا، خلاف مصلحت کو مزین کرنا۔

تَشْرِیْح: ایذاً مسلم حرام ہے اب جو شخص اس کا مرتکب ہوگا وہ بھلا کیسے حضور ﷺ کے پیروکاروں میں سے ہوگا؟ اس لئے آپ ﷺ نے زجر و تنبیہ کے لئے ایسے تاجر کا انجام ذکر فرمایا کہ جو مسلمانوں میں دھوکہ دہی کو رواج دے۔

ایک حدیث میں مسلمان کی بہترین تعریف بیان ہوئی کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اس کے برخلاف وہ تاجر جو سچا ہو اس کے بارے میں بشارتیں سنائی گئیں اور نبیوں صدیقیوں کے ساتھ اس کا حشر ہونا فرمایا (۱) ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو خریدتے بیچتے وقت نرمی کا معاملہ کرے (۲) یہ مسلمان کی شایان شان ہے اس لئے ایسے آدمی کی تعریف فرمائی ہے۔

اس لئے جہاں کہیں بھی ذرا تو ہم پیدا ہوڑائی جھگڑے بد امنی کا خطرہ ہو تو اس کو شریعت نے منع فرمادیا، یہاں پر بھی دھوکے دہی سے معاشرہ میں بد امنی پھیلے گی اس لئے اس سے منع فرمایا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب مالا یضمن من الجنایات“ ص ۳۰۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابن عمر وأبی ہریرۃ رضی اللہ عنہم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من حمل علینا السِّلَاحَ فَلِیْسَ مِنَّا رواہ البخاری وزاد مسلم ومن غَشَّنَا فَلِیْسَ مِنَّا.

تَحْرِیْحِ حَدِیْث: اخرجه مسلم فی کتاب الایمان (باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غَشَّنَا فَلِیْسَ مِنَّا)
تَرْکِیْبِ حَدِیْث: من: شرطیہ۔ غَشَّنَا: فعل فاعل۔ نا: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزاء۔ لیس: فعل ناقص، ضمیر اس کا اسم۔ منا: جار مجرور کا نا محذوف کے متعلق ہو کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں

(۲۰۹) مَنْ صَلَّى عَلَىٰ وَاحِدَةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا.

ترجمہ: ”جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس شخص پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔“

تیسرے صحیح: امام بخاری رحمہ اللہ نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے تو خدا تعالیٰ شانہ اس پر دس رحمت نازل فرماتے ہیں، زیادہ بھیجو یا کم اب تمہاری مرضی ہے اور ایک دوسری جگہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کو اپنے پاک نام کے ساتھ کلمہ شہادت میں بھی شریک کیا اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، آپ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا ایسے ہی آپ پر درود کے ساتھ شریک فرمایا، پس جیسا کہ اپنے ذکر کے متعلق فرمایا: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ ایسے ہی درود کے بارے میں فرمایا: جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اور ان کے فرشتے اس پر ستر دفعہ رحمت نازل کرتے ہیں۔

سوال: پہلی حدیث میں دس رحمت کا وعدہ تھا اب ستر کا ہے یہ تو تعارض ہے؟

پہلا جواب: شروع اسلام میں دس کا وعدہ تھا پھر اللہ کی نظر کرم ہوئی امت محمدیہ پر پھر اللہ نے خوش ہو کر ستر کا وعدہ فرمالیا۔

دوسرا جواب: بعض لوگ یا بعض احوال یا بعض اوقات مخصوصہ میں ستر کا ہے عام وقتوں میں دس کا ہی وعدہ ہے۔

تیسرا جواب: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے دیا کہ ستر والی روایت شاید جمعہ کے دن کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جمعہ کے دن نیکوں کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے اور باقی دنوں میں دس والی روایت ہوگی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ ص ۸۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على واحدة صلى الله عليه عَشْرًا.

ترجمہ حدیث: أخرجه مسلم في كتاب الصلوة (باب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد التشهد).
ترکیب حدیث: من: شرطیہ۔ صلی: فعل ضمیر فاعل۔ علی: جار مجرور متعلق ہوا صلی فعل کے ساتھ۔ واحدة: صفت ہے اس کا موصوف صلوٰۃ محذوف ہے، موصوف صفت سے مل کر مفعول مطلق ہوا۔ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ صلی اللہ علیہ عَشْرًا: (ترکیب بعینہ اول جملہ کی طرح ہے) جزاء۔ شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

کسی کو تسلی دینے کی فضیلت

(۱۱۰) مَنْ عَزَّى ثَكْلِي كُسَى بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ: ”جو شخص اس عورت کو تسلی دے جس کا بچہ مر گیا ہو تو (اللہ) اسے جنت میں بہترین چادر پہنائے گا۔“
لُغَاتِي: عَزَّى: تعزیت کرنا، تسلی دینا، عَزَّى (س) عَزَاءً، مصیبت پر صبر کرنا۔ ثَكْلِي: صیغہ مونث کا ہے، وہ عورت جس کا بچہ مر جائے یا گم ہو جائے جمع ثَوَاكِِلْ، ثَكَالِي آتی ہے، ثَكَلَ (س) ثُكْلًا گم کرنا، كُسَى: كَسَا (ن) كَسُوًا، کپڑے پہنانا كُسَى (س) كَسَا آتا ہے۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کا بچہ مر جائے تو اس کو اس پر تسلی دلائی جائے کیونکہ کسی شخص کی تسلی و تشفی دلانے سے عموماً صبر آ جاتا ہے اور وہ جزع فزع کو چھوڑ دیتا ہے، اس کے غم کے ہلکے ہونے کا اس تسلی دینے میں تو بہتر شکل یہ ہے کہ تسلی دینے والا اس کے پاس پہنچ کر تسلی دے کیونکہ اس میں تسلی دینے والا اس کی حالت کو دیکھ کر موقعہ کی مناسبت سے تعزیت کرے گا، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر ٹیلی فون یا خط وغیرہ سے بھی تسلی دی جاسکتی ہے، ایک دوسری روایت میں تسلی دینے والے کے لئے یہ بھی فضیلت آئی ہے (۱) ”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُعَزِّي أَخَاهُ بِمُصِيبَةٍ إِلَّا كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ جو بھی مسلمان اپنے بھائی کی مصیبت میں اس کو صبر کی تلقین کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے بزرگی کا جوڑا پہنائے گا۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البكاء على الميت“ ص ۱۵۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي برزة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من عزَّى ثَكْلِي كُسَى بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی أواخر أبواب الجنائز (باب آخر فی فضل التعزیه).
ترکیب حدیث: من: شرطیہ۔ عزَّى: فعل ضمیر فاعل۔ ثکلی: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ کسی: فعل ضمیر نائب فاعل۔ بردا: مفعول۔ فی الجنة: جار مجرور متعلق کسی فعل کے۔ فعل اپنے نائب فاعل مفعول اور جار مجرور سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں

﴿٢١١﴾ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ.

تَرْجَمَہ: ”جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔“

لَغَايِكُمْ: يُقِيَّتْهُ: فَقَهُ، فِقَةً فَلَانًا، سَمِجَانًا، فِقِيهًا بَنَانًا، سَمِجَ عَطَا كَرْنَا، فِقَهُ (س) فَقَهَا وَتَفَقَّهَهُ، سَمِجْنَا، عِلْمَ فِقَةٍ حَاصِلَ كَرْنَا.

تشریح: اس حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جس شخص کے لئے خداوند تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو علم دین کی دولت عنایت فرماتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ خدا کی بڑی نعمت ہے کہ وہ کسی شخص کے لئے دینی امور یعنی احکام شریعت اور راہ معرفت کو کھول دے جو ہدایت کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔^(۱)

ایسی ہی محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا: ”اے لوگو! خدا نے جو کچھ دے دیا ہے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جو کچھ خدا نے نہیں دیا اسے دینے والا کوئی نہیں، خدا کے مقابلے میں کسی کا بھی بس نہیں چل سکتا، خدا کو جس سے بھلائی منظور ہوتی ہے اسے دین کی سمجھ بخش دیتا ہے، میں نے یہ بات اسی منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہے۔ (۲)

”شرح السنہ“ میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: میں طالب علم سے افضل کوئی چیز نہیں جانتا، ایک اور حدیث میں ہے کہ خدا کو جب کسی بندے کی بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ تین وصف پیدا کر دیتا ہے:

اول: دین الہی میں فہم۔ دوم: دنیا سے بیزاری۔ سوم: اپنے عیوب کو دیکھنا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن معاوية رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين وانما أنا قاسم والله يعطى.

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي كِتَابِ الْعِلْمِ (بَابُ مَنْ يَرُدُّ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ وَأَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يَعْطِي).

ترکیبِ حدیث: من: شرطیہ۔ یرد: فعل۔ لفظ اللہ: فاعل۔ بہ: یرد فعل کے ساتھ متعلق۔ خیر: مفعول۔ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ یفقہہ: فعل فاعل مفعول۔ فی الدین: جار مجرور متعلق ہو فعل کے ساتھ۔ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزاء ہو۔

معاہدہ والے کو قتل کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا

(۲۱) مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: ”جو شخص معاہدہ والے کو قتل کرے وہ جنت کی بو نہیں پائے گا۔“

لُغَاتُ: مُعَاهِدًا: عَاهِدُهُ، مُعَاهَدَةً، معاہدہ کرنا، عَهْدَ (س) عَهْدَ الشَّيْءِ، حفاظت کرنا۔ يَرِحُ: رَاحَ (ض) رَيَحًا الشَّيْءَ، بو محسوس کرنا، خوشبو پانا، اسی سے رَائِحَةُ آرہا ہے، بمعنی بو، جمع رَوَائِحُ اور رَائِحَاتُ آتی ہے۔ تَشْرِيحُ: کوئی ایسے شخص کو قتل کرے جس کا امام وقت یا سربراہ مملکت سے معاہدہ ہو چکا ہو خواہ وہ کافر ذمی ہو یا غیر ذمی، اب اس معاہدہ کے بعد کوئی اس کو قتل کرے تو اس کے بارے میں حدیث بالا میں یہ وعید ہے، ایک دوسری روایت میں فرمایا گیا: ”لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ“ (۲) ترجمہ: اس کا کوئی دین نہیں جو عہد پورا نہ کرے۔

جنت کی خوشبو نہ پائے گا، اس کا پہلا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے دخول جنت سے کہ ایسا شخص اول داخل ہونے والوں میں سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا اس کی سزا پانے کے بعد داخل ہو سکے گا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس معاہدے والے شخص کو حلال سمجھ کر قتل کرے تو اب یہ جہنم میں رہے گا، تیسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص جنت میں تو داخل ہو جائے گا مگر وہاں کی خوشبو سے یہ محروم رہے گا شروع میں، بعد میں سونگھ سکے گا۔ (۳)

جنت کی خوشبو کتنی دور تک پہنچتی ہے؟ اس کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے چند روایات نقل کی ہیں، ایک روایت میں چالیس سال کے فاصلہ پر دوسری روایت میں ستر سال تیسری روایت میں سو سال اور چوتھی روایت کے اعتبار سے ایک ہزار میل کی مسافت تک پہنچتی ہے، اشخاص کے اعتبار سے یا اعمال کے اعتبار سے یہ تفاوت ہوگا۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”كتاب القصاص“ ص ۲۹۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الجہاد (باب اثم من قتل معاهدا بغیر جرم).
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: من: شرطیہ۔ قتل: فعل ضمیر فاعل۔ معاهدا: مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ لم يرح: فعل ضمیر فاعل۔ رائحة الجنة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء۔ شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

بھلائی کرنے والے کے بدلہ میں آدمی کیا کرے؟

﴿۲۱۳﴾ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أُبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ.

ترجمہ: ”جس شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا پس اس کے کرنے والے کے حق میں ”جزاک اللہ خیراً“ کہہ دیا تو اس نے اس کی تعریف کی انتہاء کر دی۔“

لُغَاتُكَ: صُنِعَ: (ف) صَنَعَ الشَّيْءَ، بَنَانًا، أُبْلَغَ: كَامِلٌ طَوْرًا، بَلَّغَ (ن) بَلَّوْغًا، بَهْنِجَانًا۔

تشریح: جب کسی کو ہدیہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس مال ہو تو اس کے بدلے میں اس جیسا ہدیہ دے، ہو سکے تو اس سے بہتر دے دے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ تھی، مگر ہدیہ دینے والا اس نیت سے ہدیہ نہ دے کہ مجھ کو اس کے بدلے میں اس سے بہتر یا کم از کم اس جیسا تو ضرور ملے گا، اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اب اس کو چاہئے کہ محسن کو کچھ دعائیہ کلمات کہہ دے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کا بدلہ اللہ کے حوالہ کرتا ہوں اللہ تم کو دنیا و آخرت میں بہتر بدلہ اپنی طرف سے عطا کرے۔

”فقد أبلغ في الثناء“: جب اس نے اس کے بدلے کو اللہ کے حوالے کر دیا تو ظاہر ہے کہ اللہ سے بہتر کون اجر (۱) دے

سکتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب العطایا“ ص ۲۶۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن اسامة بن زيد رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صنع اليه

معروف فقال لفاعله جزاك الله خيرا فقد أبلغ في الثناء.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب البر والصلوة (باب ماجاء فی الثناء بالمعروف) وقال هذا

حدیث حسن جید غریب.

ترکیب حدیث: من: شرطیہ۔ صنع: فعل۔ الیہ: متعلق فعل کے۔ معروف: نائب فاعل۔ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے

مل کر معطوف علیہ۔ فاء: حرف عطف۔ قال: فعل ضمیر فاعل۔ ل: حرف جار۔ فاعله: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور۔ جار

مجرور سے مل کر قال کے متعلق ہوا۔ جزا: فعل۔ ك: مفعول اول۔ لفظ اللہ: فاعل۔ خیرا: مفعول ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں

مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ۔ قال اپنے فاعل متعلق اور مقولہ سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ

شرط۔ فاء: جزائیہ۔ قد ابلغ: فعل ضمیر فاعل۔ فی الثناء: جار مجرور متعلق ہوا فعل کے ساتھ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر

جزاء۔ شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

مسجد بنانے والے کو اللہ جنت دے گا

(۱۱۶) مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.

تَرْجَمَہ: ”جس شخص نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔“

لُغَاتُہ: بَنَى: بَنَى (ض) بَنِيًا وَبِنَاءً، بَنَيْنَا الْبَيْتَ، تَعْمِيرُ كَرْنَا۔ بَيْتًا: گھر، جَمْعُ بَيْتٍ آئی ہے۔

تَفْصِيْلُہ: اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں، ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو آدمی اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اس کا گھر جنت میں ہوگا۔ ایک اور روایت میں جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، فرمایا کہ جو آدمی اپنی حلال کمائی میں سے اللہ کی عبادت کے لئے کوئی گھر بناتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے جنت میں موتی اور یاقوت کا محل بنادیتے ہیں، ایک اور حدیث میں مساجد کی تعمیر کو باقی رہنے والی نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

مگر حدیث بالا میں ایک قید لگائی گئی ہے کہ اللہ کے لئے ہو، یہ شرط تمام ہی اعمال خیر میں شرط ہے کہ اللہ کی رضا ہو ریا کا بالکل شائبہ نہ ہو کسی نخوت و تکبر یا کسی اور دنیاوی غرض کے لئے نہ ہو کیونکہ اگر ریا کے لئے مسجد بنوائی یا اور بھی کوئی عمل صالح کیا تو اس کا ثواب تو درکنار خطرہ ہے کہ اللہ کے یہاں پکڑ نہ ہو جائے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ریا شرک اصغر ہے۔“ (۱)

ایک اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص کسی کام میں بھی میرے ساتھ میرے سوا کسی اور کو شریک کرے گا تو میں اس کو اس کے شریک کے حوالے کر دیتا ہوں۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساجد ومواضع الصلوة“ ص ۶۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة.

تَفْصِيْلُہ: أَخْرَجَہ مسلم فی کتاب المساجد (باب فضل بناء المسجد والحث علیہا) وأخرجہ البخاری فی کتاب الصلوة (باب من بنى مسجدا) مع اختلاف یسیر.

تَرْکِیْبُہ: حَدِیْثُہ: من: شرط۔ بنى: فعل ضمیر فاعل۔ لله: جار مجرور بنی کے متعلق۔ مسجدا: مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ بنى: فعل لفظ اللہ فاعل۔ له: بنی کے متعلق۔ بیتا: مفعول۔ فی الجنة: جار مجرور بنی کے متعلق ثانی۔ فعل اپنے فاعل مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جزا۔ شرط جزا سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

دو غلے آدمی کی مذمت

(۱۱۵) مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانٌ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: ”جو شخص دنیا میں دہرے رویہ والا ہوگا قیامت کے دن (اس کے منہ میں) آگ کی زبان ہوگی۔“

لُغَاتُكَ: وَجْهَيْنِ: وَجْه کا تثنیہ ہے بمعنی منہ مراد یہاں پر دو غلے آدمی ہے۔

تشریح: علماء کرام نے لکھا ہے کہ مذکورہ وعید منافق آدمی کے بارے میں ہے منافق اس کو کہتے ہیں جو بظاہر اسلام کا تو دعویٰ کرتا ہو مگر دل میں اسلام کی حقانیت نہیں رکھتا۔ اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک دل کی دوسری زبان کی، ان کا رویہ بھی دہرا ہوتا ہے کہ جب مخالف کے سامنے بات کریں تو اس طرح کرتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو ہمارا ہمدرد ہے اور جب اس کے پیچھے ہوتے ہیں تو اس کی خوب مخالفت کرتے ہیں۔ (۱)

”ذا وجہین“: اس کو دو چہرے والا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ دونوں مخالفت والوں کے سامنے اس کے مطلب کی بات کرتا ہے، ان میں سے ہر ایک کے سامنے اس کی تعریف اور دوسرے کی برائی کرتا ہے، اس طرح دونوں ہی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہ شخص میرا حقیقی ہمدرد ہے اور میرے مخالف کا سخت دشمن ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من كان ذا وجهين في الدنيا كان له يوم القيامة لسان من النار.

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوٰۃ فی باب حفظ اللسان الی الدارمی، وأخرجه ابوداود فی کتاب الادب مع اختلاف یسیر.

ترکیب حدیث: من: شرطیہ۔ کان: فعل ناقص۔ ضمیر اس کا اسم۔ ذا وجہین: مضاف مضاف الیہ سے مل کر کان کی خبر۔ فی الدنیا: جار مجرور ”کان“ کے متعلق۔ کان اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ شرط۔ کان: فعل ناقص۔ لہ: کان کی خبر۔ یوم القیامۃ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ۔ لسان: موصوف۔ من النار: جار مجرور ثابت (محذوف) کے متعلق ہو کر صفت۔ موصوف صفت سے مل کر ”کان“ کا اسم۔ ”کان“ اپنے اسم متعلق اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء۔ شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

مسلمان کے عیب کو چھپانے کی فضیلت

﴿۲۱﴾ مَنْ رَأَى عَوْرَةً فَسْتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَى مَوْءً وَدَةً.

ترجمہ: ”جس شخص نے کسی مسلمان کے عیب کو دیکھا اور اس کو چھپا رکھا تو گویا۔ سنے کسی زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو بچا لیا۔“

لُعَامَتِ: عَوْرَةً: ہر وہ کام جس سے آدمی شرم کرے، شرم گاہ کو بھی کہتے ہیں، جمع عَوْرَاتِ آتی ہے، قال تعالیٰ ﴿لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾. سَتَرَ: (ن۔ض) سَتَرًا بمعنی ڈھانکنا، چھپانا۔ مَوْءً وَدَةً: وَدَةً بمعنی زندہ درگور کرنا قال تعالیٰ: ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ﴾.

تَشْرِیح: مطلب یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کا کسی کے سامنے عیب ظاہر ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اس کو چھپالے تاکہ اس کی عزت باقی رہے۔

اس حدیث میں اس کی مثال ایسی دی ہے جیسے کہ کوئی زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو بچالے۔ اس کی محدثین نے دو وجہ بیان کی ہیں کہ جب کسی شخص کے سامنے کسی کا عیب ظاہر ہو جائے تو وہ شخص شرم کی وجہ سے گویا کہ مردہ ہو جاتا ہے اور وہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش کہ میں اس عیب کے ظاہر ہونے سے پہلے مر جاتا تاکہ مجھ پر آج یہ رسوائی نہ آتی (۱) جیسے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا تھا: ﴿يَكْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا﴾ تو اب جو شخص اس کے عیب کو چھپاتا ہے اس کی وجہ سے اب اس کی عزت باقی رہتی ہے اور یہ اب لوگوں کے سامنے رسوا ہونے سے بچ جاتا ہے تو اب گویا کہ اس کوئی زندگی ملی ہے جیسے کہ جب کسی لڑکی کو زندہ دفن کر دیا جائے اور مرنے سے پہلے اس کو نکال لیا جائے وہ بھی نئی زندگی پاتی ہے اسی طرح جس کا عیب چھپا لیا جائے وہ بھی نئی زندگی پاتا ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشفقة والرحمة على الخلق“ ص ۴۲۴ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عقبه بن عامر قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى عَوْرَةً فَسْتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَى مَوْءً وَدَةً.

تخریج حدیث: أخرجه ابوداود في كتاب الأدب (باب في الستر على المسلم).

ترکیب حدیث: من: شرط۔ رای: فعل ضمیر فاعل۔ عورة: مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ ہو کر معطوف علیہ۔ فاء: حرف عطف۔ ستر: فعل ضمیر فاعل۔ ها: مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف۔ معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ کان: فعل ضمیر فاعل۔ ك: حرف جار۔ من: موصولہ۔ احی: فعل ضمیر فاعل۔ مؤودة: مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق کان کے۔ کان اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

زبان کو برائی سے روکنے کی فضیلت

﴿۱۱۷﴾ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ اعْتَذَرَ إِلَى اللَّهِ قَبْلَ اللَّهِ عَذْرَهُ.

تَرْجُمَہ: ”جو شخص اپنی زبان کو برائی کرنے سے روکے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عذاب کو روکے گا، اور جو شخص اپنے غصے کو روکے رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عذاب کو اس سے روکے رکھے گا، اور جو شخص اللہ سے عذر خواہی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول کرے گا۔“

لُغَاتُہ: خَزَنَ: (ن) خَزَنًا، اللِّسَانُ، زَبَانُ کَارُونَا۔ اَلْمَالُ: مَالُ کُوجَع کرنا۔ کَفَّ: (ن) کَفًّا عَنِ الْاَمْرِ، باز رہنا۔ اِعْتَذَرَ: عَنِ، مِنْ فِعْلِهِ، عذر بیان کرنا۔

تَشْرِیحُہ: ”من خزن لسانہ“: جو اپنی زبان کو لوگوں کے عیوب بیان کرنے سے روکے جو اس کے علم میں بھی ہے تو اللہ بھی اس کے عیوب کو لوگوں کی نگاہوں سے یا اعمال لکھنے والے فرشتوں سے چھپائیں گے۔

”ومن کف غضبه کف الله عنه عذابه يوم القيامة“: جو اپنے غصہ کو ضبط کرے تو اللہ اس کو قیامت کے دن عذاب سے بچائیں گے، قرآن میں بھی ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾

تَرْجُمَہ: ”دبالتے ہیں غصہ کو اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو۔“

اس کے بارے میں جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

”ومن اعتذر الى الله قبل الله عذره“: جو شخص اللہ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی معافی کو قبول فرمالیتے ہیں جبکہ بسا اوقات اس کے گناہوں کو اس کی ندامت پر صرف معاف ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ان گناہوں کی جگہ پر نیکیاں لکھوا دیتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغضب والكبر“ ص ۴۳۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضى الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من خزن لسانه ستر الله عورته ومن كف غضبه كف الله عنه عذابه يوم القيامة ومن اعتذر الى الله قبل الله عذره.

تَحْرِیجُہ جَدِیثاً: عزاء صاحب المشکوٰۃ الی البیهقی فی شعب الايمان.

تَرْکِیْبُہ جَدِیثاً: من: اسم شرط۔ خزن: فعل، ضمیر فاعل۔ لسانہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل مفعول

سے مل کر شرط۔ ستر: فعل۔ لفظ اللہ: فاعل۔ عورتہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط اپنے جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ من کف: من شرطیہ۔ فعل فاعل۔ غضبہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ سے مل کر شرط۔ کف: فعل، ضمیر فاعل۔ عنہ: متعلق فعل کے۔ عذابہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ۔ یوم القيامة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ، فعل، فاعل، متعلق، مفعول بہ، مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ من: اسم شرط۔ اعتذر: فعل، ضمیر فاعل۔ الی اللہ: جار مجرور متعلق اعتذر کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط۔ قبل: فعل۔ لفظ اللہ: فاعل۔ عذرہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط اپنے جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



دین کو چھپانے والے کی مذمت

⑳ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمِهِ ثُمَّ كَتَمَهُ الْجَمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلَجَامٍ مِنْ نَارٍ.
تَرْجَمَهُ: ”جس شخص سے ایسی بات پوچھی گئی (دینی ضرورت کی) جو اسے معلوم تھی مگر اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام لگائی جائے گی۔“

لُغَاتُ: كَتَمَهُ: كَتَمَ (ن) كَتَمْنَا، پُشیدہ رکھنا، چھپانا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾.
الْجَمَّ: الْجَمَّاءُ الدَّابَّةُ، لگام لگانا، ”لَجَامٍ“ بمعنی لگام جمع ”لُجْمٍ“ آتی ہے۔

تفسیر: اس حدیث مبارکہ میں علم کے چھپانے والے کے بارے میں وعید بیان کی جا رہی ہے کہ معلوم ہونے کے باوجود سائل کو جواب نہیں دیتا یا صحیح جواب نہیں دیتا تو وہ حدیث بالا کی اس وعید میں داخل ہوگا۔ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ کسی دانائے اپنے دوست کو لکھا کہ علم کا چھپانا ہلاکت ہے مگر عمل کا چھپانا نجات ہے۔^(۱)

علماء نے لکھا ہے کہ جس سے کوئی بات پوچھی جا رہی ہے اور وہاں پر کوئی دوسرا آدمی بتانے والا ہے تو اب وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا، نیز یہ کہ یہ وعید اس وقت ہوتی ہے کہ جو سوال کیا جا رہا ہے اس کا جاننا اسی وقت ضروری ہو، تاخیر ممکن نہ ہو مثلاً کوئی اسلام لانا چاہتا ہے یا نماز کے وقت میں کوئی نماز کا اہم مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہے یا کسی حلال و حرام کا فتویٰ معلوم کرنا چاہتا ہے وغیرہ البتہ مباحات یا نوافل کے قبیل کے مسائل کو نہ بتانے پر وہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا۔

”الجم يوم القيامة“: منہ میں لگام لگائی جائے گی، اس کی علت کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منہ کے ذریعہ اس نے اشاعت اسلام اور علم کو چھپایا اس لئے اس کے منہ کو قیامت کے دن لگام لگائی جائے گی۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سئل عن علم علمہ ثم کتمہ الّجَمَّ یومَ القیامۃ بِلجامٍ من نار.

تَخْرِیجُ حَدِیْثٍ: أخرجه الترمذی فی ابواب العلم (باب ماجاء فی کتمان العلم)، ورواه ابوداود فی کتاب العلم (باب فی کراهیة منع العلم)، وأخرجه ابن ماجہ فی کتاب الطہارۃ وسننہا (باب من سئل عن علم فکتمہ).

تَرْکِیْبُ حَدِیْثٍ: من: اسم شرط۔ سئل: فعل مجہول، ضمیر اس کا نائب فاعل۔ عن: حرف جار۔ علم: موصوف۔ علمہ: فعل، ضمیر فاعل۔ ہ: مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صفت، موصوف صفت سے مل کر سئل کے متعلق، فعل اپنے نائب

فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ ثم: حرف عطف۔ کتم: فعل، ضمیر فاعل۔ ہ: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط۔ الجم: فعل، ضمیر نائب فاعل۔ یوم القيامة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ۔ باء: حرف جار۔ لجام: موصوف۔ من نار: جار مجرور کائن کے متعلق ہو کر صفت۔ موصوف صفت سے مل کر مجرور ہوا اور پھر یہ الجم کے متعلق، فعل اپنے نائب فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



غلط فتویٰ دینے کی مذمت

(۲۹) مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرِ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ.

ترجمہ: ”جس شخص نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے اس کو (غلط) فتویٰ دیا ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کے بارے میں ایسا مشورہ دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس کی بھلائی دوسری صورت میں ہے تو اس نے اپنے بھائی سے خیانت کی۔“

لُغَاتُ: أُفْتِيَ: بمعنی فتویٰ دینا، فْتَى (س) جوان ہونا۔ اِثْمٌ: گناہ، جرم، جمع آثام آتی ہے، اِثْمٌ (س) اِثْمًا گناہ کرنا۔ الرُّشْدُ: بمعنی ہدایت، بھلائی رَشَدٌ (ن) رُشْدًا، ہدایت پانا۔

تشریح: حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جب کسی سے مسئلہ معلوم کیا جائے اس کو صحیح صحیح آتا ہو تو وہ بتا دے ورنہ اپنی لاعلمی کا اظہار کر دے اپنی طرف سے غلط مسئلہ نہ بتائے ورنہ اس کا گناہ اس کے سر پر ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر امت مسئلہ بتانے میں بہت ہی احتیاط کرتے ہیں، ابو اسحاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلے وقتوں میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ آدمی مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو لوگ اسے مجلس مجلس لئے پھرتے تھے علماء فتویٰ دینے سے ڈرتے تھے آخر اسے سعید ابن المسیب کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا سعید کو علماء نے جری کا لقب دیا تھا کیونکہ وہ فتویٰ دینے میں کم جھجکتے تھے۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس صحابی دیکھے ہیں جو مسجد میں جمع تھے لیکن ہر ایک صحابی کی خواہش یہ ہوتی کہ وہ حدیث یا فتویٰ خود نہ دے دوسرا صحابی دے ہر صحابی اس سے گھبراتا تھا۔ (۱)

”من اشار علی اخیه“: جو شخص کسی سے رائے معلوم کرے تو اس کو وہ رائے دے جو اس وقت اور اس حالت میں اپنے لئے پسند کرتا، جیسے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اگر وہ جان کر غلط مشورہ دیتا ہے تو اس نے اپنے بھائی سے خیانت کی۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرِ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ.

تخریج حدیث: أخرجه ابو داود فی کتاب العلم (باب التوقی فی الفتیا).

ترکیبِ جَدِیث: من: شرط۔ افعی: فعل، ضمیر نائب فاعل۔ باء: حرف جار۔ غیر علم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر افعی کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط۔ کان: فعل تام۔ اثمہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر کان کا فاعل۔ علی: حرف جار۔ من: موصولہ۔ افتاء: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزا سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ من: شرط اشار: فعل فاعل علی: حرف جار افیہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر اشار فعل کے متعلق ب: حرف جار امر: موصوف یعلم: فعل فاعل ان: حرف مشبہ بالفعل الرشد: اسم فی: حرف جار غیرہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرد ہوا، جار مجرور مل کر محذوف کے متعلق ہو کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر یعلم فعل کا مفعول بہ: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر شرط، ف جزائیہ قد حرف تحقیق خانہ: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزا سے مل کر فعلیہ شرطیہ ہوا۔



بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو ڈھانے کے مترادف ہے

(۲۰) مَنْ وَقَرَ صَاحِبَ بَدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ.

ترجمہ: ”جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔“

لُغَاتِی: وَقَرَ: باب تفعیل سے ہے، تعظیم کرنا۔ بَدْعَةٌ: نئی چیز، جمع بَدَع، بَدَع (ف) بَدْعًا، ایجاد کرنا، بغیر نمونہ کے کوئی چیز بنانا۔ هَدَمَ: (ض) هَدَمًا بمعنی ڈھانا، توڑنا، گرانا۔

تشریح: جب مسلمان کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے، خواہ وہ بدعتی اپنے مذہب کا داعی ہو یا نہ ہو، تعظیم کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں مثلاً جب وہ آئے تو اس کے لئے کھڑا ہو جائے یا اس کو مجلس میں اہم مقام پر جگہ دی جائے۔

”ہدم الاسلام“: جب کسی بدعتی کی تعظیم ہوگی تو اس کے ضمن میں بدعت کی تعظیم ہوگی تو خود بخود سنت کی تحقیر ہوگی اور سنت کی تحقیر یہ سبب ہے اسلام کی عمارت کو نقصان پہنچانے کا، اس کے مفہوم مخالف میں یہ بات ہوگی کہ جب کوئی شخص کسی بدعتی کی تحقیر کرے اس بدعت کی وجہ سے جو اس کے اندر موجود ہے اور سنت سے محبت کی بنیاد پر تو اس نے دین اسلام کی جڑ اور بنیاد کو مضبوط کیا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۳۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابراهيم بن ميسرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وقَرَ صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام.

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوة الی البیهقی فی شعب الایمان.

ترکیب حدیث: من: اسم شرط۔ وقر: فعل، ضمیر فاعل۔ صاحب بدعة: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ قد اعان: فعل ضمیر فاعل۔ علی: حرف جار۔ هدم الاسلام: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر اعان کے متعلق۔ اعان فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزا۔ شرط جزا سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

ایسی چیز سے اپنے کو مزین کرنا جو اس کے اندر نہ ہو اس کی مذمت

③ مَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسٍ ثَوْبِي زُورٍ.

تَرْجَمَہ: ”جو شخص اپنے آپ کو ایسی چیز سے آراستہ کرے جو اس کے اندر نہیں ہے تو اس کی مثال جھوٹ

کے دو کپڑے پہننے والے کی سی ہے۔“

لُغَاتِک: تَحَلَّى: بمعنی آراستہ ہونا، زیور پہننا، اَلْحَلَّى، جمع حُلَّى اور حِلَّى آتی ہے۔ لَا بَسَ: لَبَسَ (س) لَبَسًا، بمعنی پہننا۔ زُور: باطل، جھوٹ۔

تَشْرِیح: ”من تحلی بما لم يعط“: مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اندر ایسے کمال کا دعویٰ کرے جو اس میں نہیں خواہ دینی کمال ہو یا دنیوی۔

”کلابس ثوبی زور“: اس جزء کے محدثین نے بہت سے مطالب بیان فرمائے ہیں: اول: اس سے وہ شخص مراد ہے جو علماء و صلحاء کا لباس پہن کر اپنے آپ کو لوگوں پر عالم یا صالح ظاہر کرے حالانکہ وہ ایسا حقیقت میں نہ ہو۔^(۱) دوم: وہ شخص مراد ہے جو ایسی قمیص پہنے کہ اس میں دو آستین لگائے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس نے دو قمیص پہن رکھی ہیں حالانکہ ایک ہی قمیص ہے اس کے لئے یہ وعید فرمائی گئی ہے۔^(۲)

سوم: صاحب تعلیق فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک شخص تھا وہ نفیس اور بہترین لباس صرف اس لئے پہنتا تھا کہ لوگ اس کی عزت کریں اور جب یہ جھوٹی گواہی دے تو لوگ اس کو جھوٹا نہ سمجھیں، تو آپ ﷺ نے اس شخص کو اس کے ساتھ تشبیہ دی کہ جو اپنے اندر کمال تو نہ رکھے اور اپنی عزت کروائے کہ لوگ اس کو کمال والا سمجھیں اور اس کی عزت کریں۔^(۳) چہارم: بعض کہتے ہیں کہ: اس حدیث کو آپ ﷺ نے اس عورت کے سامنے بیان فرمایا تھا کہ جس نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں کہا تھا کہ میں اپنی سوکن کے سامنے اس چیز کا اظہار کروں جو میرے شوہر نے نہ دیا ہو، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس میں تو دو جھوٹ ہیں، ایک شوہر کی محبت اپنے ساتھ دوسرا اس کی طرف دینے کی نسبت کرنا۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب العطایا“ ص ۲۶۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن جابر رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من اعطى عطاء فوجد فليجز به ومن لم يجد فليثن فان من اثنى فقد شكر ومن كتم فقد كفر ومن تحلى بما لم يعط كان كلابس ثوبى زور.

(۴) التعلیق الصبیح ۱/۳۸۱ واشعة المعات

(۳) التعلیق الصبیح ۱/۳۸۱

(۲) مظاہر حق

(۱) مظاہر حق

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب البرِّ والصلۃ (باب ماجاء فی المتشبع بما لم یعط) و اخرجہ ابوداود فی کتاب الادب (باب فی من یتشبع بما لم یعط).

تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: من: اسم شرط۔ تحلی: فعل، ضمیر فاعل۔ باء: حرف جار۔ ما: موصولہ۔ لم یعط: فعل مجہول، ضمیر نائب فاعل سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور ہو کر تخی کے متعلق، تخی فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط۔ کان: فعل تام، ضمیر اس کا فاعل۔ ک: حرف جار۔ لامبس ثویبی زور: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مجرور ہوا "ک" جار کا اور پھر یہ متعلق ہوا کان فعل کے، کان فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



بدعت کی مذمت

﴿۱۳۳﴾ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.

ترجمہ: ”جس شخص نے ہمارے اس دین میں ایسی بات نکالی جو حقیقت میں (دین) میں نہیں ہے وہ بات مردود ہے۔“

لُغَاتُكَ: أَحْدَثَ: پیدا کرنا، ایجاد کرنا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: ”فَلَا تَذَرْنِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ“ احدث الرجل: پاخانہ کرنا۔

تفسیر: جو بات قرآن وحدیث میں نہ صراحتاً ہو نہ اشارۃً اس کو دین میں داخل کرنا اور یہ سمجھنا یہ بھی دین کا ایک جزء ہے تو ایسا شخص دین کو نامکمل سمجھ رہا ہے حالانکہ اللہ نے قرآن میں خود فرمایا ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۱)

ترجمہ: ”آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔“ (۲)

دین اسلام میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں، اس کے احکامات بالکل واضح اور صاف ہیں (۱) جیسے کہ خود شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ: میں نے تمہارے لئے ایسا صاف راستہ چھوڑا ہے کہ جس کی رات اور دن برابر ہے اس سے جو بٹے گا وہ ہلاک ہوگا۔

بدعت والا شخص اپنے عمل سے یہ بتاتا ہے کہ (معاذ اللہ) نبی نے اپنی رسالت میں کوتاہی اور کمی کی ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا مقولہ ہے: ”مَنْ أَتَى بِدْعَةٍ ظَنَّ أَنَّ مُحَمَّدًا أَخْطَاءَ بِرِسَالَتِهِ“ جس شخص نے بدعت کا کام کیا گویا اس نے یہ سمجھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم پہنچانے میں غلطی کی۔

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ بدعتی آدمی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی کیونکہ یہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا رہتا ہے، اسی میں شیطان اس کو ہلاک کر دیتا ہے جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ابلیس نے یہ کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا تو انہوں نے مجھ کو توبہ سے ہلاک کیا جب میں نے یہ دیکھا تو پھر میں نے ان کو ایسے اعمال میں مبتلا کر دیا جو ان کی خواہشات نفسانی کے موافق تھے اس حال میں وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے رہے اور اس پر استغفار نہیں کرتے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالكتاب والسنة“ ص ۲۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من احدث في

امرنا هذا ما ليس منه فهو رد.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب العلم (باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود)،
 و اخرجہ مسلم فی کتاب الاقضية (باب نقض الاحکام ورد محدثات الامور).
 تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: من: شرط۔ احدث: فعل، ضمیر فاعل۔ فی: حرف جار۔ امرنا: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبدل منہ۔
 هذا: بدل، مبدل منہ بدل سے مل کر مجرور ہو کر احدث کے متعلق۔ ما: موصولہ۔ لیس: فعل ناقص، ضمیر اسم لیس۔ منہ: جار مجرور
 متعلق ہوا ثابتا کے ساتھ، ثابتا اپنے متعلق سے مل کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر صلہ سے مل کر مفعول
 احدث کے، احدث: فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ ہو: مبتداء۔ رد: خبر، مبتداء خبر سے مل کر جزا،
 شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔



سنت کو فساد کے زمانے میں اپنانے والا سو شہیدوں کا ثواب پاتا ہے

(۱۳۳) مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ.

ترجمہ: ”جس شخص نے میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا تو اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔“

لُغَاتِي: تَمَسَّكَ: تَمَاسَكَ وَامْتَسَكَ بِهِ، چمٹنا، مَسَكَ (ن، ض) متعلق ہونا، چمٹنا۔

تَشْرِیح: ”من تمسك بسنتی عند فساد امتی“: جو شخص میری سنت کی پیروی کرے فساد کے زمانے میں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فساد کے زمانے سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں فسق، بدعت، جہل وغیرہ کا غلبہ ہو جائے (۱) کہ لوگ سنت کو سنت نہ سمجھتے ہوں، البے پر فتن دور میں سنت کو تھامے رکھنے والے کے لئے یہ ثواب ہے۔

”اجر مائة شہید“: اس کو سو شہیدوں والا ثواب ملتا ہے کیونکہ جس طرح شہید دین کو زندہ رکھنے اور اس کی شان و شوکت کو بڑھانے کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے تو اسی طرح جب ایسا زمانہ آجائے کہ چاروں طرف سے فسق اور بدعت ہی بدعت ہو تو اب ایسے وقت میں سنت کی اتباع کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ پر انگارا رکھنے والا، اس کو سو شہیدوں کا ثواب اس لئے ملے گا کہ شہید نے ایک مرتبہ جان دے دی اور دنیا کی مشقتوں سے راحت پا گیا بخلاف دین پر چلنے والے کے چاروں طرف سے اس کو طعنہ زنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر شخص اسے کوتاہ نظر سمجھتا ہے، مشقتیں اس کو بار بار برداشت کرنی پڑتی ہیں، بخلاف شہید کہ اس نے ایک مرتبہ جان دے کر راحت پالی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۳۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من تمسک

بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائة شہید.

تَخْرِیجِ حَدِيثٍ: عزاء صاحب حاشیۃ المشکوٰۃ الی البیہقی.

تَرْکِیْبِ حَدِيثٍ: من: شرط۔ تمسک: فعل، ضمیر فاعل۔ بسنتی: باء: حرف جار۔ سنتی: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر تمسک کے متعلق۔ عند فساد امتی: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مفعول فیہ تمسک کا۔ تمسک: فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لہ: محذوف کائن کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ اجر مائة شہید: تمام مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء مؤخر، خبر مقدم مبتداء مؤخر سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

جنت کی ضمانت

(۲۲) مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: ”جو شخص مجھ کو ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے اور جو دونوں پیروں کے درمیان ہے تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“

لُغَاتُكَ: يَضْمَنْ: ضَمِنَ (س) ضَمَّنًا وَضْمَانًا بمعنی ضامن ہونا، ضَمَّنًا بِشَيْءٍ، بہ، کفیل ہونا، ضامن ہونا۔ لَحْيَيْهِ: اللَّحْيَةُ، ڈاڑھی۔ لَحْيَان: دونوں جبڑے، مراد زبان ہے۔ بَيْنَ رِجْلَيْهِ: مراد شرمگاہ ہے۔ تَشْرِيطُ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے دے تو نبی کریم ﷺ نے اس کو جنت کی ضمانت دی ہے، زبان کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ زبان سے فحش گوئی، چغلی، غیبت وغیرہ نہ کرے۔ شرمگاہ کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اس کو زنا، حرام کاری وغیرہ سے محفوظ رکھے۔

”أضمن له الجنة“ جو شخص ان دونوں چیزوں کی حفاظت کا عہد کرے اور عمل سے اس عہد کو پورا کرے تو نبی کریم ﷺ کا وعدہ ہے کہ اس کو اول جنت میں داخل ہونے کی میں ضمانت دیتا ہوں۔ (۱)

سُؤَال: جنت میں داخل کرنا یا نہ کرنا یہ تو اللہ کا کام ہے نبی کریم ﷺ نے کس طرح ضمانت دے دی؟

جَوَاب: نبی کریم ﷺ نے جو ضمانت دی ہے وہ بھی اللہ کے حکم ہی سے دی ہوئی ہے کیونکہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۲) ترجمہ: اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔ (۳) دوسرا جواب: یہ ہے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو شخص پاکیزہ زندگی گزارے گا تو اس کو میں جنت عطاء کروں گا تو نبی کریم ﷺ نے اسی ارشاد خداوندی کو نقل فرمایا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان من الغيبة والشتيم“ ص ۴۱۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: عن سهل ابن سعد رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من يضمن لى ما بين لحييه وما بين رجليه اضمن له الجنة.

تَحْنِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخارى فى كتاب الرقاق (باب حفظ اللسان).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: من: شرط۔ يضمن: فعل، ضمير فاعل۔ لى: متعلق يضمن کے۔ ما: موصولہ۔ بين لحييه: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر ثبت کے لئے مفعول فیہ ہو کر صلہ ہو کر معطوف علیہ۔ ما: موصولہ۔ بين: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر ثبت کے لئے مفعول ہو کر صلہ ہو کر معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر يضمن کے لئے مفعول، فعل اپنے فاعل، متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر شرط۔ اضمن: فعل، ضمير فاعل۔ له: اضمن کے متعلق۔ الجنة: مفعول۔ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

کلمہ توحید کی گواہی دینے والے پر جہنم حرام ہے

(۲۱۵) مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ.

ترجمہ: ”جو شخص شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔“

لُغَاتِيكَ: شَهِدَ: (س) شَهِادَةً، بمعنی گواہی دینا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ کی وحدانیت کا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا عہد و اقرار کیا اور پھر اس عہد کے تقاضوں کو پورا کیا یعنی شریعت کی پیروی کی اور اسی اعتقاد و اطاعت پر اس کی موت آجائے تو اب اس شخص کے بارے میں فرمایا گیا کہ جہنم اس پر حرام ہوگی۔

بعض دوسرے محدثین اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں ہمیشہ جہنم میں رہنے کی حرمت مراد ہے کہ اگر مسلمان سے کوتاہی ہو جائے تو جہنم میں سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا یہ کلمہ کی گواہی دینے والا شخص ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا کفار کی طرح۔ (۱) یا یہ حدیث اس وقت کی ہے جب کہ دوسرے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

یا یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے کہ وہ کفر کی حالت میں تھا اور پھر اسلام لایا اور کلمہ توحید کا اقرار کیا اور پھر اس کا انتقال ہو گیا اس کو اعمال کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

من شهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله حرم الله عليه النار.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم في كتاب الإيمان (باب الدليل على أن مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً) تركيب حدیث: من: شرطية- شهد: فعل، ضمير فاعل- ان: متفقه من المثقلة- ه: ضمير محذوف اسم ان- لا: نفی جنس- اله: موصوف- الا: بمعنی غیر مضاف- لفظ الله: مضاف اليه، مضاف مضاف اليه سے مل کر صفت ہو کر لا کا اسم، خبر موجود محذوف، لا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ان، پھر ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ- واؤ: حرف عطف- ان: حرف مشبہ بالفعل- محمدا: اس کا اسم- رسول الله: مضاف مضاف اليه سے مل کر ان کی خبر ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شہد کا مفعول، شہد فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ شرط- حرم: فعل- لفظ الله: اس کا فاعل- عليه: حرم کے متعلق- النار: مفعول- فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

اللہ کے لئے دوستی کرنے والا ایمان کو مکمل کرنے والا ہے

﴿۳۱﴾ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ.

ترجمہ: ”جس شخص نے اللہ ہی کے لئے کسی سے دوستی کی اور اللہ ہی کے لئے ناراضگی رکھی، کسی کو کچھ دیا تو اللہ ہی کے لئے دیا اور صرف اللہ کے لئے ہی دینے سے انکار کیا تو یقیناً اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔“
لُغَاتُ: اسْتَكْمَلَ: اكْمَلَ، كَمَلَ الشَّيْءُ، بمعنى پورا کرنا۔

تشریح: ”من احب لله“: جب انسان اللہ اور اس کے رسول کو مانتا ہے تو اب اس کا کوئی عمل بھی اپنی خواہش اور نام و نمود کے لئے نہیں ہونا چاہئے سب کے سب اللہ ہی کے لئے ہونا چاہئے جیسے کہ قرآن میں ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔“

آدمی دیکھے گا کہ مجھ کو کس سے محبت کرنی ہے اور کس سے بغض رکھنا ہے ان کی بنیادوں کو اللہ کی رضا مندی پر رکھے گا اپنی خواہش یا دنیاوی مقصد کو مد نظر نہیں رکھے گا کیونکہ وہ یہ بات مانتا ہوگا کہ غلط دوستی کی وجہ سے بہت سے لوگ جہنم میں جائیں گے جیسے کہ قرآن میں آتا ہے۔

یونہی مال کو خرچ کرنے سے پہلے سوچے گا کہ کہاں خرچ کرنا ہے اور کہاں نہیں، اسی وجہ سے بعض کا یہ قول ہے کہ مال کمانا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کو خرچ کرنا مشکل ہے، قیامت کے دن پانچ سوالوں میں سے ایک سوال یہ ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا؟

سوال: حدیث بالا میں بار بار اللہ نے فرمایا کہ ان چاروں کاموں میں ہی اخلاص ضروری ہے؟ اخلاص تو ہر عمل میں ضروری ہے تو ان چاروں میں تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ان چاروں اعمال میں انسان کی خواہش اور نفسانیت کا کہیں نہ کہیں دخل ہو ہی جاتا ہے اسی لئے ان چاروں اعمال کو خصوصی طور سے ذکر فرمایا۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احب لله وابغض لله واعطى لله ومنع لله فقد استكمل الایمان.

(۱) سورة الانعام آیت نمبر ۱۶۲ ترجمہ شیخ الہند۔ (۲) تحفۃ المرأة فی دروس المحکوة ص ۱۳۰۔

مَخْرَجٌ حَدِيثٌ: اخرجہ ابو داود (باب فی رد الارجاء).

ترکیبِ حَدِيثٌ: من: شرطیہ۔ احب: فعل فاعل۔ للہ: متعلق احب کے، فعل فاعل متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ ابغض للہ: فعل فاعل متعلق سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ اعطى للہ: فعل فاعل متعلق سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ منع للہ: فعل فاعل متعلق سے ملکر معطوف تمام معطوف ایک دوسرے سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ قد: حرف تحقیق۔ استكمل: فعل فاعل، الایمان: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



تنگ دست کو معاف کرنے والا قیامت کے دن اللہ کے سایہ کے نیچے ہوگا

(۳۷) مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظْلَهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ.

ترجمہ: ”جو شخص تنگ دست کو مہلت دے یا اس کے قرض کو معاف کر دے تو (قیامت کے دن) اللہ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔“

لُعَاتِك: انظر: انظار الدین۔ قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا، قال تعالیٰ: ﴿إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ﴾. مُعْسِرًا: اسم فاعل بمعنی تنگ دست ہونا۔ وَضَعَ: (ف) وَضَعًا بمعنی رکھنا۔

تفسیر: ایک دوسری روایت میں آتا ہے جب کوئی شخص کسی مفلس و تنگ دست کو مہلت دے تو ادائیگی کا دن آنے تک اس کو ہر روز اس مال کے برابر صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے اس کے بعد پھر تاریخ آجائے اور وہ مفلس ادانہ کر سکے پھر اس کو یہ مہلت دیتا ہے تو اس کو ہر روز اس کے بدلہ میں دو گنا اس قرض کے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے ”رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَىٰ وَإِذَا اقْتَضَىٰ“ اللہ رحم کرے اس شخص پر جو خریدتے وقت اور فروخت کرتے وقت اور قرض کا تقاضا کرتے وقت نرمی کا معاملہ کرے، ہر جگہ قانون یہی ہے کہ فرض کا درجہ نفل سے ستر درجہ زیادہ ہوتا ہے مگر تین مسائل اس قانون سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہی حدیث بالا والا مسئلہ کہ تنگ دست کو جب وہ ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کو مہلت دینا واجب اور فرض ہے اور معاف کرنا مستحب ہے اور مستحب کا اجر زیادہ ہے دوسرا سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے مگر سلام کرنا اگرچہ سنت ہے مگر اس کا ثواب جواب دینے سے زیادہ ہے، تیسرا نماز کو شروع کرنے سے پہلے وضو کرنا فرض ہے اور وقت کے داخل ہونے کے ساتھ وضو کرنا مستحب ہے یہاں پر بھی مستحب کا اجر فرض سے زیادہ ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الافلاس والانظار“ ص ۲۵۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من انظر معسرا او وضع عنه اظله الله في ظله.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم (باب حدیث جابر الطویل) وأخرجه الامام احمد فی مسنده (عن ابی هريرة وعن ابی بسر).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ انظر معسرا: فعل فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واو: حرف عطف۔ وضع: فعل، ضمیر فاعل۔ عنه: متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط۔ اظله: فعل۔ ہ: مفعول۔ لفظ اللہ: فاعل۔ فی: حرف جار۔ ظله: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر متعلق، ”اظل“ فعل فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

نبی کی طرف غلط احادیث منسوب کرنے والا جہنمی ہے

(۷۸) مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

تَرْجَمَةٌ: ”جس شخص نے میری طرف جان بوجھ کر غلط بات منسوب کی تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“
لُغَاتٌ: تَبَوَّأَ: بمعنی ٹھہرنے کی جگہ۔ مَقْعَدُهُ: (ن) مَقْعَدًا بمعنی بیٹھنا، پاخانہ کرنے کا برتن۔
تَشْرِیحٌ: علماء کرام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ جس شخص نے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر کسی ایسے عمل یا بات کو منسوب کیا جو آپ ﷺ سے ثابت نہیں تو اس کا یہ عمل حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہوگا۔
امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ایسا شخص کافر ہے۔ (۱)

اس حدیث میں لفظ ”مُتَعَمِّدًا“ استعمال ہوا ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹ بولے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو نادانی میں غلط بات آپ کی طرف منسوب کرے تو اس وعید میں تو داخل نہیں ہوگا مگر علماء اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کو بھی چاہئے کہ پہلے اس کی تحقیق کر لے اور ڈرے کہ کہیں میں تو اس وعید میں داخل نہیں ہو رہا، اس حدیث بالا میں ان صوفیوں پر بھی رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترغیب وغیرہ کے لئے موضوع احادیث بتا سکتے ہیں تاکہ لوگوں کو اعمال کا شوق دلایا جائے۔ (۲)

یہ حدیث متواتر احادیث میں سے ہے۔

حدیث متواتر: اس کو کہتے ہیں کہ ہر زمانے میں اس حدیث کو نقل کرنے والی اتنی بڑی جماعت ہو جس کو جھٹلایا نہ جاسکے، اس حدیث کو نقل کرنے والے صحابہ کی تعداد تقریباً بائیس ہے اور ان میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بلغوا عنی ولو آية وحذثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعده من النار.
تَحْرِیجٌ جَدِیثٌ: أخرجه البخاری فی کتاب العلم (باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
عن الزبیر بن العوام وعن ابی ہریرة وأخرجه مسلم وذكر ایضاً صاحب الترمذی هذا الحديث وعدده المحدثون فی المتواترات قال بعضهم رواه مأتان من الصحابة.

تَرْکِیْبٌ جَدِیثٌ: من: حرف شرط۔ کذب: فعل، ضمیر ذوالحال۔ علی: متعلق فعل کے۔ متعمداً: حال، حال ذوالحال سے مل کر کذب کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ یتبوء: فعل فاعل۔ مقعده: مفعول۔ من النار: متعلق، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

علم دین کے حصول کے لئے گھر سے نکلنے کی فضیلت

﴿مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ﴾

ترجمہ: ”جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے (گھر) سے نکلا تو وہ جب تک گھر واپس نہ آجائے خدا ہی کے راستہ میں ہے۔“

لُغَاتِي: رَجَعَ: (ض) دُرْجُوْعًا، بِمَعْنَى لَوْثًا۔

تشریح: اس حدیث شریف میں طالب علم کی فضیلت کو بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنے عزیز واقارب اور ماں باپ کی شفقت اور گھر بار کی تمام راحتوں کو ترک کرے اور نیت یہ ہو کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے تو اللہ اس پر راضی ہو کر اس کو جہاد کرنے والوں کی طرح اجر عطا فرماتے ہیں جب تک یہ گھر واپس نہ آجائے۔ محدثین فرماتے ہیں: اس فضیلت میں فرض کفایہ اور فرض عین علم حاصل کرنے والے دونوں شامل ہوں گے۔

”فہو فی سبیل اللہ“: مجاہد کے ساتھ تشبیہ اس وجہ سے دی کہ جس طرح مجاہد خدا کا دین سر بلند کرنے کے لئے ہر چیز کو چھوڑتا ہے اسی طرح طالب علم بھی دین کو سر بلند کرنے کے لئے اس کو حاصل کرتا ہے، غرض دونوں کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، مجاہد دشمنوں سے جہاد کرتا ہے تو طالب علم بھی حقیقی دشمن (شیطان) سے اپنے آپ کو اور تمام لوگوں کو محفوظ کرنے کے لئے جہاد کی تیاری کرتا ہے۔

”حتیٰ یرجع“: دین کے حصول کے بعد جب یہ گھر کی طرف آ رہا ہے تو تب بھی وہ اللہ کے راستہ میں ہے بلکہ اس وقت تو اس کے سر پر وارث انبیاء کا تاج ہوتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من خرج فی طلب العلم فہو فی سبیل اللہ حتی یرجع۔

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب العلم (باب فضل طالب العلم عن انس)۔

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ خرج: فعل فاعل۔ فی: حرف جار۔ طلب العلم: مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر خرج کے متعلق پھر یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ ہو: مبتداء۔ فی سبیل اللہ: ثابت کے متعلق ہوا۔ حتی: حرف جار۔ یرجع: فعل فاعل سے مل کر حتی کا مجرور ہو کر ثابت کے متعلق، پھر ثابت یہ خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء خبر سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

سات سال تک اذان دینے والا جہنم سے بری ہو جاتا ہے

(۲۱) مَنْ أَذَّنَ سَبْعَ سِنِينَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: ”جو شخص محض ثواب حاصل کرنے کے لئے سات سال تک اذان دے تو اس کے لئے جہنم

سے نجات نامہ لکھ دیا جاتا ہے۔“

لُعَاتِجٌ: أَذَّنَ، تَأَذَّنَا، اِذَا ن دینا، تَأَذَّنَ: قسم کھانا، قال تعالى: ﴿ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ﴾. مُحْتَسِبًا: بمعنی گمان کرنا، شمار کرنا، اللہ سے ثواب کی امید رکھنا، حَسِبَ (س، ح) وَحِسْبَانًا، گمان کرنا۔ بَرَاءَةٌ: مصدر ”برئ“ کا ہے، فرمان، پروانہ، قال تعالى: ﴿بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ﴾.

تفسیر: اذان کی فضیلت متعدد احادیث میں وارد ہوئی ہے، علماء فرماتے ہیں: اذان یہ توحید اور رسالت کا اعلان ہے اور اس سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اذان کی فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے علماء میں اختلاف ہوا کہ اذان دینا افضل ہے یا امامت کرنا، محققین علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ میں امامت کے پورے حقوق بجالاؤں گا تو اس کے لئے امامت کروانا ہی بہتر ہوگا اور جس کو اپنے اوپر اعتماد نہ ہو تو اس کے لئے اذان دینا افضل ہوگا۔

سوال: کیا نبی کریم ﷺ نے زندگی میں کبھی اذان دی ہے؟

جواب: جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نہیں دی، مگر بعض علماء نے فرمایا کہ دی ہے جیسے کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اذان دی ہے، اس کے جواب میں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا ہے اس کو اذان دینے سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے مسجد بنائی، مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بادشاہ نے مسجد بنانے کا حکم دیا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بادشاہ نے خود بنائی ہے، اس جواب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اذان کا حکم دیا تھا^(۱) بہر حال اذان دینے کے بہت سے فضائل ہیں ان میں سے ایک حدیث بالا میں بھی ہے کہ سات سال اذان دینے والا شخص جہنم سے بچا لیا جائے گا۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضل الاذان“ ص ۶۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اذن سبع

سنین محتسبا کتب له براءة من النار.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی (باب ماجاء فی فضل الاذان).

تَرْكِيْبِ جَزَائِيَّةٍ: مَنْ: حرف شرط۔ اذن: فعل، ضمیر ذوالحال۔ محتسبا: حال، حال ذوالحال سے مل کر فاعل۔ سبع سنين: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ كتب: فعل مجہول۔ لہ: كتب کے متعلق۔ براءة: موصوف۔ من النار: ثابتہ کے متعلق ہو کر صفت اور پھر موصوف صفت یہ كتب کے لئے نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



جمعہ چھوڑنے والا شخص منافق ہو جاتا ہے

﴿مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِي كِتَابٍ لَا يُمَحَّى وَلَا يُبَدَّلُ﴾^(۱)
 ترجمہ: ”جو شخص بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ کو چھوڑ دے تو وہ ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو نہ مٹایا جائے گا اور نہ ہی بدلا جائے گا۔“

الْعَامَّةُ: يُمَحَّى: (ن، س) مَحْوًا، بمعنی مٹانا، قال تعالى: ﴿يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾.

تفسیر: جمعہ کو جمعہ کہنے کی بہت سی وجوہات ہیں مثلاً ایک یہ کہ اس دن حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تھی اور دونوں جمع ہوئے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جمعہ کو روبرو کہتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی فضیلت زمانہ جاہلیت سے ہے، اسلام نے اس کی فضیلت کو چار چاند لگا دیے۔ جمعہ کی نماز فرض عین ہے، علامہ یحییٰ عیسیٰ اور ابن ہمام رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اس کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع امت سب سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے۔^(۱)

”من غیر ضرورۃ“: کوئی عذر شرعی نہ ہو مثلاً کسی ظالم یا کسی دشمن کا خوف یا بارش کا بہت ہونا وغیرہ۔^(۲)
 ”فی کتاب لا یمحی ولا یدل“: کتاب سے مراد نامہ اعمال ہے^(۳) اس جزء میں سخت وعید ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز چھوڑ دے بغیر عذر کے تو وہ منافق لکھ دیا جاتا ہے جو مٹایا نہیں جاتا، یہ وعید ایک جمعہ کی نماز چھوڑنے پر ہے مگر دوسری روایت کے مطابق تین جمعہ چھوڑنے کے بعد اس وعید میں داخل ہوگا۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب وجوبہا“ ص ۱۲۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ترک الجمعة من غیر ضرورة کتب منافقا فی کتاب لا یمحی ولا یدلّ وفی بعض الروایات ثلاثا.

تخریج حدیث: عزاء صاحب مشکوٰۃ الی الامام الشافعی وهو موجود فی مسند الامام الشافعی رقم حدیث ۳۸۱ (علی ترتیب محمد عابد السندی).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ ترک الجمعة: فعل فاعل مفعول۔ من: حرف جار۔ غیر ضرورۃ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر ترک کے متعلق ہو کر شرط۔ کتب: فعل مجہول، ضمیر میتر۔ منافقا: تمیز، میتر اپنی تمیز سے مل کر کتب کے لئے نائب فاعل۔ فی: حرف جار۔ کتاب: موصوف۔ لا یمحی ولا یدلّ: معطوف معطوف علیہ سے مل کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور ہو کر کتب کے متعلق ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

جہاد کی تمنا بھی نہ کرنے والا منافق مرتا ہے

(۳۱) مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ.

ترجمہ: ”جو شخص مرا اس حال میں کہ نہ اس نے اپنی زندگی میں جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا خیال گذرا تو وہ شخص ایک قسم کے نفاق کی حالت میں مرا۔“

لُغَاتُكَ: شُعْبَةٌ: فرقہ، شاخ، کسی چیز کا گروہ۔

تشریح: جو اس حال میں مر رہا ہو کہ اس نے پوری زندگی کبھی جہاد نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی اس کا ارادہ پیدا ہوا کہ کاش میں بھی جہاد کرتا، اس کے بارے میں حدیث بالا میں بہت سخت وعید ارشاد فرمائی گئی ہے کہ یہ مرنے والا نفاق کے شعبہ پر مرے گا کیونکہ یہ مشابہ ہو گیا منافقین سے اور قاعدہ ہے کہ جو جس سے مشابہت اختیار کرتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا ”مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ (۱)

منافقین بھی جہاد سے جی چراتے تھے اور یوں کہتے تھے ”إِنَّ يُّوْتَنَا عَوْرَةً“ کہ ہمارے گھر خالی ہیں (اس لئے ہم جہاد میں نہیں جاسکتے)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے جس کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی عبادت کرنے کی نیت کرے اور اس عبادت کرنے سے پہلے وہ مرجائے تو اب اس کو اس عبادت کے چھوڑنے کا وبال نہیں ہوگا بخلاف اس کے کہ وہ اس کی نیت کئے بغیر مرجائے۔ اس کو اس عبادت کے چھوڑنے کا وبال ہوگا۔ (۲)

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ وعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ مخصوص تھی مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے قیامت تک کے لئے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الجہاد“ ص ۳۳۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من نفاق.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم فی کتاب الامارۃ (باب ذم من مات ولم یغزو ولم تحدث بہ نفسہ بالغزو)

(۲) شرح مسلم نووی، مرقاۃ ۲/۲۸۳، التعلیق الصبیح ۲/۲۲۵

(۱) التعلیق الصبیح ۲/۲۲۵، مرقاۃ ۲/۲۸۳

(۳) مرقاۃ ۲/۲۸۳، التعلیق الصبیح ۲/۲۲۵

ترکیبِ جَدِیث: من: حرف شرط۔ مات: فعل، ضمیر ذوالحال۔ واؤ: حالیہ۔ لم یغزو: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔
یحدث: فعل فاعل۔ بہ: متعلق۔ نفسہ: مفعول۔ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے
مل کر حال، حال ذوالحال سے مل کر شرط۔ مات: فعل فاعل۔ علی: حرف جار۔ شعبۂ: موصوف۔ من نفاق: ثابتہ کے متعلق
ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور ہو کر مات کے متعلق ہوا، مات فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے
مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



جو شخص روزہ کی حالت میں لغویات کو نہ چھوڑے اس کو روزہ کا ثواب نہیں ملتا۔
 (۳۳) مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ.
 تَرْجَمَةٌ: ”جو شخص (روزہ کی حالت میں) لغو و باطل کلام اور اس پر عمل کرنے کو نہیں چھوڑے تو اللہ کو اس
 کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“

لُغَايِكَ: يَدْعُ: وَدَعَّ (ف) وَدَعَا الشَّيْءُ، بِمَعْنَى جَهَّوْنَا- الزُّورُ: بِمَعْنَى جَهْوَثٌ- بَاطِلٌ-

تَشْرِیْح: "قول الزور": زور وہ عمل ہے جس سے گناہ لازم آتا ہو مثلاً جھوٹی گواہی دینا، جھوٹ بولنا، کسی پر بہتان لگانا، لعنت کرنا وغیرہ، اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص روزہ تو رکھتا ہے مگر وہ کام جو ہر حال میں حرام ہے اس کا وہ ارتکاب کرتا ہے (جس کا اوپر ذکر ہوا) اور وہ نادان صرف ان چیزوں کو چھوڑتا ہے جس کو شریعت نے فی نفسہ حلال کیا ہے صرف روزہ کی حالت میں حرام کیا ہے (کھانا، پینا، جماع) تو اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی ہماری نظر میں کوئی وقعت نہیں کہ یہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے یا نہ چھوڑے کیونکہ روزہ کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی خواہشات نفسانی کو اور اپنے نفس امارہ کو اللہ کی رضا کے تابع کر دے اور جو شخص جو مستقل حرام چیز ہے اس کو نہ چھوڑے تو اس کو یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ^(۱) کیونکہ روزہ کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے جو ان چیزوں کے ارتکاب سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

”فليس لله حاجة“: اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جو روزہ کی حالت میں حرام کام نہ چھوڑے (۲) اور جو اجر و ثواب ملنا چاہے تھا وہ ایسے شخص کو نہیں ملے گا گو اس کے اوپر سے روزہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تنزیہ الصوم“ ص ۷۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة فى أن يدع طعامه وشرابه.

تخریج حادیث: اخرجه البخاری فی کتاب الصوم واخرجه فی کتاب الادب (مع اختلاف یسیر).

ترکیبِ حدیث: من: حرف شرط۔ لم یدع: فعل فاعل۔ قول الزور: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ العمل: مصدر۔ بہ: العمل کے متعلق مصدر اپنے متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول یدع کیلئے، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیس: فعل ناقص۔ للہ: کائنات کے متعلق ہو کر لیس کی خبر مقدم۔ حاجۃ: موصوف۔ فی: حرف جار۔ ان: مصدریہ۔ یدع: فعل، ضمیر فاعل۔ طعامہ: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ شرابہ: معطوف۔ معطوف علیہ معطوف سے مل کر مفعول، یدع فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر فی کے لئے مجرور، جار مجرور کائنات کے متعلق ہو کر حاجۃ کیلئے صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر لیس کا اسم، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

دنیا میں جھوٹی عزت پانے والے قیامت میں ذلیل ہوں گے

(۲۳۱) مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: ”جو شخص دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔“

لُغَاتُكَ: شُهْرَةٌ: بمعنی شہرت، ناموری، شہر (ف) شہر، مشہور کرنا۔ مَذَلَّةٌ: ذَلَّ (ض) ذُلًّا، مَذَلَّةً، بمعنی ذلیل ہونا، صفت کے لئے ذلیل آتا ہے۔

تشریح: ”دنیا میں شہرت کے کپڑے پہنے“ اس سے کیا مراد ہے؟ محدثین کے اس میں کئی اقوال ہیں اور وہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں، مراقاۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کپڑا پہنا جائے جس سے وہ اپنے آپ کو زائد اور بڑا عالم ظاہر کرے حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں۔^(۱)

بعض علماء نے اسی کے قریب قریب معنی بیان فرمائے ہیں کہ: اس سے مراد وہ شخص ہے جو شخص اپنی عزت اور بڑائی ظاہر کرنے کے لئے نفیس اور اعلیٰ کپڑے کو پہنے تاکہ لوگ میری عزت کریں تو اللہ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حرام مال کا لباس پہننا ہے اور بعض کے نزدیک ایسا لباس پہننا حرام ہے جس کے پہنے سے آدمی کا مقصد یہ ہے کہ لوگ میری طرف متوجہ ہوں۔

بعض علماء نے یہاں عجیب معنی سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں یہاں لباس سے مراد اعمال ہیں کہ جو شخص محض لوگوں کو دکھانے کے لئے اچھے اعمال کرے تاکہ دنیا والے اس کو نیک سمجھیں اور اس کی عزت کریں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلیل کرنے والا لباس پہنائیں گے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب اللباس“ ص ۳۷۵ پر ہے: پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لبس ثوب شهرة فی الدنيا البسه اللہ ثوب مذلة یوم القیامة.

تخریج حدیث: أخرجه ابن ماجہ فی کتاب اللباس (باب من لبس ثوب شهرة من ثياب).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ لبس: فعل، ضمیر فاعل۔ ثوب شهرة: مفعول۔ فی الدنيا: متعلق ہو کر شرط۔ البسه: فعل مفعول۔ لفظ اللہ: فاعل۔ ثوب مذلة: مفعول ثانی۔ یوم القیامة: مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور تینوں مفعولوں سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کرنے والا جہنمی ہے

(۲۲۵) مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وَجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ.

تَرْجَمَہ: ”جس شخص نے علم اس لئے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء کا مقابلہ کرے یا بے وقوفوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔“

لُغَاتُہ: لِيُجَارِيَ: جَارَاہُ، مُجَارَاةٌ، کسی کے ساتھ چلنے میں مقابلہ کرنا، یہاں مراد مطلقاً مقابلہ ہے، جَرَى (ض) جَرِيًّا بمعنی جاری ہونا۔ لِيُمَارِيَ: مِرَاةً بمعنی جھگڑا کرنا، قال تعالیٰ: ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ﴾، مَرَى: (ض) مَرِيًّا حَقُّہُ، حق کا انکار کرنا۔ السُّفَهَاءُ: سَفَہٌ (س) سَفَہًا، جاہل ہونا، بے وقوف ہونا، قال تعالیٰ: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ﴾. يَصْرِفُ: صَرَفَ (ف) صَرَفًا بمعنی پھرنا، قال تعالیٰ: ﴿صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾.

تَفْسِیْرُہ: علامہ ابن عبد البر اندلسی رحمہ اللہ نے اس مضمون کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں، مثلاً حضرت مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو کوئی حدیث اس لئے حاصل کرے کہ جہلاء سے بحث کرے اور علماء پر فخر کرے اور مخلوق کو اپنی طرف کھینچے ایسا شخص جہنم میں گرے گا۔ (۱)

اسی طرح سے حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو قلابہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایوب سختیانی نے نصیحت کی کہ خدا جتنا تم کو علم دے اس کی بندگی کرنا، خبردار! فخر کی راہ سے اظہار علم نہ کرنا۔ (۲)

مقصود حدیث کا یہ ہے کہ وہ علم جو انسان کے دل و دماغ سے ظلم و جہل کی تاریکی کو دور کرتا ہے تو شریعت مطہرہ یہ کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ ایک علم والا تکبر اور جھگڑا کرے، اس کے اندر تو انکساری اور تواضع ہونی چاہئے (۳) حصول علم صرف مقابلہ اور جھگڑے کے لئے نہ ہو ہاں اگر تحقیق وغیرہ کے لئے وہ بحث کرتا ہے تو اس وعید میں وہ داخل نہیں ہوگا اسی طرح سے وہ علماء سوء کے مقابلہ کے لئے مجادلہ مصارفہ و مقابلہ اظہار حق کے لئے کرے یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات ضروری ہوتا ہے۔

حافظ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بعض نادان لوگ اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ ایسا شخص کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا حالانکہ یہ بات نصوص کے خلاف ہے جس میں تمام اہل ایمان کا ناجی ہونا معلوم ہوتا ہے البتہ ایسے وصف قبیحہ والے لوگ اپنی سزا بھگتنے کے بعد پھر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن كعب بن مالك رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من طلب

العلم لیجاری به العلماء او لیجاری به السفهاء أو یصرف به وجوه الناس الیه أدخله الله النار.

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی فی ابواب العلم (باب ماجاء فی من یطلب بعلمه الدنیا).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ طلب: فعل فاعل۔ العلم: مفعول بہ۔ لیجاری: لام حرف جار۔ یجاری: فعل فاعل بہ: متعلق فعل کے۔ العلماء: مفعول، فعل فاعل مفعول اپنے متعلق سے مل کر جملہ ہو کر معطوف علیہ او: حرف عطف لام: زائدہ۔ یجاری: فعل فاعل۔ بہ: متعلق۔ السفهاء: مفعول، فعل فاعل مفعول اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ معطوف۔ یصرف بہ وجوه الناس: ترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، تمام معطوفات ایک دوسرے سے مل کر مجرور ہو کر فعل کے متعلق ہو کر شرط، أدخلہ: فعل۔ ہ: ضمیر مفعول۔ لفظ اللہ: فاعل۔ النار: مفعول، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



دنیا کے لئے علم حاصل کرنے والا جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا

﴿۳۶﴾ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ

يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: ”جس شخص نے اس علم کو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس کے ذریعہ دنیا کا سامان حاصل کرے تو قیامت کے دن اسے جنت کی خوشبو میسر نہیں آئے گی۔“

لُغَاتُكَ: يُبْتَغَى: ابْتَغَى، تَبَغَى الشَّيْءُ بِمَعْنَى طَلَبِ كَرْنَا۔ يُصِيبُ: أَصَابَ مِنَ الشَّيْءِ بِمَعْنَى لِينَا۔ الْعَرَضُ: مَتَاعٌ، سَامَانٌ، جَمْعُ أَعْرَاضٍ، عَرَفَ (س) بِمَعْنَى بَوْغَرِ اس کا استعمال اکثر خوشبو میں ہوتا ہے۔

تشریح: جو علم دین کو محض اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کی دولت کو جمع کرے تو ایسے شخص کے بارے میں اس حدیث میں سخت وعید وارد ہوئی ہے کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھنے پائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا علم جو دینی نہ ہو دنیاوی ہو اس کو دنیا کے جمع کرنے کے لئے ذریعہ بنائے تو یہ منع نہیں ہوگا، مثلاً انجینئری و ڈاکٹری وغیرہ مگر وہ دنیاوی علم ایسا نہ ہو جس کو شریعت نے حاصل کرنے کو منع فرمایا ہے مثلاً علم نجوم علم سحر وغیرہ۔^(۱)

”لم يجد عرف الجنة“: جنت کی خوشبو بھی میسر نہیں ہوگی، یہ کنایہ ہے عدم دخول جنت سے، اس حدیث سے بھی ایسے شخص کی عدم نجات پر استدلال کرنا جس کا علم دین سے مقصود حصول دنیا ہو یہ صحیح نہیں جیسے کہ گذشتہ حدیث میں بیان ہوا بلکہ مطلب یہ ہے کہ شروع میں اولین سابقین کے ساتھ یہ داخل نہیں ہوگا، سزا پانے کے بعد جنت میں ضرور داخل ہوگا، بہر حال ایمان والا ہو۔^(۲)

”جنت کی خوشبو نہیں ملے گی۔“ مطلب یہ ہے شروع میں نہیں ملے گی بعد میں مل جائے گی اور بعض علماء ظاہری الفاظ کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل ہو جائے گا مگر وہاں کی خوشبو نہیں ملے گی۔ محدثین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من تعلّم علماً ممّا یبتغى به وجه اللہ لا یتعلّمہ الا لیصیب به عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة يوم القيامة (یعنی ریحھا)۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداود فی کتاب العلم (باب فی طلب العلم لغير الله) و اخرجہ ابن ماجہ ایضاً (فی باب الانتفاع بالعلم والعمل به)۔

ترکیبِ جَدِیْش: من: حرف شرط۔ تعلم: فعل، ضمیر ذوالحال۔ علما: موصوف۔ من: حرف جار۔ ما: موصولہ۔ یتنغی: فعل۔
 بہ: متعلق۔ وجہ اللہ: نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور ہو کر کائنات کے
 متعلق ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مفعول تعلم کا۔ لا یتعلم: فعل ضمیر فاعل۔ ہ: ضمیر مفعول۔ الا: استثناء لغو۔ لیصیب:
 لام حرف جار۔ یصیب: فعل، ضمیر فاعل۔ بہ: متعلق۔ عرضا: موصوف۔ من الدنیا: جار مجرور کائنات کے متعلق ہو کر صفت،
 موصوف صفت سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر لا یتعلم کے متعلق اور پھر یہ
 جملہ حال ہوا، حال ذوالحال سے مل کر فاعل ہوا تعلم کا، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ لم یجد:
 فعل ضمیر فاعل۔ عرف الجنة: مفعول۔ یوم القيامة: مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جزاء، شرط جزاء
 سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



جو نجومی کے پاس جائے اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۳۷) مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَقْبَلْ لَهُ صَلَوةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً.

ترجمہ: ”جو شخص نجومی کے پاس جائے اور اس سے پوچھے تو اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہیں ہوگی۔“

لغائیک: عَرَّافًا: بمعنی نجومی، غیب کی خبریں بتانے والا۔ عَرَفَ (ض) عَرَفَةً، عَرَفَانًا، بمعنی پہچانا۔

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عراف کا ہن کو کہتے ہیں جو آئندہ آنے والے واقعات و حوادث کی خبر دے اور علم غیب کے اسرار کا دعویٰ کرے حالانکہ علم غیب تو خداوند قدوس کا خاصہ ہے، زمانہ جاہلیت میں اس کا بہت رواج تھا اور کانہوں کی باتوں پر بہت زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ خواہ کہانت ہو یا رمل و نجوم وغیرہ اس کا علم حاصل کرنا اور اس کو عمل میں لانا سب حرام ہے اور اس کے ذریعہ سے جو مال کمایا جائے گا وہ بھی حرام ہوگا۔

”لم یقبل له صلوة“: چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ سب سے اہم عبادت کو ذکر کر دیا باقی عبادات خود اس میں آگئیں، قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جو اجر و ثواب ملنا چاہئے وہ نہ ملے گا جہاں تک فرض ذمہ سے ساقط ہونے کا مسئلہ ہے وہ ساقط ہو جائے گا اور اس کی قضاء کرنا لازم نہیں ہوگا۔ (۱)

”اربعین لیلۃ“: چالیس رات کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

سؤال: رات کو تو کوئی نماز ہی فرض نہیں ہے؟

جواب: رات بول کر دن مراد لیا ہے، رات بول کر دن مراد لینا یا دن بول کر رات مراد لینا یہ عرف اور شرع دونوں میں بامحاورہ صحیح ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکھانۃ“ ص ۳۹۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن حفصۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من أتى عَرَّافًا فسأله عن شيء لم يقبل له صلوة أربعين ليلة.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم فی (باب الکھانۃ واتیان الکھانۃ).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ اتی عرافا: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فاء: حرف عطف۔ سأله: فعل فاعل اور مفعول۔ عن شیء: جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط۔ لم یقبل: فعل مجہول۔ له: متعلق۔ صلوة: مضاف۔ اربعین: ممیز۔ لیلۃ: ممیز، ممیز تمیز سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل ہو کر جزاء، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

اللہ کا نام لے کر جو شخص پناہ مانگے اس کو پناہ دو

(۲۸) مَنْ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللَّهِ فَأَعِذُوهُ وَمَنْ سَأَلَ بِاللَّهِ فَأَعْطُوهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُوهُ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنْ قَدْ كَفَّيْتُمُوهُ. ترجمہ: ”جو شخص اللہ کا نام لے کر تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو اور جو شخص اللہ کے نام سے کچھ مانگے تو اس کو دے دو اور جو شخص تم کو بلائے تو اس کے پاس چلے جاؤ اور جو شخص تمہارے ساتھ احسان کرے تو تم بھی اس کے ساتھ احسان کرو، اگر تم اس کے بدلہ کے لئے مال نہ پاؤ تو پھر اس کے لئے دعا کرو جب تک کہ تم جان لو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔“

لُعَاثِكُمْ: اسْتَعَاذَ: تَعَوَّذَ بمعنی پناہ لینا، قَالَ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾. فَأَعِذُوهُ: أَعَاذَ يُعِذُّ، بمعنی پناہ دینا۔ فَأَجِيبُوهُ: أَجَابَهُ: جواب دینا۔ فَكَافِئُوهُ: بدلہ دینا، مقابلہ کرنا۔ تَشْرِيجٌ: جو شخص تم سے خدا کے نام سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دے دو، مطلب یہ ہے کہ تمہاری ذات یا کسی اور کی طرف سے کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہو اب وہ تم سے خدا کے نام سے درخواست کر رہا ہے تو اب اس کی درخواست قبول کر لو (۱) کیونکہ اس نے تم کو خدا کا واسطہ دیا ہے خدا کے نام کی عظمت کرتے ہوئے اس کی مدد کرو۔

”ومن صنع اليكم معروفا“: کوئی تمہارے ساتھ احسان کرے تو اس کو بدلہ دو اگر مالی بدلہ موجود نہیں تو اس احسان کے بدلے میں جزاک اللہ خیر اہی کہہ دو اس جملہ کے کہنے سے بھی بدلہ ہو جائے گا اور اس کے لئے دعا بھی کی جائے گی۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ آپ ہدیہ کا بدلہ اس ہدیہ سے زیادہ دیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ فقیر کو دینے کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرتی تھیں، کسی نے دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ: جب میں کسی کو دیتی ہوں تو وہ دعا کرتا ہے تو میرا صدقہ اس کے دعا کے بدلہ میں ہوگا تو اب میں ساتھ میں دعا اس لئے دیتی ہوں کہ اس کی دعا میری دعا کے بدلہ میں ہو جائے اور میرا صدقہ خالص ہو جائے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب افضل الصدقة“ ص ۱۷۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من استعاذ منکم باللہ فاعیذوہ ومن سأل باللہ فاعطوہ ومن دعاکم فاجیبوہ ومن صنع اليکم معروفا فکافئوہ فان لم تجدوا ما تکافئوہ فادعوا له حتی تروا ان قد کافئتموہ.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشكوة الى الامام احمد واخرجه ابو داود ايضا فى كتاب الادب (باب فى الرجل يستعيز من الرجل ببعض نقص وزيادة).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: من: حرف شرط۔ استعاذ: فعل، ضمير فاعل۔ منكم: استعاذ کے متعلق اول۔ باللہ: استعاذ کے متعلق ثانی: فعل فاعل اپنے دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ اعیذوہ: فعل، ضمیر فاعل۔ ہ: مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ من: حرف شرط۔ سال: فعل، ضمیر فاعل۔ باللہ: متعلق سأل۔ فعل، فاعل اپنے متعلق سے مل کر شرط۔ فاعطوہ: جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ من دعاکم: جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاجیبوہ: جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ من: حرف شرط۔ صنع: فعل، ضمیر فاعل۔ الیکم: صنع کے متعلق۔ معروفا: مفعول، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فکافئوہ: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ ان: حرف شرط۔ لم تجدوا: فعل ضمیر فاعل۔ ما: موصولہ۔ تکافئو: فعل فاعل۔ ہ: ضمیر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مفعول لم تجدوا کا، پھر لم تجدوا فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ ادعوا: فعل، ضمیر فاعل۔ لہ: متعلق۔ حتی: حرف جار۔ تروا: فعل، ضمیر فاعل۔ ان: مخففہ من المثلہ ضمیر محذوف اس کا اسم۔ کافتمو: فعل ضمیر فاعل۔ ہ: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ان کی اور پھر یہ ”تروا“ کے لئے قائم مقام دو مفعولوں کے پھر یہ تروا جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مفرد ہو کر مجرور ہو کر متعلق ہوا ادعوا کے ساتھ، ادعوا فعل اپنے فاعل اور متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

جو شخص جو برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے

﴿۱۲۹﴾ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: ”جو شخص تم میں سے کوئی برائی دیکھے اس کو چاہئے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کر دے اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو پھر دل میں اس کو برا جانے یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔“
لُغَاتٌ: فَلْيُغَيِّرْهُ: غَيَّرَهُ، غَايَرَهُ، بَدَلْ دِينَا، تَغْيِيرُ كَرْدِينَا۔ أَضْعَفُ: اِسْمُ تَفْضِيلٍ بِمَعْنَى كُنْزٍ وَرَجْعٍ ضِعَافٌ وَالضُّعْفَاءُ تَشْرِيحٌ: اِسْ حَدِيثٌ فِي اِيْمَانِ كَ تَيْنِ دَرَجَاتٍ كُو بَيَانِ فَرْمَايَا گيا هے:

اول: یہ کہ آدمی غلط کام کو دیکھ کر اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے بشرطیکہ وہ اس پر قادر بھی ہو مثلاً گھر کا سربراہ یا استاذ وغیرہ۔
دوم: یہ کہ جب کوئی برائی دیکھے تو اس کی برائی اپنی زبان سے بیان کرے۔

سوم: یہ کہ برائی کو دیکھ کر اعراض کرے اور دل میں یہ خیال رکھے کہ یہ غلط کام ہو رہا ہے اگر دل میں بھی برائی کی برائی نہیں تو اب اس شخص کے ایمان دار ہونے میں شک ہے۔

علماء کرام نے فرمایا ہے جس چیز کا حکم شرع نے وجوب کے درجہ میں دیا ہے تو اس کا حکم بھی واجب ہوگا اور جس کا امر مستحب ہے تو اس کا حکم بھی مستحب ہوگا اگر حرام تو روکنا بھی واجب اور مکروہ تو روکنا مستحب ہوگا۔^(۱) یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ روکنا اور نہی عن المنکر اس وقت ہے جب کہ فتنہ و فساد کا خوف نہ ہو اگر یہ خوف ہو تو اب اس صورت میں روکنا واجب نہیں بلکہ مستحسن ہوگا۔^(۲)

علامہ قطب الدین رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ صرف حاکم اور طاقت ور مسلمانوں پر ہی عائد نہیں ہوتا بلکہ سب ہی لوگوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اچھی باتوں کا حکم کریں اور بری باتوں سے روکیں اس میں مرد بھی داخل ہیں اور عورتیں بھی، آزاد بھی غلام بھی۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الامر بالمعروف“ ص ۴۳۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ.
تَحْرِیْحٌ جَدِیْثٌ: اَخْرَجَ مُسْلِمٌ فِي كِتَابِ الْاِيْمَانِ (بَابُ كَوْنِ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْاِيْمَانِ) وَاَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ فِي اَبْوَابِ الْفِتَنِ (بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ).

ترکیبِ حدیث: من: حرف شرط۔ رای: فعل، ضمیر فاعل۔ منکم: رای کے متعلق۔ منکرا: رای کا مفعول ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیغیر: فعل فاعل۔ ہ: مفعول۔ باء: حرف جار۔ یدہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر لیغیر کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ فان لم یستطع: جملہ فعلیہ ہو کر شرط بلسانہ: لیغیر محذوف کے متعلق ہو کر جزاء شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ فان لم یستطع: جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فبقلبہ: جزاء شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا (یا ان سب کو ایک دوسرے پر عطف بھی کر سکتے ہیں) ذلک: مبتداء۔ اضعف الایمان: مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔



جوادا کرنے کی نیت سے قرض لے تو اللہ اس سے ادا کروادیتے ہیں

﴿۲۵﴾ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَ هَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ اتِّلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ”جو شخص لوگوں سے مال لے اس کے ادا کرنے کے ارادہ سے تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ مال ادا کروادیتے ہیں اور جو شخص مال لے ضائع کرنے کی نیت سے تو اللہ اس مال کو ضائع کروادیتے ہیں۔“

لُغَاتُ: أَدَّى: (ض) تَأْدِيَةُ الشَّيْءِ بِمَعْنَى اِدَا كَرْنَا، بِمَنْجَانَا۔ اَتْلَفَهُ: تَلَفَ (س) تَلَفًا بِمَعْنَى هَلَكَ هَوْنَا، بَرَادَ هَوْنَا۔

تشریح: ”یرید اداء ہا“: جو قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر فیصلہ کرتے ہوئے اس کے ادا کرنے کی اشکال کو پیدا فرمادیتے ہیں، اس حدیث کے ذیل میں بعض محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر اس کی نیت تھی اور دنیا میں ادا نہ بھی کر سکا تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے قرض دار کو راضی کر دیں گے۔

”یرید اتلافھا“: اگر قرض لینے والے کی نیت شروع سے ہی قرض ادا کرنے کی نہ ہو بلکہ صرف مال قرض لینے سے دوسرے کے مال کو ضائع کرنا مقصد ہو تو اللہ یہاں پر بھی اس کی نیت کے اعتبار سے فیصلہ فرماتے ہیں کہ اس کے مال کو ضائع ہی فرمادیتے ہیں، عربی کا محاورہ ہے ”كَمَا تَدِينُ تَدَانُ“ کہ آدمی دوسرے کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے وہی معاملہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ: ایسی نیت رکھنے والے کی روزی میں اللہ تعالیٰ تنگی پیدا فرمادیتے ہیں کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو تنگی میں ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الافلاس والانظار“ ص ۲۵۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَ هَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ اتِّلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الاستقراض واداء الديون والحجر والتفليس (باب من اخذ اموال الناس یرید اداء ہا او اتلافھا).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ اخذ: فعل، ضمیر ذوالحال۔ اموال الناس: اخذ کا مفعول۔ یرید: فعل فاعل۔ اداء ہا: مفعول۔ یرید فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر حال۔ حال ذوالحال سے مل کر فاعل اخذ کا، اخذ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ ادی: فعل۔ لفظ اللہ: فاعل۔ عنہ ادی کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ ومن اخذ ادا یرید اتلافھا اتلافہ اللہ علیہ: اس کی ترکیب بھی سابق ترکیب کی طرح ہے۔

جو رمضان کا روزہ نہ رکھے تو تمام عمر کا روزہ اس کا بدلہ نہیں بن سکتا

(۱۶) مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ.

ترجمہ: ”جو شخص بلا رخصت یا بغیر (کسی شرعی) بیماری کے رمضان کے کسی ایک دن کا روزہ نہ رکھے تو تمام عمر روزہ رکھنا بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتا اگرچہ تمام عمر ہی روزہ رکھتا رہے۔“

لُعَاتِجٌ: أَفْطَرَ: الصَّائِمُ، کھانا اور پینا، فَطَرَ (ن، ض) فَطَرَ الشَّيْءُ، پھاڑنا، تَفَطَّرَ وَانْفَطَرَ بمعنی پھٹنا۔ تَشْرِيجٌ: ”غیر رخصت“: شریعت نے جن لوگوں کو رخصت دی ہے (مثلاً مسافر، عورت کا حاملہ ہونا، عورت کے ایام حیض و نفاس، بعض شرطوں کے ساتھ بوڑھا آدمی) اس کے علاوہ کوئی ویسے ہی روزہ چھوڑتا ہے تو اب یہ سخت ترین گناہ کا مرتکب ہوگا، درمختار میں ہے ”وَلَوْ أَكَلَ عَمْدًا شَهْرًا بِلاَ عَذْرِ يُقْتَلُ“ جو شخص رمضان میں بلا عذر علی الاعلان کھاتا پیتا ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

”لم يقض عنه صوم الدهر“: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین رضی اللہ عنہم کے نزدیک جس نے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو اب تمام زندگی روزہ رکھنے کے ساتھ بھی وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا مگر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور امت اور ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک غیر رمضان میں قضاء کرنے سے فرضیت اس پر سے ساقط ہو جائے گی۔ (۱)

اگر اس نے رمضان کا روزہ رکھنے کے بعد توڑا ہے تو پھر اس کو کفارہ کے طور پر دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (۲) جمہور علماء کرام اس روزہ کو قیاس کرتے ہیں نماز پر کہ اگر کوئی نماز چھوڑ دے تو اب قضاء کر لے تو فرضیت ساقط ہو جاتی ہے تو اسی طرح یہاں پر بھی ساقط ہوگا یہ الگ بات ہے کہ رمضان کی برکات سے یہ محروم رہے گا۔ اس حدیث بالا کا جواب جمہور علماء کرام یہ دیتے ہیں کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھمکی کے طور پر یہ فرمایا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تنزیہ الصوم“ ص ۷۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من افطر یوماً من رمضان من غیر رخصۃ ولا مرض لم یقض عنہ صوم الدھر کلہ وان صامہ۔
تَحْرِيجٌ حَدِيثٌ: أخرجه الترمذی فی ابواب الصیام (باب ماجاء فی الافطار متعمداً) وأخرجه ابوداود فی کتاب الصیام (باب التغلیظ فیمن افطر عمداً مع اختلاف یسیر).

ترکیبِ جَدِیث: من: حرف شرط۔ افطر: فعل فاعل۔ یوما: موصوف۔ من رمضان: جار مجرور ثابتا کے متعلق ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر افطر کا مفعول۔ من: حرف جار۔ غیر رخصۃ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ لا: زائد۔ مرض: معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مجرور ہو کر فعل کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ لم یقض: فعل۔ عنہ: یقض کے متعلق۔ صوم الدھر: مؤکد۔ کلہ: تاکید، مؤکد تاکید سے مل کر فاعل ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ ان صامہ: جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ لم یقض: محذوف اس کی جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔



روزہ دار کے افطار کروانے والے کو ثواب ملتا ہے

(۲۱) مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا أَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ.

ترجمہ: ”جس شخص نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا یا کسی مجاہد کو سامان دیا تو اس کو بھی اسی کے ثواب جیسا ثواب ملتا ہے۔“

لُعَاتِي: جَهَّزَ: جَهَّزَهُ، بمعنی تیار کرنا، مہیا کرنا۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہ کی رحیم و کریم ذات کا بڑا احسان ہے انسان پر کہ اگر ایک آدمی خود عمل نہیں کر سکتا تو اس کے لئے اس عمل کا راستہ اس طرح کھول دیا کہ اگر وہ کسی کے اس عمل پر آنے کا ذریعہ بن جائے اس صورت میں بھی اس کو اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے جیسے اس حدیث میں بیان ہوا کہ ایک آدمی نے کسی کو افطار کرایا یا کسی مجاہد کا سامان تیار کر دیا تو اس کو بھی اس جیسا ثواب ملے گا کیونکہ وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ سے ایک نیک کام میں مددگار ہوتا ہے۔^(۱)

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کی بخشش و مغفرت کا ذریعہ اور دوزخ کی آگ سے اس کی حفاظت کا سبب ہوگا اور اس کو روزے دار کے ثواب کی مانند ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزے دار کے ثواب میں کچھ کمی ہو۔^(۲)

یہ بھی ضروری نہیں افطار آدمی پر تکلف کرائے اور اکرام ضیف میں دسترخوان بھر دے بلکہ ہر شخص اس ثواب کو حاصل کر سکتا ہے، اسی روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضرت: ہم میں سے ہر شخص اس افطاری کے انتظام کی قدرت نہیں رکھتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ثواب اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی عنایت فرما دیتے ہیں جو کسی روزے دار کو ایک گھونٹ لسی یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی پلا دے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب رؤیت الهلال“ کے بعد والے باب ص ۱۷۵ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا أَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ.

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوٰۃ فی کتاب الصوم الی البیہقی فی شعب الایمان وایضا اخرجه البغوی فی شرح السنة.

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ فطر: فعل فاعل۔ صائما: مفعول، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ او: حرف عطف۔ جہز غازیاً: فعل فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لہ: ثبت فعل محذوف کے متعلق۔ مثل اجرہ: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر ثبت کے لئے فاعل ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

نبی کریم ﷺ کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے

﴿۲۶﴾ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ يُطِيعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعُصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي.

ترجمہ: ”جس نے میری فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، جس نے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

لُغَاتُكَ: عَصَانِي: بمعنی نافرمانی کرنا۔

تفسیر: آپ ﷺ کا حکم بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے کیونکہ جو کچھ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوتا ہے وہ عین نشاء الہی کے مطابق ہوتا ہے۔ آپ کو فرمان میں اپنی اشتہاء سے بھی محفوظ فرمایا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾۔

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت ﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ میں بھی بیان فرمایا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی کو پس و پیش اور ماننے نہ ماننے کا اختیار نہیں اسی طرح اس کے لئے رسول کا بھی یہی حکم ہے یہ امر تو واضح ہے۔

دوسرے جزء میں امیر کی اطاعت کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی گویا اس نے میری اطاعت کی، یہ بھی ضروری نہیں کہ امیر باصلاحیت ہو تب ہی اس کی اطاعت کی جائے بلکہ ایک روایت میں آیا کہ اگر کسی نکلے اور کان کٹے غلام کو تمہارا امیر بنایا جائے اور وہ اللہ کے قانون کے مطابق تم پر حکمرانی کرے تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو^(۱) اس میں بھی اولوالا مر کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت بیان کی گئی ہے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ طاعت امیر امر معصیت میں نہیں ہوگی جیسا کہ صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ ”لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ“^(۲) کہ طاعت گناہ کے کاموں میں نہیں بلکہ طاعت تو نیک کاموں میں ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الامارۃ والقضاء“ ص ۳۱۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من أطاعنی فقد أطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد أطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی وانما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ یتقی بہ فان أمر بتقوی اللہ وعدل فان له بذلك أجرا وان قال

بغيره فانّ عليه منه متفق عليه.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الجہاد (باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ) اخرجہ مسلم فی کتاب الامارۃ (باب وجوب اطاعة الامراء فی غیر معصیۃ و تحریما فی المعصیۃ) عن ابی ہریرۃ۔
تَرْکِیْبُ حَدِيثٍ: من: حرف شرط۔ اطاعنی: فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ قد: حرف تحقیق۔ اطاع: فعل فاعل۔ لفظ اللہ: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ من عصانی: جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فقد عصی اللہ: جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ من یطع الامیر: شرط۔ فقد اطاعنی: جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف۔ واؤ: حرف عطف۔ من یعص الامیر: شرط۔ فقد عصانی: جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔



جو کسی کی زمین کا کوئی حصہ ناحق لے لے قیامت میں اس کو اس میں دھنسیا جائے گا

﴿۱۴﴾ مَنْ أَخَذَ الْأَرْضَ شَيْئًا بَغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ.

ترجمہ: ”جس شخص نے کسی کی زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لیا تو اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کی

تہہ تک دھنسیا جائے گا۔“

لُعَانَتِكَ خُسِفَ: (ض) خُسِفَ فِي الْأَرْضِ بِمَعْنَى زَمِينٍ مِثْلٍ دَهْنَانَا- أَرْضَيْنِ: أَرْضُونَ، أَرْضُضْ، أَرْضُضْ، جَمْعُ الْأَرْضِ، بِمَعْنَى زَمِينٍ۔

تشریح: اسلام نے انسانی حقوق کے تحفظ کا جو اعلیٰ تصور پیش کیا ہے اور اسلامی شریعت نے حقوق العباد پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو جن سزاؤں اور عقتوتوں کا مستوجب قرار دیا ہے یہ حدیث گرامی اس کا ایک نمونہ ہے۔ (۱)

چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق لے گا اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔ (۲)

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص بالشت بھر بھی زمین ازراہ ظلم لے گا اسے اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقہ زمین تک کھودتا رہے پھر وہ زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا تا آنکہ لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔ (۳)

مقصود یہ کہ مختلف احادیث میں حضور ﷺ نے شفقت فرماتے ہوئے اس امر پر خصوصی تنبیہ فرمادی کہ مسلمانوں کے لئے کسی کا مال بلا اجازت لے لینا یہ کس قدر مذموم حرکت ہے اور دنیا کے اعتبار سے اخلاق و تہذیب کے خلاف بات ہے اور آخرت کے اعتبار سے انتہائی سخت ترین سزاؤں کا موجب ہے، اسی لئے اس پر توجہ دی جائے اور کسی کے مال کو بدون اس کی اجازت کے نہ لیا جائے۔ ایک حدیث میں آتا ہے وہ جسم جو حرام مال سے پرورش پائے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الغصب والعاریۃ“ ص ۲۵۶ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سالم عن ابيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اخذ من الارض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة الى سبع ارضين.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی ابواب المظالم والقصاص (باب اثم من ظلم شيئا من الارض).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ اخذ: فعل فاعل۔ من الارض: اخذ کے متعلق۔ شيئا: موصوف۔ باء حرف جار۔

غیر حقہ: تمام مضاف ایک دوسرے سے مل کر مجرور ہو کر ثابتا کے متعلق ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر اخذ کا مفعول، اخذ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ خسف: فعل مجہول، ضمیر نائب فاعل۔ بہ متعلق۔ یوم القيامة: مفعول فیہ۔ الی: حرف جار۔ سبع ارضین: مضاف ایک دوسرے سے مل کر مجرور، پھر خسف کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔



نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھنے والا حقیقت میں

نبی کریم ﷺ کو ہی دیکھتا ہے

(۲۵) مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي.

ترجمہ: ”جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے درحقیقت مجھ کو ہی دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری

صورت اختیار نہیں کر سکتا ہے۔“

لُغَاتِي: يَتَمَثَّلُ: مَثَلٌ، تَمَثِيلًا لِّلشَّيْءِ لِفُلَانٍ، هُوَ بِهَوِ تَصْوِيرِ بَنَانٍ۔

تشریح: محدثین کرام رحمہ اللہ نے اس حدیث پر طویل بحث فرمائی ہے مختصر یہ کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس کو خبر دے دو کہ اس کا خواب سچا ہے اغواٹ الاحلام میں سے نہیں ہے کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔ (۱)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو کسی بھی حالت میں دیکھے ہر حالت میں میں ہی ہوں گا شیطان میری کسی صورت سے بھی نقل نہیں کر سکتا۔ (۲)

تیسرا مطلب یہ ہے کہ جس نے خواب میں میرا دیدار کیا وہ قیامت میں بھی میرا دیدار کرے گا، بعض علماء کرام نے فرمایا کہ: یہ ارشاد آپ کے زمانے کے ساتھ خاص تھا کہ جس نے خواب میں مجھ کو دیکھا اللہ اس کو میری زیارت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے گا اور وہ حالت بیداری میں بھی میرا دیدار کر لے گا۔

سوال: شیطان اللہ جل جلالہ کی شکل میں تو آ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شکل نہیں بنا سکتا؟
جواب: اس سوال کے محدثین نے بہت سے جوابات دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو ہادی اور راشد بنا کر بھیجا اس کے مد مقابل شیطان کہ وہ ضلالت اور گمراہی پیدا کرنے کے لئے ہے تو اس میں یہ ضد ہوئی جیسے آگ اور پانی ضد آپس میں جمع نہیں ہو سکتے بخلاف خدا کے کہ اللہ میں صفات ضلالت بھی ہے اور صفات ہدایت بھی متضاد صفات کو جامع ہے اس لئے شیطان خدا کی شکل میں آ سکتا ہے اور نبی کی شکل میں نہیں آ سکتا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرؤیا“ ص ۳۹۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ

فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي.

تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: اخرجہ البخاری (فی کتاب التعبير) واخرجہ مسلم (فی کتاب الرؤیا)۔
 تَرْکِیْبِ حَدِیْثٍ: من: حرف شرط۔ رانی: فعل، ضمیر فاعل۔ ی: مفعول۔ فی المنام: رای کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر
 شرط۔ فاء: جزائیہ۔ قد: حرف تحقیق۔ رانی: فعل فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر معلل۔ فاء:
 تعلیلیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الشیطن: ان کا اسم۔ لا یتمثل: فعل ضمیر فاعل۔ فی صورتی: متعلق یتمثل کے ہو کر جملہ
 فعلیہ ہو کر ان کی خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر تعلیل۔ معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔



جو دعویٰ کرے جو اس میں نہیں تو وہ جہنم میں جائے گا

(۲۶) مَنِ ادَّعَىٰ مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَّبِعْهُ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: ”جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے۔“

لَعَنَكَ: وَلْيَتَّبِعْهُ: تَبَوَّأَ الْمَكَانَ وَبِهِ، اقامت کرنا۔

تشیخ: مسلمان کی طرح اس کا مال بھی محترم ہے بغیر اس کی اجازت کے مال لینا حرام ہے، چنانچہ صریح ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جان لو کسی بھی دوسرے شخص کا مال اس کی رضا و خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے، (۱) اسی لئے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ ”لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ“ (۲) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کا مال بغیر سبب شرعی کے لے لے۔

روایت بالا میں بھی اس امر پر تنبیہ ہے کہ کسی کے مال پر بلا وجہ دعویٰ کرنا اپنی ملک ثابت کرنے کے لئے کس قدر عظیم گناہ ہے کہ اسے اپنی امت میں شمار نہیں فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو لوٹ مار کرے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔ (۳) غرض کسی بھی طرح دوسرے کے مال پر قبضہ بدون اس کی اجازت کے جائز نہیں ہے۔ ایک جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ: کسی سے لی ہوئی چیز جب تک واپس نہ کر دی جائے (۴)۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی سے کوئی چیز لی ہے جب تک اس کو واپس نہ کر لے اس لینے والے کے ذمہ واجب الادا ہے (۵) بسا اوقات آدمی ہنسی مذاق میں دوسرے کا مال لے لیتا ہے اور نیت واپس کرنے کی نہیں ہوتی آج کل جیسے لوگ کرتے ہیں اس کی بھی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے چنانچہ فرمایا کہ: تم میں سے کوئی بھی اپنے مسلمان بھائی کی لالچی ہنسی مذاق میں اس مقصد سے نہ لے کہ وہ اس کو رکھ لے گا۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے عصا لے وہ اس کو واپس کر دے۔ (۶)

”وليتبوا مقعده من النار“: ظاہر ہے کہ جب وہ ملکیت قہری ہوگا تو اس کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے اور کیا ہوگا۔ ایک جگہ صاف ارشاد عالی ہے کہ: اگر موسیٰ علیہ السلام بھی ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ (۷) بہر حال یہاں پر خروج حقیقی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ عمل مسلمان کی شان کے مناسب نہیں ہے، حاصل یہ کہ وہ ایسا شخص نہیں جس کو مسلمان برادری کا فرد سمجھا جائے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاقضية والشهادات“ ص ۳۲۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

(۲) مشکوٰۃ ۲۵۵

(۳) مشکوٰۃ ۲۵۵

(۲) ہندیہ ۷۷۸/۲

(۱) مشکوٰۃ ۲۵۵

(۷) مظاہر حق ۱۵۷/۳

(۶) مشکوٰۃ ۲۵۵

(۵) مظاہر حق ۱۵۶

عن أبي ذر رضى الله تعالى عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من ادعى ما ليس له فليس منا وليتبوا مقعده في النار.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان (باب بیان حال ایمان من قال لایخیه المسلم یا کافر) عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: من: حرف شرط۔ ادعى: فعل ضمیر فاعل۔ ما: موصول۔ ليس: فعل ناقص، ضمیر اس کا اسم۔ له: کائنات کے متعلق ہو کر ليس کی خبر، ليس اپنے اسم اور خبر سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر ادعی کے لئے مفعول ہوا، پھر یہ شرط۔ فاء: جزائیہ۔ ليس: فعل ناقص ضمیر اس کا اسم۔ منا: محذوف کے متعلق ہو کر ليس کی خبر، ليس اپنے اسم اور خبر سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ ليتبوا: فعل، ضمیر فاعل، مقعده: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول۔ من النار: متعلق۔ ليتبوا فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔



روزہ رکھنے والے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں

﴿۲۶﴾ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: ”جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور طلبِ ثواب کی خاطر رمضان کا روزہ رکھا تو اس کے تمام وہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو اس نے اس سے پہلے کئے تھے اور جو شخص رمضان میں کھڑا ہوا ایمان کے ساتھ اور طلبِ ثواب کی خاطر تو اس کے وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو اس نے اس سے پہلے کئے تھے۔“

لُغَاتِي: قَامَ: (ن) قَوْمًا وَقِيَامًا بمعنی کھڑا ہونا، مراد یہاں پر تراویح پڑھنا ہے۔

تفسیر: ”ایماناً“: اس لفظ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عمل کرنے والے کا شریعت پر پورا یقین ہو اور وہ اس جذبہ کے ساتھ اس عبادت کو پورا کرے کہ شریعت نے یہ عبادت میرے اوپر ضروری قرار دی ہے اس کو کروں گا تو باعثِ اجر و ثواب اور تقربِ الہی کا باعث ہوگی اور اگر میں نہیں کروں گا تو شریعت کی نگاہ میں گناہ گار ہوں گا۔

”واحتساباً“: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رضامندی ہی اس عبادت کا مقصود ہے اور جس اجر کا شریعت نے وعدہ کیا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس عبادت کو پورا کرے۔

”غفر له ما تقدم من ذنبه“: اس کے پہلے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، مگر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اور محققین علماء کرام فرماتے ہیں کہ: ان جیسی روایات سے صغیرہ گناہ کی معافی مراد ہوتی ہے کبیرہ گناہ نہیں اس کے لئے توبہ و استغفار ضروری ہے اور کوئی ایسا خوش نصیب شخص ہو کہ اس کے گناہ ہی نہ ہوں تو علماء کرام فرماتے ہیں کہ وہ عبادت اس کے درجات بلند ہونے کے لئے سبب بن جائے گی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الصوم“ ص ۱۷۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومن قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومن قام ليلة القدر ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم فی باب الترغیب فی قیام رمضان وأخرجه البخاری فی کتاب الصوم (باب فضل ليلة القدر).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ صام: فعل، ضمیر ذوالحال۔ ایمانا: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ احتسابا: معطوف۔

معطوف معطوف علیہ سے مل کر حال، ذوالحال حال سے مل کر صام کا فاعل۔ رمضان: مفعول۔ صام فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ غفر: فعل مجہول۔ لہ: غفر کے متعلق۔ ما: موصولہ۔ تقدم: فعل، ضمیر فاعل۔ من ذنبہ: تقدم کے متعلق ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر غفر کے لئے نائب فاعل ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ (آگے جملہ کی ترکیب بھی بعینہ سابق کی طرح ہے)

من قام رمضان ایمانا واحتسابا: شرط۔ غفر له ما تقدم من ذنبه: جزا، جملہ شرطیہ۔ من قام ليلة القدر ایمانا واحتسابا: شرط۔ غفر له ما تقدم من ذنبه: جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔



بد بودار چیز کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہئے

①۸ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُتَنَتَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَكَةَ تَتَأَذَى مِمَّا يَتَأَذَى مِنْهُ الْإِنْسُ.

تَرْجَمَہ: ”جو شخص اس بد بودار درخت سے کچھ کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی ان چیزوں سے تکلیف محسوس کرتے ہیں جن سے انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔“

لُغَاتُہ: الْمُتَنَتَةُ: اسم فاعل عَنْ إِفْعَالٍ نَتَنَ (ض، س) نَتَنًا وَنَتْنٌ (ك) نَتَانَةٌ بمعنی بد بودار ہونا۔ تَتَأَذَى: تکلیف پہنچنا أَذَى (س) أَذَى تَكْلِيفَ پانا، قَالَ تَعَالَى: ﴿قُلْ هُوَ أَذَى﴾. الْإِنْسُ: بمعنی آدمی، اِنْسٌ: (س، ك) (ض) اِنْسَاءً، بِهِ، إِلَيْهِ بمعنی مانوس ہونا۔ محبت کرنا۔

تَشْرِیْحُ: مطلب حدیث کا یہ ہے کہ بد بودار چیز کھا کر کوئی شخص مسجد میں نہ آئے کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے اللہ خود پاک ہیں تو وہ گندگی کو پسند نہیں کرتے، اسی طرح فرشتے بھی پاک ہیں وہ بھی گندگی کو پسند نہیں کرتے۔

”هذه الشجرة المنتنة“: اس سے کون سا درخت مراد ہے؟

تو بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ پیاز کا اور بعض نے لہسن کا اور بعض نے اور بھی دوسرے درختوں کے بارے میں فرمایا ہے، مگر اس میں قانون یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس میں بد بو ہو خواہ اس کا تعلق کھانے پینے کے ساتھ ہو یا کسی اور چیز کے ساتھ ہو مثلاً منہ کی غلاظت بغل کی بد بو کپڑے کا گندا ہونا وغیرہ سب اس میں داخل ہوں گی۔

”فلا یقربن“: اور دوسری روایت میں ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ قبرستان میں جائے مسجد میں نہ آئے تاکہ پہلے بد بو کو ختم کر کے اپنے کو پاک و صاف کر لے جیسے کہ خداوند قدوس کا حکم ہے ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ زینت پکڑو مسجد کے لئے۔

”مسجد نا“: علماء کرام فرماتے ہیں: اس میں مدرسہ جہاں پر قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہو یا ذکر و تسبیح کے حلقے لگتے ہوں یا وعظ و نصیحت کی جگہ ہو سب شامل ہیں کیونکہ ان سب جگہوں پر فرشتوں کا کثرت سے نزول ہوتا رہتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساجد ومواضع الصلوة“ ص ۶۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن جابر رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الانس.

تَحْرِیْحُ حَدِیْثُ: اخرجه مسلم فى كتاب المساجد (باب نهى من اكل ثوما او بصلا او كراثا)، واخرجه

البخاری فی کتاب الاذان (باب ماجاء فی الثوم النی البصل والکراث).

ترکیبِ جَدِیث: من: حرف شرط۔ اکل: فعل، ضمیر فاعل۔ من: حرف جار۔ ہذہ: اسم اشارہ۔ الشجرة المنتنة: موصوف
صفت سے مل کر مشار الیہ ہو کر مجرور ہوا، پھر جار مجرور متعلق اکل فعل کے ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لا یقربن: فعل،
ضمیر فاعل۔ مسجدنا: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر
معلل۔ فاء: تعلیلیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ الملائكة: اسم۔ تنادی: فعل فاعل۔ من: حرف جار۔ ما: موصولہ۔ یتاذی: فعل۔
منہ: یتاذی کے متعلق۔ الانس: فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور ہو کر تنادی کے متعلق
ہو کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔



قاضی کو گویا بغیر چھری کے ذبح کیا جاتا ہے

(۲۵۹) مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ.

ترجمہ: ”جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا اسے بغیر چھری کے ہی ذبح کر دیا گیا۔“

لُغَاتُكَ: قَاضِيًا: قَضَى (س) قَضَاءً، فَيُصَلِّهِ كَرْنَا، حَاجَتِ پوری کرنا جَمْعُ قَضَاءٍ قَاضِيُ الْقَضَاءِ: قاضیوں کا رئیس، چیف جسٹس۔ سِكِّينٍ: بروزن حریف، بمعنی چھری جمع سَكَكَيْنٍ.

تَشْرِیح: یہاں پر ذبح کے معروف معنی یعنی ہلاکت بدن مراد نہیں ہیں بلکہ یہاں پر معنی ہلاکت روحانی یعنی چین و سکون کی ہلاکت مراد ہے (۱) مطلب یہ ہے کہ عہدہ قضا ایک ابتلاء ہے، قاضی انتہائی سخت ترین جگہ پر ہوتا ہے کہ امور مسلمین کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے ذرا سی لغزش سے دین کا زبردست نقصان ہوتا ہے اسی لئے حدیث میں قاضی بننے کی خواہش کرنے سے منع فرمایا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ حکومت و سیاست کی طلب نہ کرو کیونکہ تمہاری طلب و خواہش پر دے دی گئی تو تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا اور بغیر طلب و خواہش کے تم کو دے دی گئی تو پھر تمہاری مدد کی جائے گی۔ (۲)

بغیر اعانت الہی کے امارت انتہائی مشکل کام ہے جو ناممکن ہے کہ صحیح طور پر ادا ہو سکے، ایک روایت میں ہے کہ جو شخص بغیر طلب کے امیر و قاضی بنا دیا جائے تو ایک فرشتہ اس پر مقرر کیا جاتا ہے جو اس کو امور صحیح کی طرف رہنمائی کرتا ہے (۳) ایک جگہ یوں ارشاد عالی ہے کہ تم سب سے بہترین شخص اس کو پاؤ گے جو اس چیز یعنی امارت و قضا کو بہت زیادہ ناپسند کرتا ہو۔ (۴)

ان سب کے باوجود اگر ایسا ہے کہ مسلمانوں کے امور امارت و قضا کو سنبھالنے والا کوئی نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر صلاحیت رکھتا ہو تو اپنے آپ کو امارت و قضا کے لئے پیش کرنا واجب ہے۔ (۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب العمل فی القضاء والخوف منه“ ص ۳۲۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من جعل قاضیا

بین الناس فقد ذبح بغیر سکین.

تَخْرِیجِ حَدِيثٍ: أخرجه ابو داود فی أوائل کتاب القضاء (باب فی طلب القضاء) وأخرجه ابن ماجہ فی کتاب الأحکام (باب ذکر القضاء) وأخرجه الترمذی فی ابواب الاحکام (باب ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی).

تَرْکِیْبِ حَدِيثٍ: من: حرف شرط۔ جعل: فعل مجہول، ضمیر نائب فاعل۔ قاضیا: مفعول۔ بین الناس: مفعول فیہ، جعل فعل اپنے نائب فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ شرط۔ فاء: جزائیہ۔ قد: حرف تحقیق۔ ذبح: فعل مجہول، ضمیر نائب فاعل۔ باء: حرف جار۔ بغیر سکین: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر ذبح کے متعلق ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا شرک ہے

(۲۵۰) مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ.

ترجمہ: ”جس شخص نے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھائی تو اس نے شرک کا کام کیا۔“

لُعَاتِي: حَلَفَ (ض) حَلْفًا وَحَلْفًا بِمَعْنَى قَسَمَ كَهَانَا، جَمْعُ ”احلاف“.

تفسیر: اللہ ہی ایسے کمال عظمت و جلالت کا مالک ہے اس کے ہی نام سے قسم کھائی جائے، جو غیر اللہ کی قسم کھاتے ہیں مثلاً تمہارے باپ کی قسم! تمہاری اولاد کی قسم! یا تمہارے سر کی قسم! وغیرہ اس شخص نے غیر اللہ کو خدا کے مشابہ قرار دے دیا اس لئے اگر اعتقاد ان کی تعظیم اور عظمت کے ساتھ قسم کھائی ہے تو وہ شرک ہو گیا، اگر اعتقاد نہیں تھا جب بھی صحیح نہیں، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑوں یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں ایک قسم بھی غیر اللہ کی کھاؤں۔ (۱)

ہاں یہ بات الگ ہے کہ کسی قسم کی پہلے سے عادت ہے بغیر ارادہ کے اس کے منہ سے یوں ہی نکل جاتا ہے کہ تمہارے باپ کی قسم! تمہارے بیٹے کی قسم! وغیرہ تو ایسے شخص پر شرک کا حکم نہیں لگایا جائے گا کیونکہ یہ قصداً ایسا نہیں کر رہا ہے مگر تب بھی اس کو احتیاط کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ (۲)

سؤال: خدا تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قرآن میں متعدد جگہوں پر قسم کھائی ہے یہ کیونکر جائز ہوا؟

جواب: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”إِنَّ اللَّهَ يُقْسِمُ بِمَا شَاءَ مِنْ خَلْقِهِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُقْسِمَ إِلَّا بِاللَّهِ“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھالے مگر کسی دوسرے کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔“ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الایمان والنذر“ ص ۲۹۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: من حلف بغير الله فقد اشرك.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب النذور والایمان (فی الباب الذی بعد باب فی کراہیة الحلف باللہ).

ترکیب حدیث: من: حرف شرط۔ حلف: فعل، ضمیر فاعل۔ بغير الله: حلف کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فقد اشرك: جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

مہمان کا اکرام کرنا چاہئے

(۱) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ.

ترجمہ: ”جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کرے یا چپ رہے۔“

لُغَاتُكَ: فَلْيُكْرِمْ: اِكْرَمًا، اَكْرَمَهُ، بِمَعْنَى عَزَّ كَرْنًا، تَعْظِيمَ كَرْنًا، تَكْرَمٌ، بِتَكْلُفِ اِكْرَامِ كَرْنًا۔ لِيَصْمُتْ: صَمَتَ (ن) صَمْتًا وَصُمُوتًا بِمَعْنَى خَامُوشَ رَهْنَا، صَمَتَ، أَصْمَتَ: خَامُوشَ رَهْنَا، خَامُوشَ كَرْنًا۔

تَشْرِیحُ: ”فلیکرم ضیفه“: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مہمان کا اکرام یہ ہے کہ جب وہ آجائے تو اس پر خوشی کا اظہار کرے اور پھر اس کا تین دن تک اکرام کرے پہلے دن اپنی حیثیت کے مطابق اور کچھ تکلف کرے تو اچھا ہے اور پھر دوسرے اور تیسرے دن جو کچھ حاضر ہو اسے حاضر کر دے، تین دن کے بعد جب تک بھی اکرام کرتا ہے تو پھر اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ (۱)

”لا یؤذ جارہ“: اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پڑوسی کے سب سے کم درجہ کو اس جزء میں یہاں فرمایا گیا ہے کہ اس کے ساتھ کچھ احسان نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کو تکلیف تو نہ دو، ایک دوسری روایت میں ”فَلْيُحْسِنَ إِلَى جَارِهِ“ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی ہر ممکن مدد کرے اگر وہ حاجت مند ہو تو اس کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کی جائے اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا تو اس کی مدد کی جائے۔ (۲)

”فلیقُلْ خیراً أَوْ لیصمُتْ“: اس جیسے مضمون کی ایک روایت پہلے گزر چکی ہے ”مَنْ صَمَتَ نَجَا“ خاموش رہنے والا نجات پاتا ہے، بولنے سے پہلے سوچ لے کہ اگر اس بات میں خیر اور ثواب ہے تو اس کو بولے ورنہ اپنی زبان بند رکھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”النَّاسُ بِعُقُولِهِمْ وَعُقُولُهُمْ بِكَلَامِهِمْ“ کہ لوگ اپنی اپنی عقول سے ممتاز ہوتے ہیں، ان کی عقول ان کے کلام سے ظاہر ہوتی ہیں، اس لئے خیر کی بات کہے یا خاموش رہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الضیافۃ“ ص ۳۶۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

والیوم الآخر فلیقل خیرا أو لیصمت وفی روایة بدل الجار ومن کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فلیصل رحمہ.

تَخْرِیجِ حَدِیْثِ: اخرجه البخاری فی کتاب الادب (باب من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فلا یؤذ جاره) و اخرجه مسلم فی کتاب الایمان (باب الحثّ علی اکرام الجار والضعیف ولزوم الصمت) **تَرْکِیْبِ حَدِیْثِ:** من: حرف شرط۔ کان: فعل ناقص، ضمیر اس کا اسم۔ یؤمن: فعل، ضمیر فاعل۔ باء: حرف جار۔ لفظ اللّٰه: معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ الیوم الآخر: موصوف صفت سے مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر مجرور ہو کر یؤمن کے متعلق، پھر یؤمن کان کی خبر، کان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیکرم: فعل فاعل۔ ضیفہ: مفعول، لے کر مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ (آگے کے جملوں کی ترکیب ماقبل کی ترکیب کی طرح ہے) ”من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر“: شرط۔ فلا یؤذ جاره: جزاء۔ من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر: شرط۔ فلیقل خیرا او لیصمت: جزاء۔



عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کرنے پر پوری رات عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے

﴿۱۵۱﴾ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ.

ترجمہ: ”جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے نصف رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا اس نے تمام رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔“
لُعَايِكِ: الْعِشَاءُ: بکسر العین، عشاء کی نماز، نفتح العین رات کا کھانا۔

تَشْرِیْحُ: اس حدیث کے عموماً دو مطلب بیان کئے جاتے ہیں:

اول: یہ کہ جو ظاہری الفاظ حدیث سے مفہوم ہو رہا ہے کہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے والے کو آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے (۱) اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنے والے کو پوری رات نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔
دوم: مطلب بعض علماء نے یہ بیان فرمایا کہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ثواب آدھی رات نماز پڑھنے کے برابر ہے اور پھر جب اس نے فجر کی نماز پڑھ لی تو اب بقیہ آدھی رات نماز کا ثواب بھی اس کو ملا، اب دونوں نمازوں (عشاء فجر) کے باجماعت پڑھنے سے اس کو پوری رات نماز کا ثواب ملا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضائل الصلوٰۃ“ ص ۶۲ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عثمان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلی العشاء فی جماعة فكأنما قام نصف الليل ومن صلی الصبح فی جماعة فكأنما صلی الليل كله.
تَحْرِیْحُ حَدِيثٍ: أخرجه مسلم فی کتاب المساجد (باب فضل الجماعة).

تَرْكِيْبُ حَدِيثٍ: من: شرطیہ۔ صلی: فعل فاعل۔ العشاء: مفعول۔ فی جماعة: صلی کے متعلق، صلی فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ کان: حرف شبه بالفعل۔ ما: کافہ عن العمل۔ قام: فعل فاعل۔ نصف الليل: قام کے لئے مفعول، قام فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔
من صلی الصبح فی جماعة فكأنما صلی الليل كله: یعنی نہ ماقبل کی ترکیب کی طرح ہے۔

(۱) بعض علماء کے نزدیک نماز سے مراد مطلقاً عبادت ہے۔

آدمی کا نسب اس کے کام نہیں آئے گا

﴿۱۵۲﴾ مَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ.

ترجمہ: ”جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا اس کا نسب (قیامت میں) اس کو آگے نہیں لے جائے گا۔“

لُغَاتُكَ: بَطَأَ: بمعنى دیر کرنا، مؤخر کرنا، بَطَاءً (ك) بَطَاءً بَطَاءً، دیر کرنا۔ يَسْرِعُ: بمعنى جلدی کرنا، فِي الْمَشْيِ، جلدی چلنا۔ تَشْرِيحُ: حديث کا مدعا یہ ہے کہ انسان کو آخرت کی کامیابی کے لئے اپنے حسب و نسب پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے تو اب اگر ایک آدمی بلند حسب و نسب والا ہے مگر اعمال صالحہ میں کوتاہی کرتا ہے تو آخرت کے اعتبار سے یہ ناکام ہوگا، بخلاف اس کے کہ آدمی زیادہ حسب و نسب والا تو نہیں مگر اعمال صالحہ کرنے والا ہے تو انشاء اللہ آخرت کے اعتبار سے یہ کامیاب ہوگا کیونکہ انسان کا اللہ کے ساتھ کوئی خونی رشتہ نہیں اگر انسان خدا کے ساتھ تعلق کرنا چاہتا ہے تو تعلق اعمال اور تقویٰ سے ہو سکتا ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ کا خود ارشاد ہے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسی مفہوم کو حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کسی کا لے کو گورے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ، ملا جامی نے اس مضمون کو اس طرح فرمایا ہے ۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ❁ کہ درین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ترجمہ: ”اے جامی! جب تم اس پر عاشق ہو تو اب حسب و نسب کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ اس راستے میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۲ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

وعنه رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله في الدنيا والاخرة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه، ومن سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله به طريقا الى الجنة، وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده ومن بطأ به عمله لم يسرع به نسبه.

تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: اخرجہ ابو داود فی کتاب العلم (باب فضل العلم) و اخرجہ مسلم فی کتاب الذکر والدعاء (باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن و علی الذکر).

تَرْکِیْبِ حَدِیْثٍ: من: حرف شرط۔ بطأ: فعل۔ به: جار مجرور بطأ کے متعلق۔ عملہ: بطأ کا فاعل۔ بطأ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر شرط جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



حاجی گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے

(۱۵۷) مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.

ترجمہ: ”جو شخص اللہ کی رضا مندی کے لئے حج کرے نہ اس میں جماع سے متعلق بات کرے اور نہ ہی برے کام

کرے تو وہ ایسا واپس آتا ہے جیسے کہ جس دن اس کی ماں نے جنا تھا۔“

لُغَاتُكَ: رَفَثٌ: (ن) رَفَثًا (س) رَفَثًا فِي الْكَلَامِ، گندی بات کرنا۔ اسی سے رَفَثٌ آتا ہے، بمعنی جماع کرنا، قال تعالى ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ﴾. فَسُقٌ: (ن. ض. ك) فَسُقًا، وَفُسُوقًا، بمعنی بدکاری کرنا اسی سے فَاسِقٌ آتا ہے۔ اس کی جمع فَسَقَةٌ، فَسَاقٌ آتی ہے۔ وَلَدٌ: (ض) وَلَادَةٌ بمعنی پیدا کرنا، جنا۔

تفسیر: جو شخص اللہ کے لئے حج کرے حج کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہو مثلاً تجارت شہرت وغیرہ تو اس کے لئے اس حدیث میں یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایسے حج کرنے والے کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور گویا کہ وہ آج ہی اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہے بشرطیکہ اپنے آپ کو حج کے ایام میں رفث اور فسق سے بچا کر رکھے۔ علامہ زجاج رحمہ اللہ کے بقول ”رفث“ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو مرد عورت سے چاہتا ہے بعض کہتے ہیں رفث فحش اور بری بات کو کہتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: فسوق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے محرم کو منع کیا گیا ہے وہ چھ چیزیں ہیں:

اول: وطی اور جو وطی کی طرف مائل کریں مثلاً بوسہ وغیرہ۔

دوم: خنکی کا شکار۔

سوم: بالوں کا اور ناخن وغیرہ کا کاٹنا۔

چہارم: بدن یا کپڑے وغیرہ میں عطر کا استعمال، یہ چار چیزیں مرد اور عورت دونوں کے لئے منع ہیں اور دو چیزیں صرف مردوں کے لئے منع ہیں۔

پنجم: سلا ہوا کپڑا اور موزہ پہننا۔

ششم: سر کا ڈھانکنا۔

ان چیزوں سے بچتے ہوئے حاجی حج کرے گا تو پھر اس کے لئے حدیث بالا والی فضیلت ہوگی کہ وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر گھر لوٹے گا جیسے کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب المناسک“ ص ۲۲۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

وعنه رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج لله فلم يرفث ولم

يفسق رجع كيوم ولدته امه.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب المناسک (باب فضل الحج المبرور) واخرجہ مسلم فی کتاب الحج (باب فضل الحج والعمرة).

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: من: اسم شرط۔ حج: فعل فاعل۔ لله: حج کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ فلم یرفت ولم یفسق: ایک دوسرے پر عطف ہو کر شرط۔ رجع: فعل، ضمیر ذوالحال۔ ك: حرف جار۔ يوم: موصوف۔ ولدته: فعل۔ ہ: ضمیر مفعول۔ امه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور ہو کر محذوف کے متعلق ہو کر حال، حال ذوالحال سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



شہادت کی تمنا پر شہید کا ثواب ملتا ہے

﴿۱۵۵﴾ مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الشَّهَادَةَ بِصَدَقٍ بَلَغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ تَوَجَّهَ: ”جو شخص سچے دل سے شہادت کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کے درجہ پر پہنچا دے گا اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی مرا ہو۔“

لُغَاتُ: فِرَاشِهِ: بمعنی بچھونا، بستر، اس کی جمع ”أَفْرِشَةٌ“ وغیرہ آتی ہے، (ن، ض) فَرَشًا، بچھانا۔

تَشْرِیحُ: ”بصدق بلغه الله منازل الشهداء“: طلب صادق کی وجہ سے شہداء جیسا اس کو ثواب ملتا ہے۔ (۱)

علماء کرام فرماتے ہیں: اس کو شہداء کا ثواب اس کی نیت کی بناء پر مل رہا ہے، حدیث میں بھی آتا ہے ”نِيَّةُ الْمَرْءِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ“ آدمی کی نیت اس کے عمل سے بڑھی ہوئی ہے، شہادت کی نیت کے ساتھ مرنے والا اگرچہ بستر پر مر رہا ہے اس کو حکمی شہید کہا جائے گا حقیقی شہید وہ ہوتا ہے جو میدان جنگ میں پایا جائے اس حال میں کہ اس کے جسم پر زخم کے نشانات موجود ہوں مگر یہ بستر پر مرنے والا جو زندگی بھر جہاد میں شرکت کی نیت کرتا رہا مگر اس کو عملی طور پر شرکت کرنے کا موقعہ نہیں ملا تو ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ کی وجہ سے اس کو شہید والا درجہ مل گیا۔

علماء فرماتے ہیں: اس حکمی شہید پر حقیقی شہید والا معاملہ دنیا میں نہیں کیا جائے گا کیونکہ حقیقی شہید کو نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس کے جسم سے خون وغیرہ کو صاف کیا جاتا ہے مگر اس حکمی شہید کو غسل بھی دیا جائے گا جبکہ اس کے ساتھ وہ تمام کام کئے جائیں گے جو ایک عام آدمی کے مرنے پر کیا جاتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الجہاد“ ص ۳۲۰ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سهل بن حنيف رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سأل الله الشهادة بصدق بلغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه.

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الامارة (باب استحباب طلب الشهادة فی سبیل اللہ تعالیٰ).
تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: من: حرف شرط۔ سأل: فعل فاعل۔ لفظ اللہ: مفعول اول۔ الشهادة: مفعول ثانی۔ بصدق: سأل کے متعلق، پھر سأل نعل اپنے فاعل متعلق اور دونوں مفعولوں سے مل کر شرط۔ بلغ: فعل۔ ہ: مفعول۔ لفظ اللہ: فاعل۔ منازل الشهداء: مضاف مضاف الیہ مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعولوں سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ ان: حرف شرط۔ مات: فعل فاعل۔ علی فراشه: مات کے متعلق ہو کر شرط۔ بلغه اللہ منازل الشهداء: جزاء، اس کی جزاء محذوف ہے کیونکہ ما قبل کا یہ جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

اللہ کے راستہ کے لئے گھوڑا پالنے والے کی قیامت کے دن ہر چیز تولی جائے گی

﴿۷۱﴾ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَتَصَدِّقًا بِوَعْدِهِ فَاِنَّ شِبْعَهُ وَرِيَّهَ وَرَوْتَهُ

وَبَوْلَهُ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: ”جس شخص نے اللہ کے راستے کی نیت سے گھوڑا پالا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدے کو سچ جانتے ہوئے تو اس گھوڑے کا چارہ اور پانی اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس شخص کے اعمال کے ساتھ تولی جائے گا۔“

لُغَاتُ: اِحْتَبَسَ: بمعنی قید کرنا، روکنا، لازم اور متعدی دونوں آتا ہے۔ حَبَسَ (ض) حَبَسًا بمعنی قید کرنا، روکنا۔ شِبْعَهُ: اتنا کھانا جس سے پیٹ بھر جائے، شَبْعَ (س) شَبْعًا بمعنی آسودہ ہونا۔ رِيَّهَ: رِيًّا، سیراب ہونا، رَوْتُهُ: بمعنی لید جمع اُرَوَات، رَاثَ (ن) رَوْتًا الفرس، گھوڑے کا لید کرنا۔

تفسیر: ”ایماناً باللہ و تصدیقاً بوعده“: مطلب یہ ہے کہ اس نے جہاد اور دشمنوں سے لڑائی کے لئے جو گھوڑا پالا اس میں اس کی نیت محض اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کی ہو اور جو اللہ نے اس پر وعدہ فرمایا ہے اس پر استحضار ہو۔ (۱)

”شبعه وریہ“: اس سے مراد تمام وہ چیزیں ہیں جس سے جانور اپنا پیٹ بھرتا ہے اور سیراب ہوتا ہے مثلاً گھاس دانہ، بھوسا وغیرہ، حدیث بالا سے معلوم ہوا ان تمام چیزوں کا ثواب قیامت کے دن اس کے اعمال میں لکھا ہوا ہوگا اور پھر اعمال کے ترازو میں اس کو تولی بھی جائے گا۔ (۲) آج تو یہ پیشاب پاخانہ کی شکل میں ہے مگر یہی کل قیامت کے دن ثواب کی شکل میں ملے گا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب اعداد آلة الجہاد“ ص ۳۳۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احتبس فرسا فی سبیل اللہ ایمانا باللہ و تصدیقا بوعده فان شبعه وریہ وروثه و بولہ فی میزانہ یوم القیامۃ.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الجہاد (باب من احتبس فرسا فی سبیل اللہ).

ترکیب حدیث: من: اسم شرط۔ احتبس: فعل، ضمیر ذوالحال۔ فرسا: مفعول۔ فی سبیل اللہ: متعلق احتبس کے۔ ایمانا: مصدر اسم فاعل، ضمیر فاعل۔ باللہ: متعلق ہوا اور پھر یہ معطوف علیہ۔ تصدیقا بوعده: (ما قبل کی ترکیب کی طرح) معطوف،

معطوف معطوف علیہ سے مل کر حال، ذوالحال حال سے مل کر فاعل، اخبس فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ شبعہ وریہ وروثہ و بولہ: ایک دوسرے پر عطف ہو کر ان کا اسم۔ فی: حرف جار۔ میزانه: مضاف مضام الیہ سے مل کر مجرور ہو کر ثابت کے متعلق ہوا۔ یوم القيامة: مفعول ثابت کے لئے، ثابت اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



جس شخص کے بال ہوں وہ ان کو اچھی طرح رکھے

⑤۷ مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمَهُ.

تَرْجَمَةٌ: ”جس شخص کے بال ہوں وہ ان بالوں کو اچھی طرح رکھے۔“

لُغَاتُكَ: شَعْرٌ: بال جمع أَشْعَارُ.

تَشْرِیْحٌ: جب آدمی بال رکھے اور پھر اس کا خیال نہ رکھے تو اس میں گندگی پیدا ہو جائے گی اور پھر اس میں جوں وغیرہ پیدا ہوگی اسی طرح اور بھی اس میں خرابی پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے فرمایا گیا جو بالوں کا خیال رکھ سکتا ہے وہ بال رکھے ورنہ نہ رکھے۔

”فلیکرمہ“: جب بال رکھے تو اس کو دھویا بھی کرے اور تیل بھی لگایا جائے اور کنگھا بھی کرے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اس میں لگا رہے، اس میں بھی شریعت مطہرہ نے اعتدال کرنے کا حکم دیا ہے کہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن تیل لگایا جائے اور اس میں کنگھی کی جائے، افراط و تفریط سے بچے، یہ بھی نہیں کہ آدمی اس کا بالکل خیال ہی چھوڑ دے اور یہ بھی نہیں کہ اس کا خیال چوبیس گھنٹے رکھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جتنا اسلام نے مہذب و شائستہ بنایا ہے اتنا کسی اور مذہب نے نہیں بنایا یہاں تک کہ صفائی کو شریعت نے دین کا جزء بنا دیا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الترجل“ ص ۳۸۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قال: مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمَهُ.

تَخْرِیجٌ حَدِیْثٍ: أخرجه ابو داؤد فی کتاب الترجل (باب فی اصلاح الشعر).

تَرْکِیْبٌ حَدِیْثٍ: مَنْ: اسم شرط۔ کان: فعل۔ لہ: کان کے متعلق۔ شعر: کان کا فاعل، کان اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط۔ فلیکرمہ: فعل فاعل مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(نوع آخر منہ)

اسی جملہ شرطیہ کی دوسری قسم کا بیان ہوگا۔

نیکی اچھی لگے اور برائی بری تو وہ شخص مؤمن ہے۔

﴿۱۵۸﴾ إِذَا سَرَّكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ.

ترجمہ: ”جب تمہاری نیکی تمہیں بھلی لگے اور تمہاری برائی تمہیں بری لگے تو سمجھو کہ تم مؤمن ہو۔“

لُغَاتُكَ: سَرَّكَ: سَرَّ (ن) سُرُورًا وَسُرًّا بمعنی خوش کرنا۔ حَسَنَتُكَ: بمعنی نیکی جمع حسنات۔ سَاءَتْكَ: سَاءَ (ن) سَوْءًا، برا ہونا، سَيِّئَتُكَ: بمعنی برائی، گناہ، جمع سَيِّئَاتٍ.

تشریح: یہ حدیث ایک صحابی کے اس سوال پر کہ ایمان کیا ہے، اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمائی گئی، سائل کا مقصود حقیقت ایمان کے بارے میں سوال کرنا نہیں تھا بلکہ ایمان کی علامات و اشارات کے بارے میں سوال تھا کہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ ہمارے اندر ایمان ہے یا نہیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: إِذَا سَرَّكَ حَسَنَتُكَ الخ کہ جب کوئی نیکی کا کام اللہ کروائے تو دل میں خوشی ہو اور اگر بشریت کے تقاضے پر کوئی کام ایسا سرزد ہو جائے جو شریعت نے منع فرمایا ہے اس کے کرنے کے بعد دل میں اللہ کا خوف آجائے اگر یہ کیفیت وہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے تو سمجھ لے کہ ابھی ایمان موجود ہے کیونکہ ایمان کا ادنیٰ تقاضہ یہی ہے کہ آدمی خیر و شر میں تمیز کرے ورنہ کسی غیر مسلم کے دل میں نہیں آسکتی۔ (۱)

بالفاظ دیگر اس حدیث میں آپ ﷺ نے حالت ایمانی اور حالت کفر کی مثال تندرست اور بیمار آدمی کے ساتھ دی ہے کہ تندرست آدمی کے حواس درست اور صحیح ہوتے ہیں میٹھی چیز کے کھانے کے بعد وہ اس کو میٹھی ہی لگے گی اور اگر بیمار ہے تو میٹھی چیز کھانے کے بعد وہ اس کو کڑوی لگتی ہے اسی طرح سے ایمان والا نیکی اور بدی کا شعور رکھتا ہے کہ یہ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے بخلاف غیر مسلم کے کہ اس کو یہ احساس اور شعور نہیں ہوتا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ اَنَّ رجلاً سأل رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ما الایمان؟ قال: اذا

سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَ تَكْ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ، قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا الْإِثْمُ؟ قَالَ إِذَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ شَيْءٌ فَدَعَهُ.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أَخْرَجَهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ عَنْ أَبِي إِمَامَةَ ٢٥٢/٥.

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: إِذَا: كَلِمَةُ شَرْطٍ - سَرَّتْ: فِعْلٌ - لَكْ: مَفْعُولٌ - حَسَنَتُكَ: فَاعِلٌ، سَرَّتْ فِعْلٌ أَيْضًا فَاعِلٌ أَوْ مَفْعُولٌ سَعَلَ كَرِ
مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ - وَآؤُ: حَرْفُ عَطْفٍ - سَائَتْكَ سَيِّئَتُكَ: مَا قَبْلُ كِي طَرَحِ تَرْكِيبٍ هُوَ كَرِ مَعْطُوفٌ، مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ سَعَلَ كَرِ شَرْطٍ -
فَاءُ: جَزَائِيَّةٌ - أَنْتَ: مُبْتَدَأٌ - مُؤْمِنٌ: خَبَرٌ، مُبْتَدَأُ خَبَرٍ سَعَلَ كَرِ جَزَاءٌ، شَرْطُ جَزَاءٍ سَعَلَ كَرِ جُمْلَةٌ فَعْلِيَّةٌ شَرْطِيَّةٌ هُوَ -



نااہل کے جب کام سپرد ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو

(۱۵۹) إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَىٰ غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.

تَرْجَمَةٌ: ”جب (حکومت وغیرہ) کا کام نااہل کے سپرد ہو جائے تو اس وقت تم قیامت کا انتظار کرو۔“

لُغَاتُكَ: تَوَسَّدَ: الْأَمْرُ، کسی کے ذمہ کوئی کام لگانا۔ السَّاعَةُ: مراد یہاں قیامت ہے۔

تَشْرِیحُ: ”وسد“: عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ لفظ سین کے شد اور تخفیف دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے بمعنی تکیہ اور اعتماد کرنا، چنانچہ جس شخص کے ذمہ کوئی کام لگایا جاتا ہے تو گویا اس شخص پر اعتماد اور تکیہ کیا جاتا ہے۔ (۱)

”الامر“: حکومت، امارت، قضاء وغیرہ۔

”الی غیر اہلہ“: جس شخص کے اندر اس کام کی صلاحیت نہیں جو اس کے سپرد کیا ہے خواہ وہ حکومت کا انتظام ہو یا کوئی اور کام اگر الامر سے مراد حکومت لیا جائے جیسے کہ بعض کی رائے ہے تو اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہلیت نہ ہو تو اس کے دو مطلب ہوں گے:

اول: یہ کہ ان میں اس کی شرائط ہی نہیں ہوں، مثلاً عورتیں، بچے فاسق جہلاء وغیرہ۔

دوم: یہ کہ ان میں صلاحیت اور اہلیت تو ہو مگر وہ اس میں سستی کریں اور پوری ذمہ داری سے کام نہ کریں وہ بھی اس میں داخل ہوں گے، پھر اس کام میں طرح طرح سے خرابیاں پیدا ہو جائیں گی اور پھر لوگوں کے حقوق ضائع ہونے لگیں گے اور پھر ہر طرف پریشانی ہی پریشانی نظر آنے لگے گی۔ (۲)

اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسی پر قیاس کر لو تمام عالی شان کاموں کو مثلاً تدریس، فتویٰ نویسی، امامت، خطابت وغیرہ، جب یہ امور غیر اہل کے سپرد ہو جائیں گے تو پھر قیامت کا انتظار کیا جائے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب اشراط الساعة“ ص ۴۶۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: بينما النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْدُثُ إِذْ جَاءَ اِعْرَابِي فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ: كَيْفَ اضْطَاعَتْهَا؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَىٰ غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاري في كتاب الصوم (باب من سئل علما وهو مشغول في حديثه فأتم الحديث ثم اجاب السائل)

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: اذا: کلمہ شرط۔ وسد: فعل مجہول۔ الامر: نائب فاعل۔ الی: حرف جار۔ غیر اہلہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر ”الی“ کے مجرور ہو کر وسد کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ انتظر: فعل، ضمیر فاعل۔ الساعة: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

کسی ایک کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کرنا منع ہے

﴿۲۱﴾ إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الْآخَرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ مِنْ أَجْلِ أَنْ يَحْزَنَهُ. تَرْجَمَهُ: ”جب تم تین ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ لوگوں میں مل جاؤ، ان دونوں کا یہ فعل اس تیسرے آدمی کو رنج نہ پہنچائے۔“

لُغَاتِي: يَتَنَاجَى: الْقَوْمِ. سرگوشی کرنا؛ قَالَ تَعَالَى ﴿فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْأَلْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾. تَخْتَلِطُوا: مَلْنَا، خَلَطَ (ض) خَلَطًا، خَلَطَ مَلَانًا- يَحْزَنُهُ: حَزِنَ (س) حَزَنًا عَلَيْهِ، غَمَّكَيْنَ هَوْنًا، جَمَعَ حُزْنَآءَ وَحَزَانًا آتَى هُـ۔
تَفْسِيرُ مِج: اس پاک ارشاد کا مطلب علماء یہ فرماتے ہیں کہ: جب کسی مجلس میں تین آدمی ہوں اور پھر ان میں سے دو آپس میں کانا پھوسی شروع کر دیں تو تیسرا آدمی ان کا منہ دیکھتا رہے گا اور اس کے دل میں مختلف قسم کے خیالات پیدا ہوں گے معلوم نہیں یہ میرے خلاف کیا کیا منصوبے بنا رہے ہیں ^(۱) اور اس کے دل میں یہ خیال بھی شیطان ڈالے گا کہ میرے خلاف ہی بات کر رہے ہیں اسی وجہ سے آہستہ آہستہ کر رہے ہیں اگر میرے خلاف نہ ہوتی تو پھر یہ زور سے کرتے۔ ^(۲) اور اگر مجلس میں کئی آدمی ہوں اور پھر ان میں بعض آپس میں باتیں کریں تو اب اس وعید میں وہ لوگ داخل نہیں ہوں گے ^(۳) کیونکہ اس صورت میں کسی کی دل شکنی نہیں ہوگی۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب مجلس میں تین آدمی موجود ہوں اور دو آپس میں باتیں کریں تیسرے کو چھوڑ کر اسی طرح جب چار آدمیوں میں سے تین آپس میں سرگوشی کریں چوتھے کو چھوڑ کر یہ بھی نہی تحریمی ہوگی، قاعدہ یہ ہوا جتنے بھی آدمی مجلس میں ہوں تو ان میں ایک کو چھوڑ کر باقی آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کریں یہ منع ہے ہاں اگر ان باقی لوگوں نے اجازت دے دی ہو تو پھر جائز ہے۔ ^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ“ ص ۴۲۲ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:
عن عبد الله ابن مسعود رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا كنتم ثلاثة فلا يتناجى اثنان دون الآخر حتى تختلطوا بالناس من أجل أن يحزنه.
تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب السَّلام (باب تحریم مناجاة الاثنين دون الثالث بغير رضا)
رواہ البخاری فی کتاب الاستیذان (باب اذا كانوا اكثر من ثلاثة فلا بأس بالمساراة والمناجاة).

ترکیبِ چَدِ نِیْت: اذا: کلمہ شرط۔ کنتم: فعل ناقص، ضمیر اس کا اسم۔ ثلثہ: اس کی خبر، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لا یتناجی: فعل۔ اثنان: فاعل۔ دون الاخر: مفعول۔ حتی: حرف جارہ۔ تختلطوا: فعل، ضمیر فاعل۔ بالناس: فعل کے متعلق۔ فعل فاعل اور متعلق سے مل کر حتیٰ کا مجرور ہو کر یتناجی فعل کا متعلق اول من: حرف جار۔ اجل: مضاف۔ ان یحزنہ: فعل فاعل مفعول سے مل کر یتاویل مضاف الیہ ہوا، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر یتناجی فعل کے متعلق ثانی، لا یتناجی فعل اپنے فاعل مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



آدمی کی موت جہاں مقدر ہے وہ وہاں ہی مرتا ہے

(۲۶۱) إِذَا قَضَى اللَّهُ بَعْدُ أَنْ يَمُوتَ بَارِضٌ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً.

ترجمہ: ”جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی موت کو کسی زمین میں مقدر کرتا ہے تو اس زمین کی طرف اس کی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔“

لُغَاتُكَ: بَارِضٌ: بمعنی زمین جمع اراضی آئی ہے۔

تشریح: انسان کی موت بھی مقدرات میں سے ہے آدمی کو یہ بات معلوم نہیں کہ جہاں یہ اپنی زندگی گزار رہا ہے اسی جگہ اس کو موت آئے گی یا کسی اور جگہ اس کی قبر بنے گی، سورۃ لقمان کی آخری آیت میں اس کو فرمایا ہے:

﴿وَمَا تَذَرُ نَفْسٌ بَايَ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾

ترجمہ: ”اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا“، جہاں موت مقدر ہوتی ہے آدمی کسی بہانے سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ (۱)

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک آدمی بیٹھا تھا اتنے میں حضرت عزرائیل بھی وہاں آ گئے اس شخص کو حضرت عزرائیل بہت غور سے دیکھنے کے بعد چلے گئے، ان کے چلے جانے کے بعد اس شخص نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے معلوم کیا کہ یہ کون تھے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ عزرائیل تھے، اس پر اس شخص نے کہا کہ انہوں نے مجھے بہت غور سے دیکھا ہے مجھ کو ڈر لگ رہا ہے مجھے فلاں جگہ پہنچا دو، وہاں اس شخص کو پہنچا دیا گیا، جب حضرت عزرائیل حاضر ہوئے تو پوچھا کہ وہ آدمی کہاں گیا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پورا قصہ سنایا، اس پر حضرت عزرائیل نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا تھا لیکن جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ تو یہاں ہے مگر جب میں اس جگہ پر پہنچا جہاں اس کی روح قبض کرنے کا حکم تھا تو دیکھا کہ وہ وہاں موجود ہے، چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ آدمی کسی نہ کسی بہانے سے اپنی موت کی جگہ پر پہنچ جاتا ہے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الایمان بالقدر“ ص ۲۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن مطر ابن عکاس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا قضی اللہ بعد ان یموت بارض جعل له الیها حاجة.

تحفہ حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب القدر (باب ماجاء ان النفس تموت حيث ما كتب له وقال الترمذی: هذا حدیث غریب).

تَرْكِيبِ جَوَائِزِ: اذا: كلمہ شرط۔ قضی: فعل۔ لفظ اللہ: فاعل۔ بعید: قضی کے متعلق۔ ان: مصدریہ۔ یموت: فعل، ضمیر فاعل۔ بارض: یموت کے متعلق، یموت فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط۔ جعل: فعل ضمیر فاعل۔ لہ: متعلق اول۔ الیہا: متعلق ثانی۔ حاجۃ: مفعول، فعل اپنے فاعل مفعول اور محققوں سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔



شور بہ میں پانی ڈال کر ہمسایہ کا خیال رکھو

(۳۷) إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ.

ترجمہ: ”جب تم شور بہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے ہمسایہ کا خیال رکھو۔“

لُغَاتُكَ: طَبَخَ (ف، ن) طَبَخًا، پکانا، اسی سے مطبخ آتا ہے، باورچی خانہ۔ مَرَقَةٌ: شور بہ، مَرَقَ (ن، ض) مَرِقَ الْقَدْر، شور باز زیادہ کرنا۔ تَعَاهَدَ: ایک دوسرے سے معاہدہ کرنا، عہد کی تجدید کرنا۔

تَفْصِيلُ مَعْنَى: اس حدیث میں پڑوسی کی اہمیت کو عجیب انداز سے بیان کیا جا رہا ہے کہ جو چیز تمہارے پاس ہو اس میں اپنے پڑوسی کا بھی حصہ رکھنا چاہئے یہاں تک کہ جب تم کھانا پکاؤ اور خاص کر کے جب تم کو یہ بات معلوم بھی ہو کہ آج پڑوسی کے یہاں کھانا کھانے کو نہیں تو اس وقت اپنی خواہش اور لذت کو چھوڑ کر اپنے پڑوسی کی ضرورت کا خیال رکھو، اس کی صورت حدیث بالا میں اس طرح بیان فرمائی گئی کہ سالن میں پانی بڑھا دو تا کہ شور بہ زیادہ ہو جائے اور پھر اس کو اپنے پڑوسی کو دے دو، (۱) یہ کام عموماً عورتوں کا ہوتا ہے وہ معمولی چیزوں کو دوسرے کے یہاں بھیجنے کو حقیر سمجھتی ہیں اس لئے بخاری میں ان عورتوں کو مخاطب فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عورتو! تم میں سے کوئی عورت دوسری عورت (کے ہدیہ کو) کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) اور صلہ رحمی میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں پڑوسی ہونے میں سب برابر ہیں جیسے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بکری ذبح کرائی اور اپنے غلام کو فرمایا کہ سب سے پہلے اس کا گوشت پڑوسی کو دیں جب کہا گیا کہ وہ تو یہودی ہے تو فرمایا کہ یہودی ہے تو کیا ہوا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب افضل الصدقة“ ص ۱۷۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طبخت مرققة فأكثر ماء

ها وتعاهد جيرانك.

تَفْصِيلُ مَعْنَى حَدِيثٍ: اخرجه مسلم في كتاب البر والصلة (باب الوصية بالجار والاحسان اليه)

تَرْكِيبُ حَدِيثٍ: اذا: كلمه شرط۔ طبخت: فعل، ضمير فاعل۔ مرققة: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیه۔ اكثر: فعل، ضمير فاعل۔ ماءها: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ۔ تعاہد جیرانك: ترکیب سابق ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ بن کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

شرافت کے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے

(۳۳) إِذَا لَبَسْتُمْ وَادَا تَوَضَّأْتُمْ فَأَبْدَأُوا بِمِائِمِنِكُمْ.

ترجمہ: ”جب تم کچھ پہنویا وضو کرو تو اپنے دائیں طرف سے شروع کرو۔“

لُغَاتُ: تَوَضَّأْتُمْ: بِالماءِ: وضو کرنا، وَضُوْ (ك) وَضُوْا، پاکیزہ ہونا۔ مِائِمِنٌ: جمع مِئْمَنَةٍ کی بمعنی داہنی جانب۔

تشریح: علماء نے ان جیسی روایات سے ایک قانون بنایا ہے وہ یہ کہ ہر وہ چیز جو از قبیل شرف و بزرگی ہو اس کو دائیں طرف سے اور جو چیز بزرگی کے قبیل سے نہ ہو اس کو بائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے، یہی بات آپ کے عمل میں بھی ملتی ہے:

”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَّامُنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ“

ترجمہ: نبی کریم ﷺ دائیں طرف سے شروع کرنے کو حد ممکن پسند فرماتے تھے شان والی چیزوں میں طہارت میں کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں۔

جو شرافت کے قبیل میں سے نہیں اس کو بائیں طرف سے شروع کیا جائے گا مثلاً بیت الخلاء میں جانا، بازار جانا، مسجد سے باہر نکلنا، کپڑا اتارنا، جوتے اتارنا وغیرہ، ان چیزوں کو بائیں طرف سے اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ دائیں طرف کی تکریم و احترام ہو جائے مثال کے طور سے مسجد سے نکلنے وقت جب اس نے بایاں پاؤں کو پہلے نکالا تو اب دائیں پاؤں کی تعظیم و تکریم ہوئی کہ وہ کچھ دیر شرف والی جگہ پر رہا^(۱) اسی طرح علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دائیں طرف والی چیز میں فضیلت ہوگی وہ ہمسایہ جو دائیں طرف والا ہے وہ بائیں طرف والے سے مقدم ہوگا اسی طرح وہ فرشتہ جو دائیں کندھے والا ہے وہ بائیں کندھے والے فرشتے پر فوقیت رکھے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب سنن الوضوء“ ص ۴۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا لبستم وادّا تَوَضَّأْتُمْ فَأَبْدَأُوا بِمِائِمِنِكُمْ.

تخریج حدیث: اخرجہ ابو داؤد فی کتاب اللباس (باب فی النعال).

ترکیب حدیث: اذّا: کلمہ شرط۔ لبستم: فعل، ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر مطعوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔

توضات: معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ ابدؤا: فعل، ضمیر فاعل۔ بمِائِمِنِکم: باء: حرف جار۔

مِائِمِنِکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر ابدؤا کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

وضو میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خیال رکھنا چاہئے

﴿۲۶﴾ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ.

ترجمہ: ”جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خیال کرو۔“

لُغَاتُ: فَخَلِّلْ: امر کا صیغہ ہے، خَلَّلَ الْأَسْنَانَ، خلال کرنا، خَلَّ (ن) خَلَّلاً بمعنی سوراخ کرنا۔ أَصَابِعُ: جمع ہے اصبع کی بمعنی انگلی۔

تشریح: وضو میں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خیال بھی کرنا چاہئے، اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جن لوگوں کی انگلیاں آپس میں جدا جدا اور کشادہ ہوں اور پانی بغیر تکلف کے اس میں پہنچ جاتا ہو تو اس وقت یہ خیال کرنا سنت ہوگا اور اگر انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں اور پانی بغیر تکلف کے ان میں نہیں پہنچتا تو اس صورت میں خیال واجب اور فرض ہوگا اور یہی تفصیل کتب شوافع میں بھی ہے۔

ہاتھ کی انگلیوں کا خیال کرنے کا طریقہ: دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اوپر کی طرف کھینچے۔

پاؤں کی انگلیوں کا خیال کرنے کا طریقہ: بائیں ہاتھ کی پھنگی کو دائیں پاؤں کی چھنگلی کے نیچے کی طرف سے داخل کر کے اوپر کی طرف خیال کرے اور ختم بائیں پاؤں کی چھنگلی پر کرے۔

ہاتھ کی انگلیوں کا خیال تو ہاتھوں کو دھونے کے بعد کرنا چاہئے اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کا خیال پاؤں کے دھونے کے بعد کرنا چاہئے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب سنن الوضوء“ ص ۴۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ.

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب الطہارة (باب فی تخلیل الاصابع) وقال هذا الحدیث حسن غریب).

ترکیب حدیث: اذا: کلمہ شرط۔ تَوَضَّأْتَ: فعل اپنے ضمیر فاعل سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ فَخَلِّلْ: فعل امر، ضمیر فاعل۔ اصابع مضاف یدیک: مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ واو: حرف عطف۔ رِجْلَيْكَ: معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر اصابع کا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فخلل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

کھانا کھاتے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں

(۶۵) إِذَا وَضَعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوا نِعَالَكُمْ فَإِنَّهُ أَرَوْحُ لَا قَدَامَكُمْ.

ترجمہ: ”جب تمہارے سامنے کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو ایسا کرنا تمہارے پیروں کے لئے راحت کا باعث ہوگا۔“

لُغَاتُكَ: فَاخْلَعُوا: خَلَعَ (ف) خَلَعَ الشَّيْءُ، اتارنا، قال تعالى: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ نِعَالُ: جمع نعل کی بمعنی جوتا، چپل۔ أَرَوْحُ: رَاحَ (ف) رَاحَةً بمعنی آرام پہنچانا، راحت بخشنا۔

تشریح: حضور اقدس ﷺ کو حق تعالیٰ شانہ نے نہ صرف تمام انسانیت کے دینی امور کے لئے رہبر و معلم بنایا بلکہ آپ ﷺ کو تمام انسانیت کی زندگی کے تمام امور جو واقع ہونے والے ہیں ان کا بھی رہبر و معلم بنایا ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کسی یہودی نے کہا کہ تمہارے نبی تم کو تمام چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں حتیٰ کہ فراغت کا طریقہ بھی؟ تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں! یعنی کہ آپ تو ہم کو تمام امور تعلیم فرماتے ہیں ان میں یہ بھی۔ (۱)

مذکورہ بالا حدیث میں حضور ﷺ نے کھانے کا ایک ادب تعلیم فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ اس طرح تمہیں راحت پہنچے گی، مشکوٰۃ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے (۲) ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ کھانا کھانے میں سب سے زیادہ نافع طریقہ ہے اس لئے کہ ایک یا دو انگلیوں سے کھانا کھانے میں کھانے والے کو نہ لذت ملتی ہے نہ خوشگوار معلوم ہوتا ہے نہ ہی آسودگی پیدا ہوتی ہے۔ (۳)

آپ ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ کھانا کھانے کے بعد پانی پینے کو منع فرمایا کرتے تھے کہ یہ مضر ہضم ہے۔ (۴) آپ ﷺ رات کو کھانے کا حکم فرماتے تھے خواہ ایک مشمت چھوہارے ہی کیوں نہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ شام کے وقت کا کھانا چھوڑ دینا بڑھاپے کو دعوت دیتا ہے (۵) نیز آپ کھانا کھاتے ہی سونے کو منع فرماتے تھے کہ اس سے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ اطباء نے کہا کہ جو شخص صحت کا خواہاں ہو وہ کھانے کے بعد چند قدم چلا کرے خواہ سو ہی قدم ہوں اور مسلمان اطباء کا کہنا ہے کہ کھانے کے بعد چند رکعات پڑھ لے کہ غذا امعدہ تک پہنچ جائے اور بہ آسانی ہضم ہو جائے۔ (۶)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاطعمۃ“ ص ۳۶۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

(۱) ترمذی ۴/۱ (۲) مشکوٰۃ ۳۶۳ (۳) طب نبوی ۴۲۲ (۴) معراج النبوة بحوالہ اسوۃ رسول اکرم ۱۳۵ و طب نبوی ۴۲۲۔ (۵) طب نبوی ۴۲۳ (۶) طب نبوی ۴۲۳

وعنه رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا وضع الطعام فاخلعوا نعالكم فانه ارواح لاقدامكم.

تخریج حدیث: اخرجہ الدارمی ۲/۳۴ فی کتاب الاطعمة (باب فی خلع النعال عند الاكل).
ترکیب حدیث: اذا: کلمہ شرط۔ وضع: فعل مجہول۔ الطعام: نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاخلعوا: فاء: جزائیہ۔ اخلعوا: فعل، ضمیر فاعل۔ نعالکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معلل۔ فاء: تعلیلیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ه: اس کا اسم۔ ارواح: اسم تفضیل، ضمیر فاعل۔ لام: حرف جار۔ اقدامکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر ارواح کے متعلق، ارواح اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر ان کی خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ بن کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔



آدمی جب بے حیا ہو جائے تو جو جی چاہے کرے

﴿۳۱﴾ اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ.

تَرْجَمَةً: ”جب تم بے شرم ہو جاؤ تو جو جی چاہے کرو۔“

لُغَاتٌ: اِسْتَحْيَا: اِسْتَحْيَا مِنْهُ، شَرَمَ كَرْنَا، بَارَهْنَا، ”حَيَّاكَ اللّٰهُ“ بمعنی سلام کرنا۔ فَاصْنَعْ: صَنَعَ (ف) صَنَعًا الشَّيْءَ، بَنَانًا۔

تَشْرِیح: یہ حدیث بہت ہی اہمیت کی حامل ہے اس وجہ سے محدثین نے اس پر طویل بحث فرمائی ہے۔ مختصر یہ کہ لفظ فاصنع یہ امر کا صیغہ ہے یہاں امر طلب کے معنی کے بجائے خبر کے معنی میں ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ برے کاموں سے روکنے والی چیز حیا ہے جب انسان میں حیا و شرم نہیں تو اب جو چاہے کرے، بعض علماء فرماتے ہیں: امر کا صیغہ تہدید اور دھمکی کے لئے ہے مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ جب حیا نہیں تو اب جو چاہے ہو کر و آخر سر ابھگنتی پڑے گی۔ (۱)

ابو اسحاق المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بطور اصول کلی کے ہے وہ اصول یہ ہے کہ ہر وہ کام جس میں آدمی کو شبہ ہو کہ اس میں کوئی نص وارد ہوئی ہے یا نہیں تو اب اگر اس کام کو کرتے وقت اس کو شرم و حیا ہوتی ہے تو اس کام کو نہ کرے اور اگر شرم و حیا نہ ہوتی ہو تو کر لے۔ (۲)

علامہ نووی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ: اگر تم کو کسی کام کے کرنے کے وقت اللہ اور لوگوں سے شرم و حیا آ رہی ہو تو اس کو مت کرو ورنہ اس کام کو کر لو۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرفق والحیاء وحسن الخلق“ ص ۴۳۱ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انّ ممّا أدرك النّاس من کلام النّبوة الأولى اذا لم تستحی فاصنع ما شئت.

تَخْرِیج حَدِيثٍ: اخرجہ ابو داود فی کتاب الأدب (باب فی الحیاء) واخرجہ البخاری فی کتاب الأدب (باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت).

تَرْکِیْبٌ حَدِيثٍ: اذا: کلمہ شرط۔ لم تستحی: فعل اپنے ضمیر فاعل سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ اصنع: فعل، ضمیر فاعل۔ ما: موصولہ۔ شئت: فعل، ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر صلہ موصولہ سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

کھانا داہنے ہاتھ سے کھانا چاہئے

(۱۷) إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ.

ترجمہ: ”جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنے داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب تم میں سے کوئی

پیئے تو اپنے داہنے سے پیئے۔“

لُغَاتُ: بِيَمِينِهِ: الْيَمِينُ، داہنا ہاتھ، جَمْعُ أَيْمَنْ، أَيْمَانٌ، أَيْامِينَ.

تشریح: حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھانا اور پینا واجب ہے، بعض علماء کا یہی مسلک ہے، اس مسلک کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس پر اس شخص نے کہا کہ میں اس پر قدرت نہیں رکھتا (یہ بات اس نے از روئے تکبر کہی تھی اس کا ہاتھ بالکل صحیح تھا) اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کرے تجھے داہنے ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہ رہے۔ اس کے بعد سے وہ کبھی بھی اپنے داہنے ہاتھ کو منہ تک نہ اٹھا سکا ^(۱) اس وجہ کی تائید طبرانی کی اس روایت سے بھی ہوئی جس میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو اس کو بدعا فرمائی اس کے بعد وہ طاعون میں مبتلا ہو کر مرا۔ ^(۲)

اگرچہ جمہور علماء وجوب کے قائل نہیں اور ان روایات کو وہ زجر اور مصالح شریعت پر محمول کرتے ہیں مگر خلاصہ یہ کہ بائیں ہاتھ سے کھانے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سخت سے سخت ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاطعمة“ ص ۳۶۳ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا أكل أحدكم فليأكل بيمينه واذا شرب فليشرب بيمينه.

تخریج حدیث: أخرجه مسلم فی کتاب الاشربة (باب آداب الطعام والشراب واحكامها).
ترکیب حدیث: اذا: کلمہ شرط۔ اکل: فعل۔ احدکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیاکل: فعل، ضمیر فاعل۔ باء: حرف جار۔ یمینہ: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر لیاکل کے متعلق، لیاکل فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ اذا شرب فلیشرب بيمينه: اس کی ترکیب بھی سابق جملہ کی طرح ہے۔

مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت پڑھنی چاہئے

﴿۲۸﴾ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ.

تَرْجَمَةٌ: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے۔“

لُغَاتُكَ: فَلْيَرْكَعْ: (امر غائب) رَكَعَ (ف) رَكَعًا وَرُكُوعًا بمعنی سر جھکانا، رکوع کرنا۔

تَشْرِیْحٌ: جب بھی آدمی اللہ کے گھر (یعنی مسجد) میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ سب سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے اللہ کے گھر کی عظمت کی وجہ سے۔ (۱) اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ یہ تحیۃ المسجد واجب ہے یا مستحب، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث بالا جیسی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ واجب ہے کیونکہ یہ لفظ فلیرکع امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب کے لئے آتا ہے، مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ نماز مستحب ہے، حدیث بالا کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگرچہ یہاں پر امر کا صیغہ ہے اکثر جگہ پر امر کا صیغہ استحباب کے لئے استعمال ہوتا ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ (۲) خلاصہ یہ کہ آدمی جب بھی مسجد میں داخل ہو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ لے پھر دوسرے کاموں میں مشغول ہو بشرطیکہ وہ اوقات مکروہ میں سے نہ ہوں۔ (۳)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بعض لوگ پہلے مسجد میں آنے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں پھر تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں اس کو وہ سنت سمجھتے ہیں یہ غلط ہے اس کی کوئی اصل نہیں (۴) اور حدیث بالا سے بھی اس کی تردید ہو رہی ہے، اگر مکروہ وقت ہو تو پھر چار مرتبہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ اور بعضوں کے نزدیک ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ بھی ہے۔ یہ پڑھنا دو رکعت کے برابر ہو جائے گا۔ (۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساجد ومواضع الصلوة“ ص ۶۸ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:
عن أبي قتادة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس.

تَخْرِیجٌ حَدِيثٌ: أخرجه البخاری فی کتاب الصلوة (باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس) وأخرجه مسلم فی کتاب صلوة المسافر وقصرها (باب استحباب تحية المسجد بركعتين).
تَرْكِيبٌ حَدِيثٌ: إذا: كلمه شرط۔ دخل: فعل۔ أحدكم: مضاف مضاف الیه سے مل کر فاعل۔ المسجد: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط۔ فاء: جزائیہ۔ لیرکع: فعل امر، ضمیر فاعل۔ ركعتين: مفعول۔ قبل: مضاف۔ ان: مصدر یہ۔ يجلس: فعل، ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

جس کام میں شرافت نہ ہو اس کو بائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے

﴿۲۸﴾ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلَیْبِدْ بِالْیَمَنِ وَإِذَا نَزَعَ فَلَیْبِدْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْیَمْنُیْ
أَوَّلَهُمَا تَنْعَلُ وَآخِرُهُمَا تُنْزَعُ.

تَرْجَمَہ: ”جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو اس کو چاہئے کہ دائیں طرف سے ابتداء کرے اور جب اتارے تو چاہئے کہ بائیں طرف سے ابتداء کرے تاکہ ہو جائے دایاں پہننے کے اعتبار سے پہلے اور اتارنے کے اعتبار سے آخری۔“

لُغَاتِی: اِنْتَعَلَ: نَعَلَ (س) نَعْلًا، جوتا پہننا۔ نَزَعَ: نَزَعَ (ف) نَزْعًا بمعنی نکالنا۔ بِالشِّمَالِ: بایاں ہاتھ جمع اَشْمُلُ، شَمْلٌ.

تَشْرِیْحُ: اس حدیث میں ایک ضابطہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ عمل جو شان والا ہو اس کو دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے اور جو کام شرف و عظمت والا نہ ہو اس کو بائیں طرف سے شروع کیا جائے، اس حدیث بالا میں ایک مثال دی گئی ہے کہ جب آدمی جوتا پہنے تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنے کیونکہ جوتا بھی انسان کو ایذا وغیرہ سے بچاتا ہے، اتارتے وقت بائیں پاؤں سے پہلے اتارے تاکہ دائیں پاؤں میں جوتا بائیں پاؤں سے زیادہ دیر رہے اس میں دائیں پاؤں کی تعظیم ہو جائے گی۔ (۱)
اس کے عکس کی مثال جب آدمی بیت الخلاء میں داخل ہو تو پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے اور پھر جب نکلے تو پہلے دایاں پاؤں باہر نکالے، تو بائیں پاؤں کے بہ نسبت دائیں پاؤں کو فضیلت حاصل ہے لہذا اس کی تکریم و تعظیم کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب النعال“ ص ۳۷۹-۳۸۰ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا انتعل احدکم فلیبدأ بالیمنی واذا نزع فلیبدأ بالشمال لتکن الیمنی اولہما تنعل وَاخِرُهُمَا تُنْزَعُ.
تَخْرِیجُ حَدِیْثِ: اخرجہ البخاری فی کتاب اللباس (باب ینزع النعل الیسری) اخرجہ مسلم فی کتاب اللباس والزینۃ (باب استحباب لبس النعال فی الیمنی اولاً).

تَرْکِیْبُ حَدِیْثِ: اذا: کلمہ شرط۔ انتعل: فعل۔ احدکم: مضاف مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء: جزاء۔ یداء: فعل امر، ضمیر فاعل۔ بالیمنی: متعلق لیداً کے، پھر فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء،

شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اذا نزع فلیبدأ بالشمال: یعنیہ او پروالی ترکیب ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر معلل۔ لتکن: فعل امر ناقص۔ الیمنی: اس کا اسم۔ اولہا: مضاف مضاف الیہ سے مل کر ذوالحال۔ تنعل: فعل مجہول اپنے ضمیر نائب فاعل سے مل کر حال، حال ذوالحال سے مل کر معطوف علیہ۔ واؤ: حرف عطف۔ آخر ہما: (بترکیب سابق) معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر تعلیل، معلل اپنے تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔



مریض کو تسلی دینا چاہئے

(۱۷۱) إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفْسُوا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيَطِيبُ بِنَفْسِهِ. تَرْجَمَةً: ”تم جب مریض کے پاس جاؤ تو اس کی موت کے بارے میں اس کا غم دور کرو یعنی اس کو تسلی دو اگرچہ یہ کسی چیز کو نال تو نہیں سکتا مگر مریض کا دل خوش ہو جائے گا۔“

لُغَاتِي: فَنَفْسُوا: نَفَسَ، تَنَفَّسَ عَنْهُ الْكُرْبَةُ، غَمٌ دُور كَرْنَا، غَمٌ سَے رِهَائِي دِينَا، نَفْسُهُ فِي الْأَمْرِ، تَرْغِيبٌ دِينَا۔ أَجَلٌ: مَدَت، وَقْتُ، مَوْتُ، جَمْعُ أَجَالٍ آتِي هُوَ۔ يَطِيبُ: طَابَ (ض) طَيِّبًا بِمَعْنَى اِجْمَا هُونَا، طَابَتِ النَّفْسُ، دَلْ خُوشْ هُونَا۔ تَشْرِيحٌ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ: جب آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے اگرچہ بیمار کی حالت مایوس کن ہو اور یہ بات معلوم بھی ہو کہ اب اس کا زندہ رہنا بہت مشکل ہے اس کے باوجود اس کو امید اور اس کو خوش کرنے والا جواب دیں کہ انشاء اللہ آپ عنقریب صحیح ہو جائیں گے جیسے کہ حدیث بالا میں بھی فرمایا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے شامل میں بھی یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ جب آپ ﷺ کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کا حال معلوم فرماتے اور پھر اس کے لئے صحت کی دعا فرماتے:

”اللَّهُمَّ اَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِهِ وَاَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا“ (۱)
تَرْجَمَةً: ”اے اللہ! اس کی تکلیف کو دور فرما اے انسانوں کے رب! اس کو شفا عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے سوا کسی سے شفا کی توقع نہیں ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری کا نام و نشان نہ رہے۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب عیادة المریض“ ص ۱۳۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا دخلتم علی المریض فنفسوا له فی أجله فان ذلك لا یرد شیئا ویطیب بنفسه.

تَخْرِیجٌ حَدِیْثٌ: اخرجه ابن ماجة فی کتاب الجنائز (باب ماجاء فی عیادة المریض) رواه الترمذی ایضاً۔
تَرْكِيبٌ حَدِیْثٌ: اذا: کلمہ شرط۔ دخلتم: فعل، ضمیر فاعل۔ علی المریض: دخلتم کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔
فاء: جزائیہ۔ نفسوا: فعل امر، ضمیر فاعل۔ له: فعل کے متعلق۔ فی: حرف جار۔ أجله: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر فعل کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل۔ فاء: تعلیلیہ۔ ان: حرف مشبہ بالفعل۔ ذلك: اسم ان۔ لا یرد: فعل، ضمیر فاعل۔ شیئا: مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واو: حرف عطف۔ یطیب: فعل، ضمیر فاعل۔ باء: حرف جار۔ نفسه: مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہو کر یطیب کے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر ان، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

ذکر بعض المغیبات الّتی أخبر بها النّبی وظهرت بعد وفاته صلوات
اللّٰہ تعالیٰ و سلامہ علیہ

کچھ پیشگوئیوں کا بیان جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں
دی اور آپ کی وفات کے بعد وہ پائی گئیں۔

ایک جماعت حق پر قیامت تک جمی رہے گی

(۷۷) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَيِّدُ الصَّادِقِينَ: لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ
اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ.

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کہ بچوں کے سردار ہیں کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت اللہ کے دین
اور اس کے حکم کو دوسروں تک پہنچانے والی موجود رہے گی ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا جس نے ان کی نصرت نہیں
کی یا ان کی مخالفت کی یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت) آجائے وہ اسی حالت میں ہوں گے۔“

لُغَاتُ: سَيِّدٌ: بمعنی سردار جمع أَسْيَاد، سَادَةٌ، سَيَّادٌ، آتِي، سَادَ (ن) سَيَادَةٌ قومہ، سردار ہونا۔

أَمْرٌ: مراد دین کا معاملہ، جمع أُمُور ہے۔ يَضُرُّهُمْ: ضَرَّ (ن) ضَرًّا، نقصان پہنچانا۔ خَذَلَهُمْ: خَذَلَ (ن) خَذَلًا
وَحَذَلَانًا، مدد چھوڑنا، مدد نہ کرنا۔

تَشْرِيحٌ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین ایسے صلحاء سے کبھی خالی نہیں ہوگی جو احکامات شرعیہ پر چلنے والے اور اس
پر لوگوں کو کھینچ کر لانے والے ہوں، قرآن میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے ﴿وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلائی رہے نیک کام کی طرف
اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے، یہ اسلام کی بقاء اور سر بلندی کے لئے سرگرم رہیں گے خواہ مدد و اعانت
کرنے والے ان کی مدد و اعانت کریں یا مخالفت پر کمر بستہ لوگ ان کی مخالفت کریں۔ (۱)

”حتیٰ یأتی أمر اللّٰہ“: یہاں تک کہ قیامت آجائے، یہ جماعت کون سی ہوگی؟ اس میں محدثین کرام رحمہم اللہ کے چند

اقوال ہیں۔

پہلا قول: مثلاً اہل علم کی جماعت جو حدیث کی تعلیم اور دینی علوم کی تدریس اور سنت کو رواج دینے اور دین کی تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والی ہوگی۔^(۱)

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد روئے زمین سے اہل اسلام کی شوکت و عظمت کبھی فناء نہیں ہوگی کسی نہ کسی جگہ اسلام کا بول بالا ضرور ہوگا۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ غازیان اسلام کی جماعت ہے جو کہ جہاد کر کے دین کو سر بلند کرے گی اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرے گی، ان سب اقوال میں کوئی اختلاف نہیں حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے ہر وہ جماعت اس سے مراد لی جاسکتی ہے جس کی مراد اللہ کے دین کی خدمت و اشاعت کر کے اسلام کو سر بلند کیا جائے۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ثواب هذه الأمة“ ص ۵۸۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن معاوية رضى الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو سيد الصادقين: لا يزال من أمتي أمة قائمة بأمر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتي أمر الله وهم على ذلك.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب المناقب وأخرجه ایضاً فی کتاب الاعتصام (باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق) وأخرجه مسلم فی کتاب الامارة (باب قوله صلى الله عليه وسلم لا تزال طائفة من امتی).

قرب قیامت کے جھوٹے اور مکار لوگ

﴿۱۷۳﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّا هُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ.

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: آخری زمانے میں مکار اور جھوٹے لوگ تمہارے پاس ایسی حدیثیں لے کر آئیں گے جنہیں تم نے سنا نہ ہوگا اور نہ ہی تمہارے باپ دادا نے سنی ہوں گی تم ایسے لوگوں سے بچو اور ان کو اپنے سے بچاؤ تاکہ وہ تمہیں نہ گمراہ کریں اور نہ تمہیں فتنہ میں ڈالیں۔“

لُعَانَتُكَ: دَجَالُونَ: جمع ہے دَجَال کی، بہت زیادہ جھوٹا، دَجَالِجۃ بھی جمع آتی ہے، دَجَل (ن) دَجَلًا، جھوٹ بولنا۔ يُضِلُّونَكُمْ: گمراہ کرنا۔ يُفْتِنُونَكُمْ: فتنَ (ض) فِتْنَةً گمراہ کرنا، آزمائش کرنا، فتنہ میں ڈالنا۔

تیشیح: ”دَجَالُونَ دَجَال من الدجل“: بمعنی اُتلبس، مراد ایسے لوگ ہیں جو دین کے بارے میں محض اپنی رائے سے اختراع کرتے ہیں تاکہ حق اور باطل کو وہ خلط ملط کر دیں، آخری زمانے میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوگی چونکہ وہ ظہور فتن کا زمانہ ہوگا ورنہ ایسے لوگ ہر زمانے میں رہے ہیں، اس وعید میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو محض خواہشات نفس کی بناء پر لوگوں کے سامنے ایسی باتوں کو بیان کرتے ہیں جو دین کے نام سے ہو مگر اس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو، یہ چند دنوں کی بات ہوتی ہے پھر علماء حق ان کی اس تحریف سے لوگوں کو متنبہ فرمادیتے ہیں اور پھر ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں۔

”فَاِيَاكُمْ وَإِيَّا هُمْ“: اس جزء سے نبی کریم ﷺ کی شفقت و رحمت جو امت کے ساتھ ہمیشہ تھی وہ ظاہر ہوتی ہے آپ نے ایسے زمانے کے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب تم ایسے زمانے کو پاؤ جس میں ایسے مکار اور جھوٹے لوگ ہوں تو ان سے اپنے آپ کو بچانا کہیں تم جیسے سادہ لوح کو احادیث کا نام سنا کر گمراہ نہ کر دیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے قریب بھی نہ جانا اگر تم ان سے میل جول رکھو گے، تو خطرہ ہے کہ کہیں ان کی صحبت سے تم ان جیسے نہ ہو جاؤ کیونکہ صحبت کا زبردست اثر ہوتا ہے۔

چوں بسا ابلیس آدم روئے ہست ❁ پس بہر دستے نباید داد دست
علامہ قطب الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دین کے حاصل کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے محتاط لوگوں سے علم حاصل کرنا چاہئے کہیں اس وعید میں داخل نہ ہو جائے۔ (۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسّنة“ ص ۲۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الخ باقی بعینہ حدیث بالا کی طرح ہے۔

تَخْرِیجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی المقدمة عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بهذا السياق والبيهقي في دلائل النبوة.



قیامت کے قریب لوگ جھوٹی قسم کھانے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں گے

(۱۷۶) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيئُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ.

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) پھر وہ جوان کے متصل ہیں (تابعین رضی اللہ عنہم) پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہیں (تابع تابعین رضی اللہ عنہم) پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی قسم سے پہلے اور اس کی قسم گواہی سے پہلے ہوگی (یعنی جھوٹی گواہی دینے اور جھوٹی قسم کھانے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں گے)“

لُغَاتُ: قَرْنِي: بمعنی صدی، سو سال، زمانہ کا ایک وقت، جھوٹی پہاڑی، پہاڑ کی چوٹی، جمع قُرُون ہے، قَرْن (ن) قَرْنًا، بمعنی ملانا۔ يَلُونَهُمْ: وَلَى (ض، حسب) وَلِيًا فُلَانًا، قریب ہونا، متصل ہونا۔ تَسْبِقُ: سَبَقَ (ن، ض) سَبَقًا إِلَيْهِ، آگے بڑھنا، علیہ غالب ہونا۔ يَمِينُ: قسم، جمع أَيْمُن، أَيْمَان آئی ہے۔

تَفْسِيرُ: ”تسبیق شہادۃ أحدهم يمينه ويمينه شهادته“: حدیث کے اس جزء کے مطلب بیان کرنے میں محدثین کرام رحمہم اللہ کے چند اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی، یہ کنایہ ہے جلد بازی سے کہ ان کو دین کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی یہاں تک کہ ان کو یہ معلوم نہیں ہوگا پہلے قسم کھاتے ہیں یا پہلے گواہی دیتی ہے۔^(۱)

دوسرا قول: یہ ہے کہ گواہی دینے اور قسم کھانے میں اس قدر لا پرواہی ہوگی کہ کبھی گواہی سے پہلے قسم کھاتے اور کبھی پہلے گواہی دیتے اور پھر قسم کھاتے ہوں گے۔^(۲)

تیسرا قول: یہ ہے کہ آدمی یوں کہتا پھرے گا کہ خدا کی قسم میں سچا گواہ ہوں اس قسم کے ذریعہ اپنی گواہی دیں گے یا یہ کہیں گے لوگ میری قسم کے سچے ہونے پر گواہ ہیں۔ اس گواہی کے ذریعہ اپنی قسم کو ترویج دیں گے۔^(۳)

چوتھا قول: یہ بیان کیا ہے کہ مقصود اس ارشاد پاک کا یہ ہے کہ جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی عام ہو جائے گی، چند روپوں کی خاطر عدالت میں جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی دیں گے۔^(۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاقضية والشهادات“ ص ۳۲۷ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير الناس قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يجئ قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه ويمينه شهادته.
تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه البخارى فى كتاب الشهادات (باب لا يشهد على شهادة جور اذا شهد) عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه.

قیامت کے قریب ہر شخص کو سود کا دھواں پہنچے گا

(۷۵) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرَّبَّوَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ.

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب سود کھانے سے کوئی نہ بچ سکے گا جو سود نہ بھی کھائے مگر اس کا دھواں تو اسے ضرور پہنچے گا۔“

لُغَاتُ: الرَّبَّوَا: بمعنی سود، رَبَا (ن) رَبَاءُ الْمَالِ، زیادہ ہونا، بڑھنا قال اللہ تعالیٰ ﴿وَيُرِي الصَّدَقَاتِ﴾، قال اللہ تعالیٰ ﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا﴾. بُخَارِهِ: بھاپ مگر یہاں مراد اثر ہے جمع أَبْخَرَةٌ ہے، بَخَرَ (ف) بَخَرًا، بھاپ نکلتا (س) سے بَخَرًا الْفَم، گندہ دہن ہونا۔

تَشْرِیح: ”لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ“: قیامت سے پہلے ایسا وقت ضرور آئے گا کہ ہر آدمی کو سود کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور پہنچے گا براہ راست وہ سود سے بچ جائے گا مگر واسطہ کے ساتھ اس کا اثر پہنچ جائے گا۔

”أصابه من بخاره“: مطلب یہ ہے کہ جب سود کا دائرہ وسیع ہو کر تجارت و معیشت کے ہر حصے پر حاوی ہو جائے گا کوئی تجارت و شغل اس سے بچ نہ سکے گا اور وہ آدمی سود کے عام ہونے کی وجہ سے سوچ بھی نہیں سکے گا کہ اس میں بھی سود ہوگا۔ ایک آدمی پھل وغیرہ خریدتا ہے اسی پھل میں وہ سوچے کہ کتنے سودی لین دین کے مراحل سے گذر کر یہ میرے ہاتھ میں پہنچ رہا ہے اگرچہ خریدنے والا شخص متقی اور نیک ہی ہے مگر وہ اس سے بچ نہیں سکے گا۔ حاصل حدیث مبارک کا یہ ہوا کہ آنے والے زمانے میں سود کی لعنت اتنی وسیع ہو جائے گی کہ ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور سے اس میں مبتلا ہو جائے گا، اعاذنا اللہ منہ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الربوا“ ص ۲۴۵ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرَّبَّوَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ وَيُرَوَّى مِنْ غِبَارِهِ.

تَخْرِیجُ حَدِيثٍ: أخرجه ابوداود فی کتاب البیوع وأخرجه ابن ماجہ فی کتاب التجارات (باب التغلیظ فی الربا).

دین دوبارہ اجنبی ہو جائے گا

﴿۳۱﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمْ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي.

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دین کی ابتداء اجنبی حالت میں ہوئی تھی اور آخر زمانہ میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ ابتداء میں تھا پس خوش خبری ہو غرباء کے لئے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو اصلاح کریں گے میری سنت کی جس کو میرے بعد لوگوں نے خراب کر دیا ہوگا۔“

لُغَاتُ: غَرِيبًا: مسافر، وطن سے دور مراد یہاں غیر مانوس ہونا ہے جمع غُرَبَاء ہے۔ بَدَأَ: (ف) بَدَأَ بِمَعْنَى شُرُوعِ كَرْنَا۔ طُوبَى: رشک، سعادت، یہ مؤنث ہے مذکر اَطِيب ہے۔

تَشْرِیحُ: ”بداء غریبا“: علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اسلام اپنے شروع زمانے میں اپنی اقامت و حمایت کے اعتبار سے کمزور تھا کہ حضور علیہ السلام کے پیروکار بہت تھوڑے تھے اور آپس میں قبائل میں بھی نزاع تھا (یہ کمپرسی کی طرف اشارہ ہے کہ خود بھی تھوڑے اور قبائل کے انتشار میں گھرے ہوئے) اس لئے مسلمانوں کو جلا وطنی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ ہر ایک مجبور علیحدہ عزلت نشین ہو کر رہ گیا غرباء کی طرح، اسی طرح آخر میں بھی ہوگا کہ دین پر قائم چند افراد ہی رہ جائیں گے۔

یہ بھی محتمل ہے کہ مناسبت قلت دینداروں کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح شروع میں دیندار کم تھے ایسے ہی آخر میں دیندار کم رہ جائیں گے۔ (۱) صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اسی طرح آخر میں بھی غریبوں ہی میں رہ جائے گا۔ (۲)

”فطوبی للغرباء“: ایک روایت میں صرف غرباء تک ہے (۳) یہ روایت اس کی مزید تشریح بیان کر رہی ہے کہ غرباء کون ہیں ایک تو عام مفہوم کہ نادار یہاں پر نادار مراد نہیں بلکہ فرمایا وہ لوگ جو سنتوں کی اصلاح کریں گے کہ وہ دور فساد ہوگا اس لئے اس زمانے میں دین کے کام کرنے والوں کی یہ فضیلت ہے اور ان کو خوشخبری سنائی گئی ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ میری امت کے بگڑنے کے وقت جس شخص نے میری سنت کو تھامے رکھا تو اس کو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (۴)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے کوئی اگر دسواں حصہ بھی مامور بہ کا چھوڑ دے گا تو ہلاک ہوگا اور ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان میں سے کوئی دسواں حصہ بھی مامور بہ کا کرے

گا تو وہ نجات پائے گا۔^(۱) گویا کہ یہ فضائل فساد کے زمانہ میں دین کی اصلاح و جہد میں لگنے والوں کے لئے ہیں پس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس دور میں سنتوں کو تھامے رکھیں گے اور اصلاح دین کا کام کریں گے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۳۰ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عمر بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فِطْرَتِي لِلْغُرَبَاءِ وَهُمْ الَّذِينَ يَصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي.

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه مسلم في كتاب الايمان وأخرجه الترمذی أيضا.



اصلاح کرنے والے قیامت تک رہیں گے

﴿۷۷﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُذُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ.

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر آنے والی نسل میں سے اس کے نیک لوگ اس علم کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ (اس علم کے ذریعہ آیات و احادیث میں) حد سے گزرنے والوں کی تحریف اور باطل کاروں کی اختراع پر دازی اور جاہلوں کی غلط تاویلات کو دور کریں گے۔“

لُغَاتِي: خَلْفٌ: جانشین، بعد کے زمانہ کی چیز، خَلْفَ (ف) خِلَافَةً، خلیفہ ہونا، قال اللہ تعالیٰ ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾. عُذُولٌ: جمع عادل کی، عدل کرنے والا، معتبر، ثقہ عَدَلٌ (ض) عَدْلًا وَعَدَالَةً انصاف کرنا۔

يَنْفُونَ: نَفَى (ض) نَفْيًا عَنْهُ، ہٹانا، علیحدہ کرنا۔ الْغَالِيْنَ: غَلَا (ف) غُلُوًا، حد سے تجاوز کرنا، غلو کرنا مراد وہ مبطلین ہیں جو قرآن و حدیث کے غلط مطلب بیان کرتے ہیں۔ اِنْتِحَالَ: الْقَوْلُ، دوسرے کی بات کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ اَلْمُبْطِلِينَ: (اسم فاعل) ضائع کرنا، باطل کرنا، اَبْطَلَ، اِبْطَالًا، لغو کام کرنا، قال اللہ تعالیٰ ﴿اَفْتَهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ﴾.

تَشْبِيْهِ: ”تحریف الغالین“: علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد مبتدعین ہیں جو دین میں غلو کر کے اس کی شکل بگاڑ دیتے ہیں اسی کی طرف قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ہے ﴿لَا تَغْلُوا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ اپنے دین میں غلومت کرو۔

”انتحال“ کہتے ہیں دوسرے کے کلام کو اپنی جانب نسبت کرنا یہ کنایہ ہوتا ہے جھوٹ سے۔

”تأویل الجاہلین“: جاہلوں کی غلط تاویلات کو دور کریں گے یعنی مبتدعین وغیرہ جو قرآن و حدیث کو موڑ موڑ کر اور غلط تاویل کر کے اپنے عقائد ثابت کریں گے ان کی اس تاویلات کو اہل علم لوگوں کے سامنے افشاء کریں گے، جاہلین جو تاویل کریں گے اس کی دو قسمیں ہیں۔

اول: وہ تاویلات جو نصوص قطعیہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ تو بلاشبہ کفر کو پہنچا دیتی ہے۔

دوم: یہ کہ وہ ایسی نصوص کے خلاف ہو جو اگرچہ ظنی ہیں مگر قریب بہ یقین ہیں یا اجماع عرفی کے خلاف ہو ایسی تاویلات گمراہی اور منطوق ہوتی ہیں اس سے آدمی کا فر نہیں ہوگا۔ (۲)

پوری حدیث کا مفہوم یہ ہو گا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے بعد کے زمانے میں حاملین علم کی ایک جماعت

قیامت تک باقی رہے گی جو غالی اور مبتدعین کی تحریف و خرافات اور باطل پرستوں کے نظریات جو قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کی کوشش کریں گے یہ ان کا ابطال کریں گے اور پھر علم اصلی شکل میں آجائے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابراهیم بن عبدالرحمن العذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یحمل هذا العلم الخ باقی بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔
پُتْخِیجِ حَدِیْثُ: اخرجہ البیہقی فی دلائل النبوة.



قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے

﴿۳۸﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يَذَرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتْلٍ وَلَا الْمَقْتُولُ فِيْمَ قَتْلٍ، فَقِيلَ: كَيْفَ يَكُونُ ذَلِكَ قَالَ: الْهَرَجُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ.

تَوْجِيہاً: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم نہیں ہوگی جب تک لوگوں پر ایسا دن نہ آجائے جس میں قاتل کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ میں نے مقتول کو کیوں قتل کیا اور نہ ہی مقتول کو یہ بات معلوم ہوگی کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا، پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا: قتل عام کی وجہ سے قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔“

لُغَاتُک: يَذَرِي: دَرِی (ض) دِرَايَةً، جَانَا۔ الْهَرَجُ: فَنَاءٌ، فساد، قتل، آشوب۔

تَفْسِيْرُک: ”حتیٰ یأتی علی الناس“: ایسا وقت قیامت سے پہلے ضرور آئے گا کہ ایسی دین سے دوری اور گمراہی ہوگی کہ معمولی معمولی شکوک و شبہات کی وجہ سے انسان کا قیمتی خون بہایا جائے گا۔

”هَرَج“: اس قتل عام کا سبب جہالت اور فساد عام کی تاریکی ہوگی جس سے پورا ماحول متاثر ہوگا اور اچھے برے کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ (۱)

”القاتل والمقتول فی النار“: قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے بظاہر مقتول تو مظلوم ہے اور قاتل ظالم مگر محدثین کرام فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دونوں ہی ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر مقتول کا بس نہ چلا اور خود وار کرنے سے پہلے خود قاتل کے وار کا شکار ہو گیا۔ دونوں ہی کی نیت قتل کی تھی اس لئے اپنی نیتوں کی وجہ سے دونوں ہی جہنم میں جائیں گے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ آدمی جب دل سے گناہ کرنے کا عزم کر لے تو اس کو گناہ ہوگا اگرچہ وہ گناہ نہ کر سکے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الفتن“ ص ۴۶۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ

..... الخ باقى بعينه انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

تَخْرِیجُ حَدِیْثُ: اخرجه مسلم فی کتاب الفتن.

قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا اور فتنے پھیل جائیں گے

(۲۷۹) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ قَالُوا وَمَا الْهَرَجُ؟ قَالَ الْقَتْلُ.

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ جب زمانہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائے گا اور علم اٹھالیا جائے گا اور فتنے بکثرت ظاہر ہوں گے اور بخل ڈال دیا جائے گا اور ہرج زیادہ ہوگا، صحابہ نے عرض کیا کہ ہرج کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قتل۔“

لِغَاثِك: يَتَقَارَبُ: قَرِيبٌ هُوَ، قَرِيبٌ (س، ك) قُرْبًا، قَرِيبٌ هُوَ، يَقْبَضُ: قَبَضَ (ض) قَبْضًا بِمَعْنَى اِثْمَالِهَا، يَكْثُرُ: يُلْقَى: اَلْقَى الشَّيْءَ، ذَالٌ ذِينًا، فِيهِ الشَّيْءُ، رَكْنًا، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي﴾. لَقِيَ (س) لِقَاءً، مَلَأَتْ كَرْنَا- الشُّحُّ: (ن، ض) شَحَابُهُ عَلَيْهِ، بَخْلٌ كَرْنَا- شَحِيحٌ: بَخِيلٌ.

تیشیح: ”یتقارب الزمان“: محدثین کرام نے اس کی شرح میں کئی مطالب تحریر فرمائے ہیں:

اول: دنیا اور آخرت کا زمانہ ایک دوسرے کے قریب آجائے گا (مراد قیامت کا قریب آنا ہوگا)۔ (۱)

دوم: برائی اور بدکار لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔ (۲)

سوم: ”یتقارب الزمان“ کا مطلب یہ بھی ہے زمانہ ایسا ہو جائے گا کہ حکومتیں دیرپا نہیں ہوں گی بہت مختصر مختصر عرصہ میں حکومتیں تبدیل ہوں گی۔ (۳)

چہارم: لوگوں کی عمریں چھوٹی چھوٹی ہوں گی۔ (۴)

پنجم: گناہوں کے سبب زمانہ سے برکت ختم ہو جائے گی لوگ سمجھنے لگیں گے زمانہ بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ (۵)

”ويقبض العلم“: جب ایسا وقت آجائے گا تو علماء حق کو اٹھالیا جائے گا ان کے اٹھنے کے ساتھ علم بھی اٹھ جائے گا۔ (۶)
دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے فتنوں کا زمانہ ہوگا کہ علماء سوء اور علماء حق میں تمیز ختم ہو جائے گی لوگ یہی سمجھیں گے کہ علم ختم ہو گیا حالانکہ کچھ لوگ موجود ہوں گے۔

”يلقى الشُّحُّ“: آخری زمانہ میں ہر صنعت و حرفت والا اپنی صنعتی اشیاء کے بنانے میں بخل کرنے لگیں گے یہاں تک کہ لوگوں کو اشیاء ضروریہ بھی ملنا مشکل ہو جائے گی۔ (۷)

”هَرَج“: بمعنی خرابی فتنہ کہ مسلمانوں میں انتشار و افتراق ہوگا اور باہم قتل عام شروع ہو جائے گا۔ (۸)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الفتن“ ص ۴۶۲ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

وعنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يتقارب الزمان الخ باقى بعينہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم واخرجہ البخاری فی مکان مختلف مع اختلاف يسير.



قیامت کے قریب آدمی تمنا کرے گا کاش میں قبر والے کی جگہ ہوتا

①۸۰ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ فَيَتَمَرَّغُ عَلَيْهِ وَيَقُولُ: يَلَيْتَنِي كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هَذَا الْقَبْرِ وَلَيْسَ بِهِ الدِّينُ إِلَّا الْبَلَاءُ. تَرْجَمَةً: ”نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ دنیا اس وقت تک اختتام پذیر نہیں ہوگی یہاں تک کہ آدمی قبر کے پاس سے گزرے گا اور پھر الٹ پلٹ کرے گا اور کہے گا کہ کاش میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا یہ دین کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ دنیاوی مصیبت کی وجہ سے ہوگی۔“

لِغَاثٍ: فَيَتَمَرَّغُ: يَتَمَرَّغُ فِي التُّرَابِ: مٹی میں لوٹنا۔ مَرَّغٌ: (س) مَرَّغًا عَرْضَةً، عزت پر دھبہ لگنا۔ الْبَلَاءُ: غم جو جسم کو گھلا دے، آزمائش خواہ خیر سے ہو یا شر سے ہو۔ بَلَاءٌ: (ن) بُلُوءًا وَبَلَاءَ الرَّجُلِ. آزمانا، تجربہ کرنا، امتحان لینا۔ تَشْرِيحٌ: ”ولیس بہ الدین الا البلاء“: اس عبارت کے مفہوم میں متعدد معنی بیان کئے گئے ہیں اور وہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

پہلا مطلب یہ ہے کہ دین سے مراد دین اسلام ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کا قبر پر الٹ پلٹ کرنا اور وہاں کھڑے ہو کر اس خواہش کا اظہار کرنا کہ کاش میں اس میں ہوتا اس کی وجہ آخرت اور دین کا نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس کو کوئی دنیاوی نقصان پہنچا ہوگا اس کی وجہ سے وہ تمنا کر رہا ہے۔^(۱)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ قبر پر آنا اور اظہار تمنا موت کرنا یہ ایسے وقت میں ہوگا جب کہ اس کے پاس اس فتنہ کے سوا کوئی بھی چیز نہیں ہوگی چاروں طرف سے فتنہ ہی فتنہ ہوگا۔^(۲)

تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں دین سے مراد عادت ہے کہ اس کا قبر پر کھڑے ہو کر موت کی آرزو کرنا یہ کسی عادت کی بناء پر نہیں ہوگا بلکہ اس فتنہ کی وجہ سے ہوگا جس میں وہ مبتلا ہوگا۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب اشراط الساعة“ ص ۴۶۹ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

وعنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذى نفسى بيده لا تذهب الدنيا الخ باقى بغير انہى الفاظ کے ساتھ ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فى كتاب الفتن واخرجہ البخارى فى كتاب الفتن (باب لا تقوم الساعة حتى يغبط اهل القبور) عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه.

قیامت کے قریب صرف اسلام کا نام باقی رہ جائے گا

① قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدَى عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مِّنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعَوُّذٌ.

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب لوگوں پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن میں سے صرف اس کے نقوش باقی رہیں گے ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی مگر حقیقت میں ہدایت سے خالی ہوں گی ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سے سب سے بدتر ہوں گے ان ہی سے فتنے پیدا ہوں گے اور ان میں ہی لوٹ کر آئیں گے۔“

لُغَاتُ: يُوشِكُ: جلدی چلنا، قریب ہونا، اس کی خبر میں اکثر ”ان“ آتا ہے۔ رَسْمُهُ: گھر کے مٹے ہوئے نشانات، جمع رسوم۔ عَامِرَةٌ: بمعنی آباد، مراد یہاں پر بلند عالیشان اور مزین ہونا ہے، عَمَرَ (ن) عَمَرًا: آباد ہونا جمع عَوَامِر ہے۔ قال تعالیٰ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ﴾. خَرَابٌ: خَرِبَ (س) خَرَبًا وَخَرَابًا الْبَيْتَ، ویران ہونا اجاڑ ہونا قال تعالیٰ ﴿وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾. أَدِيمٌ: پکا ہوا چمڑا۔ أَدِيمٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، زمین آسمان کا ظاہری حصہ، جمع ”آدم“ ہے۔

تفسیر: ”لا یبقی من الاسلام الا اسمہ“: اس حدیث میں قیامت کی چند علامات کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلی یہ کہ اسلام تو کتب میں موجود ہوگا مگر قلوب میں نہ ہوگا بہ الفاظ دیگر یہ کہ مسلمان تو ہوں گے مگر وہ اسلام سے اور اسلام اُن سے دور ہوگا۔ (۱)
”ولا یبقی من القرآن الا رسمہ“: دوسری علامت قیامت کی یہ ہوگی کہ لوگ قرآن کو عمل کی نیت سے نہیں سیکھیں گے بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لئے سیکھیں گے لہذا وہ صرف حروف، مخارج وغیرہ کو سیکھنے کی پوری کوشش کریں گے اور جو قرآن کا مقصد ہے کہ اس کے اوامر و نواہی کو سیکھ کر عمل کیا جائے اس سے یہ لوگ کوسوں دور ہوں گے۔ (۲)

”مساجدہم عامرة وهي خراب من الهدی“: اس حدیث میں علامت قیامت بیان کی گئی ہے کہ مساجد بظاہر لوگوں سے بھری ہوں گی مگر مساجد میں آنے والوں کا مقصد عبادت کرنا نہ ہوگا بلکہ یہ مساجد میں بیٹھ کر دنیوی اور لغو باتیں کریں گے، یا مطلب یہ ہے کہ مساجد بظاہر بڑی خوب صورت اور اس میں قالین، فانوس وغیرہ ہوں گے مگر نمازی برائے نام ہوں گے۔ (۳)

”علماؤہم شرّ من تحت أديم السماء“: یہاں علماء سے مراد مطلقاً علماء نہیں ہیں بلکہ یہاں علماء سوء ہیں تو یہ اس زمانے کے ظلم کرنے والوں کو نہیں سکھائیں گے تو وہ ظالم ان کو بھی برا بھلا اور گالیاں دیں گے تو یہ علماء بدترین مخلوق ہوئے کیونکہ ان کا کام تو یہ تھا کہ یہ ظالموں کو سمجھائیں اور ان کو دین کی طرف کھینچیں تو ظلم ان کی طرف لوٹے گا کہ وہ ظالم لوگ ان پر بھی مسلط ہو جائیں گے اگر یہ ان ظالموں کو سکھائیں تو اس وعید میں داخل نہ ہوں گے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۸ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشک أن یتّٰی علی النّاس زمان الخ باقی بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

تخریج حدیث: عزاء صاحب مشکوٰۃ فی کتاب العلم (قبل کتاب الطہارۃ) الی البیہقی فی شعب الایمان عن علی رضی اللہ عنہ۔

قیامت کے قریب لالچ اور خوف ہوگا

﴿۷۸﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَقْوَامٌ إِخْوَانُ الْعَلَانِيَةِ أَعْدَاءُ السَّرِيرَةِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَكَيْفَ يَكُونُ ذَلِكَ؟ قَالَ ذَلِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ إِلَى بَعْضٍ وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ. تَزَجَمَهُ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں پیدا ہوں گی کہ جو ظاہر میں تو دوست بنیں گی مگر باطن میں دشمنی کریں گی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے بعض بعض سے حرص و لالچ رکھیں گے اور بعض بعض سے خوف زدہ ہوں گے۔“

لُعَانَتِكَ: إِخْوَانٌ: جمع أَخٍ کی بمعنی بھائی، أَخَا (ن) أَخُوَّةٌ، دوست بنا، بھائی ہونا۔ الْعَلَانِيَّةُ: کھلم کھلا، ظاہر، عَلَنَ (ن-ض-ك-س) عَلَنًا وَعَلَانِيَّةً ظاہر ہونا۔ أَعْدَاءُ: جمع عَدُوٍّ کی بمعنی دشمن، عَدَا (ن) عَدَوًا عَلَيْهِ، ظلم کرنا، دشمنی کرنا۔ السَّرِيرَةُ: بھید، راز ہو طَيْبُ السَّرِيرَةِ، وہ باطن کا بہت اچھا ہے، جمع سَرَائِرُ. رَهْبَةً: رَهَبَ (س) رَهْبَةً وَرَهْبًا بمعنی خوف کرنا۔ قَالَ تَعَالَى ﴿لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ﴾

تَشْيِيعٌ: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ لوگوں میں سے اخلاص کا فقدان ہوگا اور نفاق عام ہوگا۔ خواہشات کو پورا کرنے کو آدمی اپنی زندگی کا مقصد سمجھے گا اسی بناء پر لوگ آپس میں دوستی اس وقت تک رکھیں گے جب تک اس دوست سے اپنی غرض پوری ہو رہی ہوگی، جب غرض پوری ہونا بند ہو جائے گی تو صرف یہ نہیں کہ تعلقات منقطع ہو جائیں بلکہ دشمنی تک بات پہنچ جائے گی، اسکے مد مقابل شریعت نے حکم یہ دیا ہے کہ دوستی اور دشمنی کی بنیاد اخلاص پر ہو دنیاوی اغراض پر نہ ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

”مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ“۔ (۱)

تَزَجَمَهُ: جس شخص نے اللہ ہی کے لئے کسی سے دوستی کی اور اللہ ہی کے لئے ناراضگی رکھی کسی کو کچھ دیا تو اللہ ہی کے لئے دیا اور اللہ ہی کے لئے دینے سے انکار کیا تو یقیناً اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔“

خلاصہ یہ ہوا کہ قیامت کے قریب ہر چیز میں تبدیلی واقع ہو جائے گی تو وہ دوستی کی بنیاد جو صرف اخلاص پر ہوتی ہے اس میں تبدیلی آ جائے گی اور پھر اس دوستی کی بنیاد ذاتی اغراض و خواہشات پر رکھی (۲) جائے گی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الرِّياءِ والسمعة“ ص ۳۵۵ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن معاذ بن جبل ان النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: يكون في آخر الزمان الخ باقی بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه احمد في مسنده ۵/۲۳۵۔

قیامت کے قریب صرف بدکار لوگ باقی رہ جائیں گے

(۷۸) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَلَا أَوَّلُ وَتَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ أَوْ التَّمْرِ لَا يُبَالِيهِمُ اللَّهُ بَالَةً.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نیک لوگ یکے بعد دیگرے اس دنیا سے گزرتے جائیں گے بدکار لوگ جو یا کھجور کی بھوسی کی طرح باقی رہیں گے جن کی اللہ تعالیٰ مطلقاً پروا نہیں کریں گے۔“

لُغَاتُكَ: حُفَالَةٌ: گھٹیا چیز، بھوسی، حُفَالَةُ الطَّعَامِ: الشَّعِيرُ: جو، واحد شَعِيرَةٌ. يُبَالِيهِمُ: بالی، مُبَالَاةٌ وَبِلَاءٌ وَبَالَةٌ وَبَالًا الْأَمْرُ وَبِالْأَمْرِ، پروا کرنا۔

تشریح: مولانا بدر عالم رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اسلام کے تنزل کی اس تیز رفتاری کو کسی گوشہ میں بیٹھ کر اندازہ لگایا جائے کہ ہم کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں اور ہمارا اسلام پہلے کیا تھا اور آج ہمارے پاس اسلام کا کتنا حصہ باقی ہے۔

بخاری کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ غصہ میں بھرے اپنے گھر تشریف لائے تو ان کی اہلیہ نے پوچھا آج آپ کے غصے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا خدا کی قسم میں عہد نبوت کی کوئی بات اب نہیں دیکھتا سوائے اس کے کہ لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں، بقیہ امور میں بہت تغیر و تبدیلی محسوس کرتا ہوں۔

آج اگر ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہم میں موجود ہوتے تو کیا تبصرہ فرماتے؟ اسی کو سورۃ التین میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تھا لیکن وہ اپنے اعمال کی بدولت جب گرا تو اسفل السافلین میں جا پہنچا مگر ایمان اور اعمال صالح والے بچے ہوئے ہیں۔ (۱)

”لا یبالیہم اللہ بالۃ“: کہ اللہ ان کی پروا نہیں کرے گا، آج فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے اور کابلی کو چھوڑ کر اپنے دین متین کے لئے کل کی بجائے آج ہی کر ڈالئے۔

من نمی گویم زیاں کش یا بہ بند ہوش باش * اے کہ فرصت بے خبر تو آنچہ باشی زد دباش

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تغیر الناس“ ص ۴۵۸ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن مرداس الأسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یذهب الصالحون الأول فالأول ویبقى حفالة كحفالة الشعير والتمر لا یبالیہم اللہ بالۃ.

تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب الرقاق (باب ذهاب الصالحین)

قیامت کے قریب بدکار لوگ سعادت مند بن جائیں گے
 (۷۸) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَسْعَدُ النَّاسِ
 بِالْدُّنْيَا لُكْعَ ابْنِ لُكْعٍ.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دنیا میں اس وقت اچھے
 لوگ خود کمینے (بے وقوف) بیٹے کمینوں کے ہوں گے۔“

لُكْعًا: لُكْعٌ: بمعنی حرامی، کمینہ، معرفہ کی صورت میں غیر منصرف ہوتا ہے، لُكْعَ (س) لُكْعًا وَلُكَاعَةً، کمینہ ہونا۔
 تَشْبِیْحٌ: یہاں پرانے زمانے کی تبدیلی بیان کرنا مقصود ہے کہ زمانہ کس قدر بدل جائے گا اور شرافت کس قدر ختم ہو جائے گی کہ
 آج تو آدمیوں کا سرداران کا بہتر ترین آدمی ہوتا ہے لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ جب لوگوں کا سردار کمینہ اور بدترین آدمی
 ہوگا۔ ایک اور جگہ ارشاد مبارک ہے کہ تو دیکھے گا کہ برہنہ پا برہنہ جسم مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کو عالیشان مکانات
 و عمارات میں فخر و غرور کی زندگی بسر کریں گے۔^(۱)

اسی تبدیلی زمانہ کے متعلق ایک اور روایت ہے کہ فرمایا کہ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ دوسروں کو
 بھی گمراہ کریں گے۔^(۲) اسی طرح ایک جگہ فرمایا کہ جب معاملات نا اہل کے سپرد کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔^(۳)
 مقصود یہی ہے کہ وہ زمانہ انتہائی پر فتن دور ہوگا کہ جس میں ساری شرافت وغیرہ ختم ہو جائے گی اور ہر طرف بددینی بدچلنی عام
 ہوگی اسی زمانے کے بارے میں علامہ طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب اتنا انقلاب ہو جائے کہ شرفاء کی جگہ کمتر و ذلیل لے لیں تو
 سمجھ لینا چاہئے کہ اب تمام عالم پر عظیم انقلاب کا وقت آگیا ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے۔^(۴) اس تغیر کی جگہ وجہ اور ترتیب کو بھی
 بیان کیا چنانچہ فرمایا کہ نیک بخت لوگ یکے بعد دیگرے اس دنیا سے گزرتے رہیں گے اور بدکار اور ناکارہ لوگ جو یا کھجور کی بھوسی
 کی طرح باقی رہ جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہ ہوگی۔^(۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تغیر الناس“ ص ۴۵۹ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

وعنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقوم الساعة حتى
 يكون اسعد الناس بالدين لُكْعَ ابْنِ لُكْعٍ.

ترجمہ حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب الفتن (باب ماجاء فی اشراط الساعة) عن حذيفة بن اليمان.

قیامت کے قریب دین پر چلنے والا مثل چنگاری ہاتھ میں لینے والا ہوگا

﴿۲۸۵﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى

دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ.

تَرْجَمَہ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں اپنے دین پر صبر کرنے والا ایسا ہوگا

جیسا کہ انگاروں کو مٹھی میں لینے والا۔“

لُغَاتُ: الْقَابِضُ: قَبَضَ (ض) قَبْضًا يَبْذُرُ الشَّيْءَ وَعَلَى الشَّيْءِ كَسَى قَبْضًا كَوَاتَهُ سَ بَكَرْنَا۔ الْجَمْرُ: جَمْعُ جَمْرَةٍ كِي بِمَعْنَى
انگارہ۔

تَشْرِیح: ”کالقباض علی الجمر“: یہ جزء محل تشریح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخر زمانے میں (یعنی قیامت کے قریب) برائی اس قدر عام ہو جائے گی کہ لوگ دین کو قابل نفرت سمجھنے لگیں گے، لوگوں کے اعمال ہی نہیں عقائد میں بھی خرابی آ جائے گی۔ دین کی بات کرنے والا اور اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں ملے گا، ایسے وقت میں اگر کوئی دین اسلام کو اپنائے گا تو اس کی مثال حدیث بالا میں ہاتھ میں انگارہ رکھنے کے ساتھ دی ہے کہ جس طرح ہاتھ پر انگارہ رکھنا مشکل اور مشقت کا کام ہے اسی طرح ایسے باطل ماحول میں جتنا بھی اور اپنے ایمان اور اعمال کی حفاظت کرنا بھی مشکل ہوگا (۱) اور جو ایسے وقت میں دین پر جسے گا اس کے لئے احادیث میں بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں مثلاً ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

”مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مَائَةِ شَهِيدٍ“

تَرْجَمَہ: ”جس نے تمھارے رکھا میری سنت کو میری امت کے دور فساد میں اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تغیر الناس“ ص ۴۵۹ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يأتي على الناس زمان

الصابر فيهم على دينه كالقابض على الجمر.

تَحْقِيقِ حَدِيثِ: أخرجه ابوداود في كتاب الملاحم وأخرجه ابن ماجه في كتاب الفتن وأخرجه

الترمذي أيضاً في ابواب الفتن عن أنس رضي الله تعالى عنه.

قیامت کے قریب لوگوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ہو جائے گی

﴿۷۸﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُوشِكُ الْأَمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكْلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ، قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَذْوِكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ، قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب دنیا والے ایک دوسرے کو ایسا بلائیں گے تمہارے اوپر جیسا کہ کھانے والے پیالے پر کھانے کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی صحابی نے عرض کیا کہ کیا اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں تمہاری مقدار بہت ہوگی اس وقت تمہاری حیثیت سیلاب کے جھاگ کے برابر ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارا رعب دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ”وہن“ ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ”وہن“ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا،

دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔“

لُغَاتُكَ: تَدَاعَى: باب تفاعل سے بمعنی ایک دوسرے کو بلانا، اِدْعَى الشَّيْءُ دَعْوَى كَرْنَا - قَصْعَةٌ: بمعنی پیالہ، جَمَعَ قِصْعٌ، قِصَاعٌ قِصَاعَاتٌ. غُثَاءٌ: جھاگ، کوڑا کرکٹ، غُثَا (ن) غُثَا. السَّيْلُ: بہنے والا، سیلاب - لَيَقْذِفَنَّ: قَذَفَ (ض) قَذَفًا بمعنی ڈالنا، پھینکنا قال تعالیٰ ﴿فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾. الْوَهْنُ: بمعنی کمزوری، سستی، وہن (ض-س-ک) کمزور ہنا، قال تعالیٰ ﴿فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾.

تشریح: ”تداعی علیکم کما تداعی الاكلة“: جس طرح جب کچھ لوگ دسترخوان پر جمع ہوتے ہیں تو برتن کو ایک دوسرے کے سامنے رکھتے ہیں کہ اس برتن کے کھانے میں سے تم بھی کچھ کھا لو کیونکہ جب برتن قریب ہوتا ہے تو آدمی آسانی سے اس میں سے کچھ کھا لیتا ہے تو اسی طرح قیامت کے قریب کافر لوگ ایک دوسرے کو اکسائیں گے کہ مسلمانوں کو ہلاک کر دیں وہ کفار جمع ہوں گے اور مسلمانوں کی جائداد اور مال وغیرہ پر لوٹ ڈالیں گے۔ (۱)

”حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ“: اس تباہی و بربادی کی وجہ یہ ہوگی کہ مسلمانوں کے دلوں میں ”وہن“ داخل ہو جائے گا۔ ”وہن“ کے معنی ہیں سستی اور ضعف کہ ایمان میں سستی ہو جائے گی اس کی وجہ سے موت سے ڈر لگنے لگے گا حالانکہ موت تو مؤمن کے لئے تحفہ ہے، اور دنیا کی محبت آجائے گی جس کی وجہ سے یہ جہاد سے ڈرنے لگے گا کہ اگر مرجاؤں گا تو بال بچوں کا کیا

ہوگا، جب یہ حال مسلمانوں کا ہو جائے گا تو کفار اس پر غالب آجائیں گے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تغیر الناس“ ص ۴۵۹ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشک الامم الخ
باقی بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه ابوداود فی کتاب الملاحم وأخرجه الامام احمد فی مسنده ۳۷۸/۵.



قیامت کے قریب آدمی جانوروں کی طرح کھائے گا

②۷۷ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ قَوْمٌ يَأْكُلُونَ بِالْسِّنْتِهِمْ
كَمَا تَأْكُلُ الْبَقَرَةُ بِالْسِّنْتِهَا.

تَرْجَمَةٌ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک ایسی جماعت پیدا نہ ہو جائے جو
اپنی زبانوں کے ذریعہ اس طرح کھائیں گے جس طرح گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں۔“
لُغَاتُكَ: الْبَقَرَةُ: گائے، جمع الْبَقَرُ.

تَشْرِيحُ: ”يَأْكُلُونَ بِالْسِّنْتِهِمْ“: اس حدیث پاک میں بھی قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت بیان کی گئی ہے کہ قیامت
کے قریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی زبانوں کو کھانے کا ذریعہ بنائیں گے یعنی ان لوگوں کی عادت یہ ہوگی کہ مال والوں کی
جھوٹی جھوٹی تعریفوں اور چاپلوسی کر کے ان سے مال وصول کریں گے۔

بعض علماء نے اس کا دوسرا مطلب بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنی تقریر اور تحریر فصاحت اور بلاغت کا جھوٹا مظاہرہ کریں گے پھر
اس کی وجہ سے لوگوں سے مال کو لیں گے۔

تیسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ بعض لوگوں کی بعض کے سامنے خدمت کریں گے پھر اس کے ذریعہ سے مال کو حاصل کریں
گے۔

”کَمَا تَأْكُلُ الْبَقَرَةُ“: جس طرح گائے کے سامنے جو کچھ ہو وہ اس بات کی تمیز نہیں کرتی کہ یہ خشک ہے یا تر حلال ہے یا
حرام تو بعینہ اسی طرح قیامت کے قریب لوگ کھاتے وقت اور مال لیتے وقت قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کریں گے کہ یہ مال
حلال ہے یا حرام جو کچھ ہوگا کھائیں گے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب البیان والشعر“ ص ۴۱۰ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:
عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تقوم
الساعة حتى يخرج قوم يأكلون بالسنتهم كما تأكل البقرة بالسنتها.

تَحْقِيقُ حَدِيثٍ: أخرجه الامام احمد في مسنده ۱/۱۸۴

قیامت کے قریب آدمی حلال اور حرام کی پرواہ نہیں کرے گا

❶ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنْ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی کو جو مال ملے گا اس کے بارے میں وہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔“

لُغَاتُ: يُبَالِي: بَالَى مُبَالَآةً، پرواہ کرنا، مقابلہ پر فخر کرنا۔

تشریح: قرب قیامت جو کہ حقیقت میں فتنوں کا زمانہ ہوگا، عجیب عجیب فتنے ہوں گے اور اس زمانے میں چاروں طرف برائیاں پھیل جائیں گی ان برائیوں میں سے ایک برائی جس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیث بالا میں ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن میں مال کی اتنی حرص اور لالچ ہوگی کہ اس بناء پر وہ حصول مال کے سلسلہ میں حلال و حرام کی تمیز نہیں کریں گے وہ قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کریں گے کہ اگر حرام مال میرے پیٹ میں چلا گیا تو میری عبادت قبول نہ ہوں گی (۱) اور جو میرا جسم اس حرام مال سے پرورش پا رہا ہے یہ جہنم میں جائے گا۔ ان جیسی وعیدوں کی اس کی نگاہ میں کوئی پرواہ نہ ہوگی (۲) دنیا کی محبت و لالچ اس کو وہ سب کچھ کروادے گی جس کو عام آدمی کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا اسی کی طرف آقائے دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ.“ ترجمہ: دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اسی کو ایک فارسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے:

ہرچہ آمد بدہان شاں خورند * وآنچہ آمد بزبان شان گویند
اگر اس حدیث بالا پر غور فرمائیں گے تو ہمارے زمانہ پر پوری طرح منطبق ہے کہ آج کتنے لوگ ہیں جو حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں؟

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکسب وطلب الحلال“ ص ۳۴۱ پر ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:
وعنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يأتى على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه أمن الحلال أم من الحرام؟
تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی کتاب البیوع (باب من لم یبال من حیث کسب المال) أخرجه البيهقي فی دلائل النبوة.

قیامت کے قریب نماز پڑھانے والا کوئی نہیں ملے گا

②۸۹ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَدَافَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ

لَا يَجِدُونَ إِمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ.

تَرْجَمَةٌ: ”نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد والے امام بنانے کے لئے ایک دوسرے کو بڑھائیں گے مگر کوئی نماز پڑھانے والا ان کو نہ ملے گا۔“

لُغَاتٌ: أَشْرَاطٌ: شَرْطُ کی جمع ہے علامت، ہر چیز کا اول۔ يَتَدَافَعُ: ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنا، يَتَدَافَعُ الْقَوْمُ، ایک دوسرے کو ہٹانا۔

تَشْرِیحٌ: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ طبری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں جہل و فسق اتنا پھیل جائے گا کہ کسی کے اندر بھی امامت کی اہلیت نہ ہوگی اس بناء پر لوگ امامت کروانے سے گریز کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو نماز پڑھانے کے لئے کہیں گے اور کوئی بھی امام بننے کے لئے تیار نہ ہوگا (۱) اس پر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

”أَجَازَ الْمُتَأَخِّرُونَ مِنْ أَصْحَابِنَا أَخْذَ الْأَجْرَةِ عَلَى الْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ وَنَحْوِهِمَا مِنْ تَعْلِيلِ الْقُرْآنِ بِخِلَافِ الْمُتَقَدِّمِينَ فَإِنَّهُمْ كَانُوا يُحَرِّمُونَ الْأَجْرَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ“ (۲)

تَرْجَمَةٌ: ”ہمارے علماء احناف میں سے متاخرین نے اجازت دی ہے کہ امامت اور اذان اور اسی طرح قرآن کی تعلیم وغیرہ پر تنخواہ لے سکتے ہیں بخلاف متقدمین کے کہ وہ عبادات پر تنخواہ لینے کو حرام سمجھتے تھے۔“

اس حدیث کے شرح فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کو آگے بڑھانے میں یہ علت نہیں ہوگی کہ وہ ایک دوسرے کو افضل سمجھ کر امامت کے لئے کہہ رہے ہوں گے کیونکہ اس حدیث میں قیامت کی علامت میں سے اس کو بیان کیا گیا ہے اور قیامت کے قریب جہل خوب شباب پر ہوگا اس لئے ہر شخص امام بننے سے انکار کریگا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الامامة“ ص ۱۰۰ پر ہے پوری حدیث اس طرح ہے:

عن سلامة بنت الحر رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إِنَّ مِنْ

أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَدَافَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُونَ إِمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ.

تَحْرِیحٌ حَدِيثٌ: أخرجه أبو داود في كتاب الصلوة (باب كراهية التدافع عن الامامة) وأخرجه أحمد

في مسنده ۳۸۱/۶

قیامت کے قریب کے محبوب ترین لوگ

① قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبًّا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي

يَوْمَ أَحَدُهُمْ لَوْ رَأَى بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: بے شک میری امت میں سے مجھ سے محبوب ترین وہ لوگ ہوں ہیں جو میری

وفات کے بعد پیدا ہوں گے ان میں سے بعض یہ تمنا کرے گا کہ وہ اپنا سارا مال اور تمام

رشتہ دار کو دے کر بھی مجھے دیکھ لے۔“

لُغَاتُ: بِأَهْلِهِ: بچے اور کبھی بیوی اور کبھی دونوں کو بولا جاتا ہے۔

تَشْرِيح: ”يَكُونُونَ بَعْدِي“: میرے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دنیا میں آئیں گے۔ (۱)

”يَوْمَ أَحَدُهُمْ“: ان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش وہ مجھ کو دیکھ لیتے اگر اس کے لئے ان کو اپنے مال و عیال سب کچھ قربان کرنا پڑے تو وہ کر دیں۔

”حُبًّا نَاس“: میرے نزدیک لوگوں میں محبوب ہوں گے۔

سُؤَال: کیا یہ لوگ صحابہ سے بھی افضل ہوں گے؟

جَوَاب: بعد میں آنے والے صحابہ سے کسی صورت میں بھی نہیں بڑھ سکتے آدمی جتنا بلند ہو جائے مگر صحابہ سے فائق نہیں ہو سکتا، اللہ نے صحابہ کو نبی کریم ﷺ کی صحبت اور خدمت کیلئے چنا تھا تو اس تمنا کے ساتھ آدمی ادنیٰ صحابی کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

سُؤَال: ان جیسی روایات سے علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں کہ بعد میں آنے والے بھی بعض صحابہ سے بڑھ سکتے ہیں؟

اول: یہ بات جمہور علماء کے اتفاق کے خلاف ہے۔

دوم: یہ کہ اگر کوئی خاص صفت میں بڑھتا ہے تو اس کو یہ جزوی فضیلت حاصل ہوگی مگر صحابہ کو کلی فضیلت حاصل ہوگی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ثواب هذه الامة“ ص ۵۸۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان من اشد امتی

لی حباً ناس یكونون بعدی یوّد احدهم لورائی بأہله وماله.

تَخْرِیج حَدِیث: اخرجه مسلم فی (كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها) واخرجه البخاری فی كتاب

المناقب (باب علامات النبوة فی الاسلام).

قیامت کے قریب کے بعض لوگوں کا ثواب اول والوں کی طرح ہوگا

(۲۹) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي آخِرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ مِثْلُ أَجْرِ أَوَّلِهِمْ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُونَ أَهْلَ الْفِتَنِ.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب اس امت کے آخری دور میں ایک جماعت پیدا ہوگی جس کا ثواب اس امت کے ابتدائی دور کے لوگوں کے ثواب کے مثل ہوگا اس جماعت کے لوگ مخلوق خدا کو اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے روکیں گے اور فتنہ برپا کرنے والوں سے لڑیں گے۔“

لِغَايَةِ: الْفِتَنِ: جمع الْفِتْنَةِ: بمعنی آزمائش، گمراہی، رسوائی، قال تعالیٰ: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾. تَنْشِيطُ: اگرچہ یہ ساری امت خیر امت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ میں واضح ہے اور اس طرح اس امت کے پہلے حصہ کی فضیلت و بزرگی شمس نہار کی طرح عیاں ہے۔

یہاں پر حضور اکرم ﷺ نے اس امت کے آخری حصہ کی فضیلت و اہمیت کو بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک روایت میں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا) تم ایسے زمانے میں ہو کہ جو تم سے کوئی دسواں حصہ مامور بہ کا چھوڑ دے تو ہلاک ہوگا پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر ان میں سے کوئی دسواں حصہ مامور بہ کا پورا کرے گا تو نجات پائے گا۔^(۱)

یہاں پر مامور بہ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے،^(۲) اس حدیث میں بھی عہد رسالت اور حالیہ کافرق بیان کیا گیا ہے چونکہ اس زمانے میں امر بالمعروف نہی عن المنکر کا دور دورہ تھا اس لئے اس کا دسواں چھوڑنے والا بھی ہلاک تھا لیکن آخری دور میں جب امر بالمعروف نہی عن المنکر کا چرچا نہ ہوگا تو اگر کوئی شخص دسواں حصہ بھی کرے گا تو نجات پائے گا^(۳) اسی فرق کو ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا کہ: جس نے میری امت کے فساد کے زمانے میں میری سنت کو تھامے رکھا ہو اس کیلئے سوشہیدوں کا ثواب ہوگا۔^(۴) چنانچہ حدیث بالا میں اس امت کے آخری حصہ والوں کے لئے بشارت ہے ایک جگہ بحیثیت مجموعی ارشاد عالی ہے کہ ”میری امت کا حال بارش کی طرح ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر اس کا بہتر ہے۔“^(۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ثواب هذه الامّة“ ص ۵۸۴ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن عبدالرحمن بن العلاء الحضرمی رحمه الله قال: حدّثنی من سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول: انه سیکون فی آخر هذه الامّة قوم لهم مثل أجر أولهم یأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر ویقَاتِلُونَ أَهْلَ الْفِتَنِ.

تَحْنِيطُ: عزاء صاحب مشکوٰۃ الی البیہقی.

ایسا وقت بھی آئے گا کہ آدمی کو صرف مال کام دے گا

(۲۶) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّينَارُ وَالْدِّرْهُمُ.

تَرْجَمَہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں درہم اور دینار

کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔“

لُغَاتُ: الدِّينَارُ وَالْدِّرْهُمُ: یہ دونوں سکے کا نام ہے۔ دینار سونے کا اور درہم چاندی کا ہوتا تھا۔

تَفْسِیرُ مِج: اس حدیث کے راوی مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی باندی ان کے جانوروں کا دودھ پیتی تھی اور اس سے ان کا گذارہ ہوتا تھا، لوگوں نے حضرت مقدم کو طعنہ دیا کہ تم دودھ کو فروخت کروا کر اس کی قیمت کو کھاتے ہو حالانکہ بہتر یہ ہے کہ دودھ مفت میں ہی فقراء مساکین کو تقسیم کیا جائے اس پر حضرت مقدم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شرعی نقصان تو نہیں نہ تو یہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ ہے اور یہ میری ضرورت کے پیش نظر ہے کسی مال کی لالچ کی بناء پر نہیں پھر اس پر حضرت مقدم رضی اللہ عنہ نے حدیث بالا سنائی (۱) ایک زمانہ ایسا آئے گا جس کی پیش گوئی نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے کہ آدمی کی تمام ترکوش مال کے جمع کرنے میں لگے گی اور وہ سمجھیں گے کہ اس سے پریشانی دور ہوگی مگر وہ پریشانی تو ان کے اعمال بد کی نحوست کی وجہ سے ہوگی، وہ مال کے جمع کرنے سے کیسے دور ہوگی؟ جب تک کہ وہ اللہ کی طرف متوجہ نہ ہوں وہ پریشانی ان سے دور نہ ہو سکے گی مگر وہ ایسا کریں گے نہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الکسب وطلب الحلال“ ص ۲۴۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی بکر بن أبی مریم رحمہما اللہ قال: کانت لمقدم بن معدی کرب جاریۃ تبیع اللبن ویقبض المقدم فقیل لہ: سبحان اللہ تبیع اللبن وتقبض الثمن، فقال: نعم، وما بأس بذالك؟ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّينَارُ وَالْدِّرْهُمُ.

تَخْرِیجُ حَدِیثِ: أخرجه الامام احمد فی مسنده ۴/۱۳۳ عن المقدم بن معدی کرب.

کپڑا پہننے والی بعض عورتیں برہنہ ہوں گی

﴿۱۶۱﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صِنْفَانِ مِنَ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا، ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے کہ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کے مانند کوڑے ہوں گے جس سے وہ لوگوں کو ناحق ماریں گے اور دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہوگا جو بظاہر کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی، ان کے سر (کے بال) سختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی بو پائیں گی حالانکہ جنت کی بواتنی اتنی مسافت

(یعنی بہت زیادہ دور) سے بھی آتی ہے۔“

لُعَاتُج: سِيَاطٌ: جمع سَوْطٍ، بمعنی کوڑا، چابک، حقہ، تکی، پانی جمع ہونے کی جگہ، سَاطٌ (ن) سَوْطاً کوڑے مارنا کَأَذْنَابِ: جمع الذَّنَبِ مِنَ الْحَيَوَانِ، دم، أَذْنَابُ النَّاسِ، معمولی لوگ۔ كَاسِيَاتٌ: جمع كَاسِيَةٍ، كَسَى (س) كَسَا بمعنی پہننا۔ عَارِيَاتٌ: عَرَى (س) عَرِيَةً مِنْ ثِيَابِهِ، ننگا ہونا۔ مُمِيلَاتٌ: أَمَالٌ، إِمَالَةٌ الشَّيْءِ، جھکانا، قال تعالى: ﴿أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا﴾ رُؤُسُهُنَّ: جمع رَأْسٍ کی بمعنی سر، أَرُوْسٌ، رُؤْسٌ اور آرَأْسٌ بھی جمع آئی ہے۔ أَسْنِمَةٌ: جمع سَنَامٍ بمعنی کوہان، ”فلان سنام قومہ“، فلان اپنی قوم میں بڑا ہے۔ الْبُخْتُ: بمعنی دو کوہان والا اونٹ، مضبوط۔ عموماً ایسے اونٹ خراسان میں ہوتے ہیں۔ رِيحٌ: بو، مہک، اچھی خبر جمع أَرِيَاخٌ، رِيَاخٌ، رِيحٌ آئی ہے۔ الْمَسِيرَةُ: مسافت کے لئے آتا ہے۔ سَارَ (ض) مَسِيرًا وَمَسِيرَةً، سفر کرنا، جانا۔ تَشْيِيحٌ: ”کاسیات“: وہ ننگی ہوں گی اس کے کئی مطالب ہیں:

اول: ایسا کپڑا پہنیں گی کہ اس سے ان کے بدن کا کچھ حصہ کھلا ہوا ہوگا۔

دوم: دوپٹہ کو اپنے پیٹ اور سینہ پر ڈالنے کے بجائے گردن یا پیٹھ وغیرہ پر ڈالیں گی۔

سوم: بعض علماء فرماتے ہیں اس حدیث میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ وہ عورتیں دنیا کے بہترین سے بہترین کپڑے پہنیں گی مگر تقویٰ اور اعمال صالحہ سے خالی ہوں گی اس لئے آخرت میں وہ لباس سے ننگی ہوں گی۔ (۱)

”ممیلات مائلات“: مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگار اس لئے کریں گی کہ اس سے مردوں کو اپنی طرف مائل کریں اور بذات خود بھی مردوں کی طرف مائل ہوں گی، بعض علماء نے فرمایا ”ممیلات“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں اپنے دوپٹہ کو سر پر نہیں رکھیں گی تاکہ وہ مردوں کو دیکھیں اور مائلات کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں اس طرح مٹک مٹک کر چلیں گی تاکہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں۔^(۱)

”لا یدخلن الجنة“: اس جملہ میں تنبیہ مقصود ہے کہ وہ ڈریں کہ جنت سے محروم نہ ہو جائیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نیک عورتیں جنت میں داخل ہوں گی تو یہ ان کے ساتھ نہ داخل ہو سکیں گی اور نہ ہی ان کے ساتھ جنت کی خوشبو سونگھیں گی ان کو اس عمل کی سزا ملنے کے بعد جنت بھی ملے گی اور جنت کی خوشبو بھی۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب مالا یضمن من الجنایات“ ص ۳۰۶ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عنه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار لم أرهما الخ باقى بعينه انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضى الله تعالى عنه فى كتاب اللباس (باب النساء الكاسيات والعاريات) اخرجہ البيهقى فى دلائل النبوة.

قیامت کے قریب پیشوا جاہل ہوں گے

﴿۱۶﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے دلوں سے نکال لے بلکہ علم کو اس طرح سے اٹھائے گا کہ علماء کو اس دنیا سے اٹھائے گا یہاں تک کہ جب کوئی بھی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے ان سے مسئلہ پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے لہذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

لُغَاتُكَ: يَقْبِضُ: قَبَضَ (ض) قَبْضًا يَبْذِيهِ الشَّيْءُ مِلَّةً الشَّيْءِ، کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا۔ انْتِزَاعًا: الشَّيْءُ، اکھیڑنا، نکالنا، کھینچنا، نزع: (ف) نَزَعَ الشَّيْءُ مِنْ مَكَانِهِ، اکھیڑنا، نکالنا۔ الْعِبَادُ: جمع عبد کی بمعنی بندہ، عَبْد (ن) عِبَادَةٌ، عبادت کرنا، پرستش کرنا۔ عَبْد (ك) عَبْدُودَةٌ، غلام ہونا۔ فَافْتَوْا: اَفْتَى، اِفْتَاءً، فتویٰ دینا۔

تشریح: اس قسم کی متعدد احادیث ملتی ہیں مثلاً ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: فتنے پھوٹیں گے اور ہرج زیادہ ہوگا، صحابہ نے عرض کیا کہ ہرج کیا چیز ہے؟ فرمایا: قتل! قتل اور علم قبض کر لیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا: علم کو اس کے قبض ہو جانے سے پہلے سیکھ لو علم کا قبض ہونا اہل علم کا اٹھ جانا ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کا بھی قول ہے کہ: علم اس طرح قبض نہیں ہوگا کہ سینوں سے نکل جائے بلکہ یہ ہوگا کہ علماء فنا ہو جائیں گے۔ (۱)

اور بھی متعدد احادیث اس مضمون سے ملتی ہیں، ان احادیث میں اس خطرناک دور کی طرف اشارہ ہے جب اللہ اپنی عظیم نعمت کو انسانوں سے چھین لیں گے جو کہ انسانیت کا طرہ امتیاز ہے اور پھر انسانیت کے خاتمہ اور گمراہی کا وقت قریب ہوگا، اس نعمت کے اٹھنے کے اسباب بھی متعدد احادیث میں مذکور ہیں:

اول: علماء کی جانب سے ان کے قلوب میں دنیوی طمع پیدا ہونا۔

دوم: مخلوق کی جانب سے اس کی ناقدری اور ان سے بے نیازی ہوگی۔

سوم: یہاں شرعی بات کا ذکر ہے کہ صحیح اور علماء حق اٹھتے چلے جائیں گے ان کے جانشین نام کے علماء ہوں گے ان سے پھر عام گمراہی پھیل جائے گی۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۳ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
 عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انّ اللہ لا یقبض العلم الخ باقی بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔
 تخریج حدیث: اخرجہ البخاری فی کتاب العلم (باب کیف یقبض العلم) و اخرجہ مسلم فی کتاب العلم (باب رفع العلم بقبضہ) و اخرجہ البیہقی فی دلائل النبوة۔



قرآن سیکھو اور سکھاؤ

﴿۶۵﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَإِنِّي أَمْرٌ مَقْبُوضٌ وَالْعِلْمُ سَيَنْقَبِضُ وَيَظْهَرُ الْفِتْنُ حَتَّى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لئے کہ بے شک میں بھی ایک آدمی ہوں جو اٹھایا جاؤں گا اور علم بھی اٹھایا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص ایک مسئلہ میں اختلاف کریں گے اور کسی کو بھی وہ ایسا نہ پائیں گے جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

لُغَاتُ: تَعَلَّمُوا: سیکھنا، الامر، مضبوط کرنا۔ الْفَرَائِضُ: جمع الْفَرِيضَةِ، فرض، زکوٰۃ، حصہ، علم میراث۔ اِمْرًا: بمعنی مرد جمع رجال من غیر لفظ. مَقْبُوضٌ: قَبْضٌ (ض) قَبْضًا، پکڑنا، قَبْضَةُ اللَّهِ، وفات دینا۔ سَيَنْقَبِضُ: الْقَبْضُ الشَّيْءُ لَمَّا، سَمِينًا۔ الْفِتْنَةُ: جمع الْفِتْنَةِ کی بمعنی اختلاف آراء، جنگ وجدال۔

تفسیر: یہ دنیا چونکہ دارالامتحان ہے یہاں انسان امتلاء کے لئے آیا ہے اب اس میں نجات اسی وقت ہوگی جبکہ اس کو علم ہوگا کہ کن عوالم میں فلاح مضمر ہے اور کن میں خسران پوشیدہ ہے، اس لئے علم کے سیکھنے سکھانے کے فضائل متعدد احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں، چنانچہ ایک جگہ فرمایا کہ جو شخص کسی راستے کو علم دین حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہشت کے راستے پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے ہر وہ چیز جو آسمانوں کے اندر ہے (فرشتے) اور جوزمین پر ہے (جن وانس) اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں، دعائے مغفرت کرتی ہیں، عابد پر عالم کو ایسی فضیلت ہے جیسے چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔

دوسری بات کہ خود سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا بھی نہایت اہم ہے اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔

یہ تو امر بدیہی ہے کہ جب علم سیکھا جائے گا نہ سکھایا جائے گا تو نتیجہ جہل کا دور دورہ ہوگا اس لئے حدیث میں فرمایا کہ دو آدمی اختلاف کریں گے لیکن کوئی ثالث نہ پائیں گے۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا کہ لوگوں کو کوئی عالم نہیں ملے گا تو وہ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے اور وہ مسئلہ بتائیں گے خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۸ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تعلّموا العلم الخ باقی بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔

اہل کتاب کے طرز پر قرآن پڑھنا منع ہے

﴿۴۶﴾ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَأُوا الْقُرْآنَ بِلُحُونِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا وَإِيَّاكُمْ وَلُحُونُ أَهْلِ الْعَشَقِ وَلُحُونُ أَهْلِ الْكُتُبِ وَسَيَجِي بَعْدِي قَوْمٌ يُرْجِعُونَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِيعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُونَةٌ قُلُوبُهُمْ وَقُلُوبُ الَّذِينَ يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ. تَرْجِمَةً: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: قرآن اہل عرب کی طرح اور ان کی آوازوں میں پڑھو، اہل عشق اور اہل کتاب کے طریقہ کے مطابق پڑھنے سے بچو! میرے بعد ایک جماعت پیدا ہوگی جس کے افراد راگ اور رونے کے طرح آواز بنا کر قرآن پڑھیں گے قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا نیز ان کی قرأت سن کر خوش ہونے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔“

لُغَانًا: لُحُونٌ: جمع ہے لَحْن کی بمعنی لہجہ، آواز، اللَّحْنُ مِنَ الْأَصْوَاتِ، موزوں آواز کو کہتے ہیں جمع الْحَانَّ آتی ہے، لَحْنٌ فِي الْقُرْآنِ، خوش آوازی سے پڑھنا۔ أَهْلُ الْكُتُبِ: توریت و انجیل والے، یہود اور نصاریٰ۔ يُرْجِعُونَ: تَرْجِيعًا فِي صَوْتِهِ، اپنی آواز کو حلق میں گھمانا، رَجَعَ (ض) رُجُوعًا، واپس آنا، لَوْنًا، رَجَعَ فِي الْمُصِيبَةِ إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کہنا۔ الْغِنَاءُ: بمعنی نغمہ گانا۔ النَّوْحُ: عورتوں کی جماعت جو اکٹھا ہو کر روئے، نِسَاءُ نَوْحٍ، اسْتَنَاحَتِ الْمَرْأَةُ، عورت نے نوحہ کیا۔ حَنَاجِرُ: جمع حَنْجَرَةٍ کی بمعنی حلق۔

تَشْرِيحٌ: ”اقْرَأُوا الْقُرْآنَ بِلُحُونِ الْعَرَبِ“: قرآن عربوں کی زبان اور لہجہ میں نازل ہوا ہے۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ تو جب قرآن پڑھیں گے تو بغیر تکلف پڑھیں۔ اس میں تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو قرآن پڑھنے میں خواہ مخواہ کا تکلف کر کے اپنی آواز اور لہجہ کو بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ (۱)

”إِيَّاكُمْ وَلُحُونُ أَهْلِ الْعَشَقِ“: تم بچو اہل عشق کی طرح پڑھنے سے یعنی جس طرح اہل عشق اور شعراء اپنے اشعار اور نظموں کو خوب بنا بنا کر ترنم کی آواز میں پڑھتے ہیں مزید یہ کہ ساتھ ساتھ موسیقی اور راگ وغیرہ کو بھی شامل کرتے ہیں تم قرآن کو ان سب چیزوں سے دور رکھو۔ (۲)

”أَهْلُ الْكُتُبِ“: یعنی جس طرح اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنی کتاب کو غلط لکھتے اور غلط پڑھتے اور غلط اس کا تشریح اور مطلب بیان کرتے تھے مسلمانوں کو نصیحت ہے کہ تم اپنی کتاب (یعنی قرآن) کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا۔ (۳)

”مفتونة قلوبهم“: ان کے دلوں میں فتنے ہوں گے کیونکہ وہ قرآن کو پیسوں کے لئے یا شہرت حاصل کرنے کے لئے پڑھیں گے اخلاص کا ان میں نام و نشان نہ ہوگا تو جو لوگ اس غلط کام یا غلط بات کو اچھا سمجھیں گے وہ بھی گمراہی اور ضلالت میں مبتلاء ہو جائیں گے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضائل القرآن“ ص ۱۹۱ پر ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:
 عن حذيفة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقراؤ القرآن بلحون العرب الخ باقى بعينهم انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔
 تخریج حَرِثِی: عزاء صاحب المشکوٰۃ فی کتاب فضائل القرآن الی البیہقی فی شعب الایمان.

الباب الثانی

فی الواقعات والقصص وفيه اربعون قصة

دوسرے باب واقعات اور قصوں کے بیان میں اور اس میں چالیس قصے ہیں

حدیث جبرئیل علیہ السلام

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ تَعَالَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ: صَدَقْتَ فَعَجَبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ: صَدَقْتَ قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا قَالَ: أَنْ تِلِدَ الْأُمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْخُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مِنَ السَّائِلِ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّهُ جِبْرِئِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ.

ترجمہ: ”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں ہم بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے درمیان آیا جس کا لباس نہایت صاف ستھرا اور بہت زیادہ سفید کپڑے اور سر کے بال نہایت سیاہ، اس شخص پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا بہر حال وہ شخص نبی

کریم ﷺ کے اتنے قریب آ کر بیٹھا کہ اپنے دونوں گھٹنوں آپ ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لئے اس کے بعد اس نے عرض کیا اے محمد! مجھ کو اسلام کی حقیقت کے بارے میں بتائیں آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم کو بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت ہو تو حج کرو (مسافر نے فرمایا) آپ ﷺ نے سچ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص آپ ﷺ سے سوال بھی کرتا ہے اور پھر جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس شخص نے پوچھا اے محمد! ایمان کی حقیقت کے بارے میں بتائیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس بات کا یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ سب نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے۔ مسافر نے کہا آپ تے سچ کہا۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ احسان کی حقیقت کے بارے میں بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہیں تو یہ دھیان رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ قیامت کے بارے میں بتائیں کہ کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، مسافر نے کہا کہ اس کی نشانیاں ہی بتا دیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی اور ننگے پیر ننگے بدن فقیر بکریاں چرانے والے عالی شان عمارات بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر وہ مسافر چلا گیا میں نے پھر تھوڑی دیر توقف کیا آپ ﷺ نے مجھ سے خود ہی فرمایا اے عمر! جانتے ہو کہ پوچھنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل تھے جو تم کو دین سکھانے آئے تھے۔“

لُعَاثٍ: طَلَعَ (ن) طُلُوًّا مَطْلَعًا، الْكُؤُكَبُ، ستارہ وغیرہ کا ٹکنا۔ فَاسْتَدَّ: اُسْتَدَّ اِلَى الشَّيْءِ، ٹیک لگانا سَتَدَّ (ن) سُنُوْدًا وَاسْتَدَّ وَتَسَانَدَ اِلَيْهِ، بھروسہ کرنا۔ رُكْبَتَيْهِ: بمعنى گھٹنا، جمع رُكْبَ، رُكْبَاتٌ، رُكْبَاتٌ آتی ہے۔ كَفَيْهِ: بمعنى ہتھیلی جمع اَكْفٌ، كُفُوفٌ، كُفٌّ آتی ہے۔ فَخِذٌ: بمعنى ران جمع اَفْخَاذٌ آتی ہے۔ سَبِيلٌ: اصل معنی راستہ مراد توشہ اور سواری کا ہونا۔ اَمَارَاتٌ: جمع ہے اَمَارَةٌ کی بمعنى علامت، نشان۔ وَلَدَتْ: (ض) وَلَادَةٌ بمعنى جننا۔ اَلْاَمَةُ: بمعنى باندی جمع اِمَاءٌ۔ رَبَّتْهَا: رَبٌّ کی مَوْنِثُ بمعنى مالکہ۔ اَلْحُفَاةُ: جمع حَافٍ کی بمعنى ننگے پاؤں والا، حَافٍ (س) حَفًّا ننگے پاؤں ہونا۔ اَلْعُرْلَقُ: جمع عَارٍ کی عَرَى (س) عُرْيَةٌ، ننگا ہونا۔ اَلْعَالَةُ: جمع عَائِلٌ کی بمعنى فقیر، محتاج، جمع عُيْلٌ، عَيْلٌ آتی ہے۔ رِعَاءٌ: جمع ہے رَاعٍ کی،

رَاعِيَ الشَّاةَ، چرواہا۔ الشَّاةُ: شاةٌ کی جمع بمعنی بکری اس کی جمع شِيَاءٌ، أَشْوَاهُ بھی آتی ہے۔ يَتَطَاوُلُونَ: فخر کرنا، تکبر کرنا، ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا۔ الْبَنِيَان: عمارت قال تعالى ﴿كَانَهُمْ بُنْيَانٌ مَرصُوصٌ﴾ فَلَبِثْتُ: (ض) لَبْنَا وَلَبْنَا بِالْمَكَانِ، ٹھہرنا اقامت کرنا۔ مَلِيًّا: کچھ دیر۔

تَشْرِیح: ”وضع کفیه علی فخذیه“۔ ”فخذیه“ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں:

اول: جبریل علیہ السلام کی طرف ہی راجع ہے کہ اپنے کفین کو اپنی ران پر رکھا، ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو عامر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس ضمیر کا مرجع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے اپنے کفین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھا۔ (۱)

شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے تطبیق اس طرح فرمائی کہ جبریل علیہ السلام نے شروع میں ہاتھ اپنی ران پر رکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر ہاتھ رکھا۔ (۲)

”یا محمد أخبرنی“: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو بتائیں۔

سُؤَال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارنا تو منع ہے خلاف ادب نبوت ہے؟

جَوَاب: آیت میں خطاب انسانوں کو ہے ملائکہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

سُؤَال: چاروں سوالات کا آپس میں کیا ربط ہے؟ ایمان، اسلام، احسان، قیامت۔

جَوَاب: محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا آپس میں گہرا ربط اس طرح ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے سب سے پہلے آدمی میں ایمان داخل ہوتا ہے پھر یہ ترقی کر کے اسلام بنتا ہے اور پھر اسلام ترقی کر کے احسان بن جاتا ہے جب انسان کا ایمان مکمل ہو گیا تو قاعدہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کے زوال کا وقت آ جاتا ہے تو جب عبادت اپنے حد کمال کو پہنچے گی تو اب اس کا زوال کا وقت آ گیا یعنی قیامت۔ (۳)

”ما المسئول عنها بأعلم من السائل“: اس کا مطلب تمام ہی محدثین یہ فرماتے ہیں کہ: قیامت کی تاریخ کے نہ جاننے میں ہم دونوں مساوی ہیں کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔ (۴)

”أن تلد الأمة ربتها“: اس کی تشریح شارحین نے مختلف انداز سے بیان فرمائی ہے زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ جننے والی ماں کی حیثیت کام کاج وغیرہ میں باندی کی طرح ہوگی جن بچوں کو انہوں نے جنا ہے ان کی حیثیت گھر میں آقاؤں والی ہوگی۔

”وأن ترى الحفاة العراة“: یعنی قیامت کے قریب اراذل کی عزت و بزرگی ہوگی اور اکابر و علماء کی اہانت و حقارت ہوگی۔ (۵) رعاء الشاء کو اس لئے خاص طور سے ذکر کیا کہ وہ اکثر اضعف ہوتے ہیں بخلاف رعاء الابل کے۔ (۶) یا رعاء الشاء

(۳) فتح الباری ۱/۱۲۱، عمدۃ القاری ۱/۲۹۳، اشعة الملعات ۱/۴۲

(۳) فتح الملہم ۱/۶۱

(۲) فتح الملہم

(۱) فتح الباری

(۶) التعلیق الصبیح

(۵) فتح الملہم، اشعة الملعات

سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے پاس کچھ نہ ہو کہ وہ چرواہا ہے تو وہ بکری یا اونٹ وغیرہ کا مالک نہیں ہوگا۔ (۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۱ پر ہے، پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور انہی راوی کے ساتھ آئی ہے۔
تَحْنِیْجُ حَدِیْثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان و اخرجہ البخاری فی کتاب الایمان و اخرجہ النسائی فی کتاب الایمان ایضا مع اختلاف یسیر۔

راوی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

حدیث کے راوی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابو حفص۔ قریشی خاندان سے تعلق ہے چالیس مرد اور گیارہ عورتوں کے بعد مسلمان ہوئے مکہ مکرمہ میں۔ رنگ گوراسرخ غالب تھی قد لمبا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا خلیفہ بنادیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولؤ نے بدھ کے دن ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو مدینہ میں فخر سے زخمی کر دیا تھا پھر چودہ دن بیمار رہ کر دسویں تاریخ محرم اتوار کے دن انتقال فرما گئے۔ اس وقت عمر تریسٹھ سال تھی۔ خلافت کی مدت دس سال چھ ماہ تھی۔ جنازہ کی نماز حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور قیامت تک کے لئے آپ ﷺ کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں۔ آپ سے ۵۳۹ روایات احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

حافظ تورپشتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سوال وجواب ۱۰ھ میں ہوا تا کہ حضور ﷺ کی پوری زندگی میں جو احکامات اللہ کی طرف سے آتے رہے اس کا اجمالی نقشہ امت کے سامنے آجائے۔ (التعلیق الصبیح)

کیا وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے؟

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا) قَالَ: رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوا وَهُمْ عُجَالٌ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ وَأَعْقَابُهُمْ تَلَوُّحٌ لَمْ يَمْسَسْهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ.

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے منقول ہے ہم لوگ نبی کریم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹ رہے تھے یہاں تک کہ جب ہم راستہ میں پانی پر پہنچے تو کچھ لوگوں نے نماز عصر کے لئے وضو کرنے میں جلدی کی چنانچہ جب ہم ان لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں کیونکہ ان کو پانی نہیں پہنچا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے ان ایڑیوں کے لئے آگ سے، وضو کو پورا کرو۔“

لُعَاتِي: تَعَجَّلَ: فِي الْأَمْرِ، جلدی کرنا۔ عُجَالٌ: عَاجِلٌ کی جمع ہے، جلد باز، عَجَل (س) عَجَلًا، جلدی کرنا۔ فَانْتَهَيْنَا: إِلَى مَوْضِعٍ كَذَا پہنچنا۔ أَعْقَابُهُمْ: عَقَبٌ کی جمع ہے بمعنی ایڑی، بیٹا، پوتا، مراد اول معنی ہے۔ تَلَوُّحٌ: لَاح (ن) لَوْحًا الشَّيْءُ ظاہر کرنا۔ الْبَرَقُ: چمکنا۔ وَيْلٌ: برائی، شر، ہلاکت، جہنم کی ایک وادی، قال تعالی ﴿وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ﴾ أَسْبِغُوا: اُسْبِغْ، اِسْبَاغًا، کامل کرنا، پورا کرنا۔

تشریح: ”من مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ“: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک جماعت کسی غزوہ سے واپس ہو رہی تھی تو راستہ میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، ایک جگہ کچھ صاف و پاک پانی نظر آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جلدی سے وہاں پہنچ گئی جلدی جلدی میں جو وضو کیا تو ایڑیاں خشک رہ گئیں خشک رہنے کی وجہ سے وہ چمکنے لگیں۔ (۱)

”ویل للآعقاب“: ویل سے کیا مراد ہے؟ محدثین کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہیں مثلاً یہ جہنم کی ایک وادی ہے اس میں جہنمیوں کی پیپ وغیرہ جمع ہوتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد اس سے کنایہ ہے کہ سخت عذاب ہوگا۔ (۲) اعقاب سے مراد ”أَهْلُ الْأَعْقَابِ“ ہے ایڑیاں والے مطلب یہ ہے کہ ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کی ایڑیاں وضو میں خشک رہ گئی ہوں گی۔

”أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ“: یہ عجیب جملہ ہے یہی ایک جملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے فرائض، سنن، مستحبات، و آداب سب کچھ بیان فرما دیا۔ اس حدیث سے بھی علماء استدلال کرتے ہیں کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے یہ امت کا متفقہ

فیصلہ ہے اگر فرض نہ ہوتا تو آپ ﷺ اتنی سخت وعید نہ فرماتے۔ محدثین کرام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پاؤں دھونے والی روایات تو اتر تک پہنچ چکی ہیں جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر موزہ پہنے ہوئے ہوں تو اب پاؤں پر شرائط کے ساتھ مسح کیا جاسکتا ہے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب سنن الوضوء“ ص ۴۶ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور انہی راوی کے ساتھ ہے۔

تَحْنِیْجُ حَرِیْثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الطہارة (باب وجوب غسل الرجلین بکمالہما) و اخرجہ البخاری مع اختلاف یسیر فی کتاب الوضوء (باب غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین).

حالات راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما:

نام: عبداللہ، کنیت: ابو محمد اور عبدالرحمن۔ والد کا نام: عمرو بن العاص، والدہ کا نام ریط بنت منبہ تھا، قد لمبا پیٹ بھاری رنگ سرخ، اخیر عمر سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ اپنے والد سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے (اسد الغلابہ ۳/۲۳۳) آپ ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے جو کچھ آپ فرماتے فوراً اس کو لکھ لیتے (مسند احمد ۴/۱۹۲) دن میں عموماً روزہ رکھتے اور رات عبادت میں گذرتی تھی، یہ ذوق اس قدر بڑھا کہ آہستہ آہستہ اہل وعیال سے کنارہ کشی اختیار کر لی ان کے والد نے شکایت کی تو آپ ﷺ نے اس پر فرمایا ”عبداللہ روزے رکھو اور افطار کرو نمازیں پڑھو اور آرام کرو نیز بال بچوں کا حق بھی ادا کرو یہی میرا طریقہ ہے۔ جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ (مسند احمد ۴/۱۵۸)

وفات: ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرو نے نسطاط میں وفات پائی لوگوں نے گھر میں ہی دفن کر دیا کیونکہ اس زمانے میں مروان بن الحکم اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی فوجوں میں جنگ ہو رہی تھی جنازہ کو قبرستان تک لے جانا مشکل تھا۔ ان سے روایات کی مقدار ۷۰۰ ہے۔ بخاری اور مسلم میں ۷۱ مشترک ہیں اور ۸ بخاری میں اور ۲ مسلم میں متفرق ہیں (تہذیب ص ۲۰۸)۔

نماز کی برکت سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں

۳ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافُ فَآخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَالِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافُ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لِيُصَلِّيَ الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ فَتَهَافُ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا تَهَافُ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ.

ترجمہ: ”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ جاڑے کے موسم میں جب کہ پتے جھڑنے کا وقت تھا باہر تشریف لائے، آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں اور ہلایا تو پتے اور بھی زیادہ گرنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے ابو ذر! میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤمن بندہ خالصاً اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔“

لُغَاتُ: الشِّتَاءُ: سردی کا موسم، شَتَا (ن) شَتَوَا، جاڑے میں قیام کرنا، قَالَ تَعَالَى ﴿رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾ يَتَهَافُ: عَلَى الشَّيْءِ، لگا تار گرنے، (اکثر اس کا استعمال شرمیں ہوتا ہے) غُصْنٌ: شاخ، ذَالِی، جمع غُصُون، اَغْصَان آتی ہے۔ وَجْهٌ: اصلی معنی تو چہرہ ہے مراد خوشنودی ہے۔

تیسری ج: ”تَهَافَتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا تَهَافُ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ“: (نماز سے) گناہ ایسے ہی گرتے ہیں جیسے کہ یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں، اسی کے مثل ایک دوسری روایت بھی آتی ہے کہ حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا انہوں نے ایک درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اس کو حرکت دی جس سے اس کے پتے گر گئے، پھر مجھ سے کہنے لگے کہ ابو عثمان رضی اللہ عنہ تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا بتا دیجئے کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، آپ نے بھی درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا جس سے ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے، پھر آپ نے فرمایا کہ سلمان! پوچھتے نہیں کہ میں نے یہ کام اس طرح کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ بتا دیجئے کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلمان اچھی طرح وضوء کرتا ہے اور پانچوں نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی معاف ہو جاتے ہیں جیسے کہ یہ پتے گرتے ہیں۔

عَنْهُ ذُنُوبُهُ: اس سے گناہ گرتے ہیں۔ گناہ سے مراد محدثین کے نزدیک گناہ صغیرہ ہیں۔ کبیرہ گناہ کے لئے استغفار کرنا ضروری ہے استغفار کے بغیر کبیرہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الصلوٰۃ“ ص ۵۸ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور انہی راوی کے ساتھ ہے۔
پختیج حدیث: أخرجه الامام احمد في مسنده عن ابی ذر ۱/۱۶۹.

راوی حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام: جندب، ابوذر کنیت، مسیح الاسلام لقب، شروع اسلام میں مکہ میں مسلمان ہوئے، قد دراز، رنگ سیاہی مائل، ڈاڑھی گھنی، آخری عمر میں بال بالکل سفید ہو گئے تھے (ابن سعد ۴/۱۶۹) غزوہ خندق کے بعد سے سارا وقت آپ ﷺ کی خدمت میں رہے، اس سے پہلے اپنے قبیلہ غفار میں تھے (مسند احمد ۵/۱۷۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فطرۃ فقیر زہد پیشہ تارک الدنیا تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کہنے پر یا انہوں نے خود مقام ”ربذہ“ میں قیام کی خواہش کی اور وہاں ہی رہے اور وہاں ہی انتقال ہوا۔ وفات کے بعد ایک یمنی قافلہ جو کوفہ سے آ رہا تھا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے اس جگہ پر پہنچے تو انہوں نے بی ان کو غسل دے کر نماز جنازہ پڑھائی اور اسی جگہ پر دفن کر دیا گیا (متدرک حاکم ۳/۳۳۶) ان کی روایات کی تعداد ۲۸۱ ہے، ان میں سے ۱۲ بخاری اور مسلم دونوں نے مشترک نقل کی ہیں باقی بخاری ۲ میں اور مسلم ۷ میں منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال ۴۳۹)

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی سب سے بہتر دعا

① عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ أَيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَّتِهِ فَقَالَ لِي: سَلْ، فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ: أَوْغَيْرَ ذَلِكَ؟ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ قَالَ: فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ.

ترجمہ: ”ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں رات میں آپ ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا وضو کا پانی اور دوسری ضروریات پیش کیا کرتا تھا ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا مانگو، میں نے عرض کیا کہ میں تو جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کچھ اور مانگو، میں نے عرض کیا بس یہی، آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم کثرت سجدہ کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرنا۔“

لُعَانَتِكَ: اَيْتُ: بَاتَ (ض س) يَتَأَوِيَانَا وَيَتَوَتَّعُ فِي الْمَكَانِ، شَبَّاشِي كَرْنَا۔ بِوَضُوئِهِ: بفتح الواو، وضو کا پانی، بضم الواو، طہارت۔ مُرَافَقَةً: رفقہ، ساتھی ہونا۔
تَشْرِيجُ: ”بوضوئہ و حاجتہ“: وضو کے لئے پانی اور اس کی حاجت، ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد مساواک مصلیٰ وغیرہ مراد ہے۔ (۱)

”مرافقتک فی الجنۃ“: علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ قیمتی چیز مانگی کیونکہ ایک سچے خادم کی سب سے بڑی تمنا یہی ہوگی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جناب رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور خدمت کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے تو اسی طرح یہ سعادت رفاقت مہرنے کے بعد جنت میں بھی مل جائے جب محبوب مل جائے تو گویا کہ ساری ہی نعمتیں مل گئیں۔ (۲)

”بکثرة السجود“: آپ ﷺ نے فرمایا کثرت سجدہ سے اس دعاء کی مدد کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم میری دعاء پر توکل کر کے بیٹھ جاؤ بلکہ عبادت میں مزید کثرت کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ڈاکٹر یہ کہتا ہے کسی مریض کو کہ میں تمہارا علاج تو کرتا ہوں مگر تم پر ہیضہ ضرور کرو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ شفاء عطاء فرمادے گا اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو بھی فرمایا کہ میں دعاء تو ضرور کروں گا مگر تم بھی عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی حاصل کرنا صرف تمنا سے بات نہیں بنے گی بلکہ اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ (۳)

کارکن کار بگور از گفتار ❁ کاند رین راہ کار باید کار

تَرْجَمَةُ آ: عمل کرو اور زبانی جمع خرچ سے بچو کیونکہ اس راستہ میں تو صرف اعمال ہی کام آتے ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب السَّجود وفضلہ“ ص ۸۴ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ

ہے۔

تَخْرِیجِ حَدِیْث: اخرجہ مسلم فی باب فضل السَّجود والحث علیہ۔

راوی حدیث حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام ربیعہ، ابو فراس کنیت۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ اس وقت مسلمان ہوئے۔ یہ اگرچہ مدینہ کے رہنے والے نہیں تھے مگر مستقل مدینہ میں گھر بنالیا تھا (اسد الغابہ ۱۷۰/۲) انہوں نے اپنے آپ کو بالکل فارغ کر لیا تھا، اصحاب الصفہ میں سے تھے شادی نہیں کی آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پوچھا بھی، فرمایا کہ شادی کا ارادہ نہیں (مسند رک حاکم ۵۳۱/۳) سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے وضو وغیرہ کا پانی آپ ﷺ کے لئے رکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو کچھ زمین بھی عطاء فرمادی تھی جس سے ان کا گزارہ ہوتا تھا۔ وفات: ۶۳ھ میں اپنے قبیلہ میں انتقال ہوا وہیں مدفون ہوئے۔ (اسد الغابہ

(۱۸۱/۲)

صفوں کو تیر کی طرح سیدھا کرنا چاہیے

⑤ عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحُ حَتَّى رَأَى أَنَا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتَّى كَادَ أَنْ يُكَبِّرَ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ: عِبَادَ اللَّهِ لَتُسَوَّنَّ صُفُوفُكُمْ أَوْ لِيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وَجُوهِكُمْ.

ترجمہ: ”نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہماری صفیں اس طرح سیدھی فرمایا کرتے تھے کہ گویا کہ اس سے تیر کو سیدھا کرتے ہوں، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ ہم نے آپ سے یہ بات سمجھ لی، پھر ایک دن آپ نکلے اور کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر فرماتے، اتنے میں آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے تب آپ ﷺ نے فرمایا، اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی رکھو ورنہ اللہ تمہارے چہروں (دلوں) کے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔“

لُغَاتُكَ: يُسَوِّي: الشَّيْءُ، درست کرنا، سیدھا کرنا، سَوَّى (س) سَوَّى الرَّجُلُ، درست کام والا ہونا۔ الْقِدَاحُ: جمع ہے قِدْحٌ کی اس تیر کو کہتے ہیں جو بغیر پر اور دھار کے ہو اس کی جمع أَقْدَحُ، أَقْدَحُ اور قِدْحَان بھی آئی ہے۔ بَادِيًا: بَدَا (ن) بُدُوًا، ظاہر ہونا، صفت کا صیغہ ”بادِ“ ہے۔ لِيُخَالِفَنَّ: بِحَوْلِهَا إِلَى أَدْبَارِكُمْ الْمُرَادُ بِالْوُجُوهِ الذَّوَاتُ أَوْ الْقُلُوبُ۔ تَشْرِيحُ: ”يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحُ“: یہ مبالغہ کے طور پر فرمایا کہ ہماری صف اتنی سیدھی ہوتی تھی گویا کہ تیر کو بھی اس سے سیدھا کیا جاتا تھا۔ تیر کا قانون یہ ہے کہ جب تک بالکل سیدھا نہ ہو وہ آگے نہیں جاسکتا تو فرمایا گیا کہ ہماری صفوں سے تیر کو سیدھا کیا جاتا تھا خلاصہ یہ ہوا کہ ہماری صفیں تیر سے زیادہ سیدھی ہوتی تھیں۔ (۱) دوسرے بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں عبارت میں قلب ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ تیروں سے صفوں کو سیدھا کیا جاتا تھا۔ (۲)

”ليُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وَجُوهِكُمْ“: اللہ تمہارے چہروں میں اختلاف ڈال دیں گے، بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ جملہ حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ حقیقتاً چہرے کو بدل دے گا یعنی چہرہ مسخ ہو جائے گا اور پیٹھ کی طرف کر دیا جائے گا۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ مراد وجہ سے قلوب ہیں کہ اللہ دلوں میں اختلاف ڈال دیں گے اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ دل بدل دیے جائیں گے۔ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اگر ظاہری ہیئت کو صحیح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے باطنی احوال صحیح فرمادیتے ہیں۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تسوية الصف“ ص ۹۷ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ ہے۔

تحقیق حدیث: اخرجہ مسلم فی باب تسوية الصفوف واقامتہا۔

راوی حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نعمان نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام بشیر، والدہ کا نام عمرہ بنت رواحہ تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں انصار کے گھرانہ میں سب سے پہلے یہ پیدا ہوئے، بدر کے موقعہ میں ۳۴ ماہ کے تھے (اسد الغابہ ۱۸۱/۲) جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت ان کی عمر ۸ سال ۷ ماہ کی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کا (لیقوبی ۲/۲۲۸) اور پھر بعد میں یمن کا عامل بنایا تھا (لیقوبی ۲/۲۷۸) آخری زمانہ میں حمص کے امیر مقرر ہوئے، پھر یزید کی وفات تک وہاں پر ہی رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے خوب فیض حاصل کیا، ان سے روایات کی تعداد ۱۲۴ ہے، حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ کی خصوصیت یہ تھی کہ جب بھی فیصلہ کرتے اس پر حدیث کا حوالہ ضرور دیتے تھے (مسند امام احمد ۲/۲۷۲) وفات حمص میں ”ہران“ گاؤں میں ہوئی خالد بن عدہ الکلاک نے ان کو شہید کیا اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔



حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار باتیں سنیں

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلُ مَا قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

ترجمہ: ”عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا چنانچہ جب میں نے آپ کا چہرہ مبارک دیکھا میں نے پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو ارشاد فرمایا وہ یہ تھا کہ لوگو! سلام کو خوب پھیلاؤ (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو اور رات میں اس وقت نماز پڑھو جب کہ دوسرے لوگ سو رہے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

لُعَامَتُكَ: تَبَيَّنْتُ: تَبَيَّنَ الشَّيْءُ، وَاضِحٌ هُوَا۔ أَفْشُوا: أَفْشَاءُ الشَّيْءِ، پھیلاؤ، فَشَا (ن) فَشَوْا، فَشَوْا، سر ظاہر کر دینا۔ وَصَلُّوا: وَصَلَ (ض) وَصَلًا، جوڑنا، ملانا، جمع کرنا۔ الْأَرْحَامُ: الرَّحِمُ، وَالرَّحِمُ، بچہ دانی، قرابت رشتہ داری۔ نِيَامٌ: سونے والا، لیٹنے والا، نَامَ يَنَامُ..... سونا، مرنا۔

تشریح: ”ایہا الناس افشوا السلام“: جب عبداللہ بن سلام دربار اقدس میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلے ان کے کانوں میں یہ آواز پڑی ان میں سے پہلی یہ تھی کہ ”افشوا السلام“ سلام کو خوب پھیلاؤ، کہ اس کے ذریعہ سے باہمی الفت و محبت کو بڑھانے اور استوار کرنے کا موقع ملتا ہے، ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ ”السلام“ خدا کے ناموں میں سے ہے جس کو خدا نے زمین میں رکھ دیا ہے پس ”السلام“ کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔ (۱)

”وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ“: بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ دوسری احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے مثلاً بخاری میں آتا ہے کہ بیوہ اور مساکین کے لئے کوشش کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے مجاہد فی سبیل اللہ یا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ ایسا ہے جیسے ساری رات قیام کرنے والا اور روزہ رکھنے والا (۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کسی یتیم بچے کو ساتھ لئے بغیر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے (۳) حدیث بالا میں عام ہے کہ کھانا کھلاؤ اس میں تمام ضرورت مند داخل ہیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں، مسلمان ہوں یا کافر وغیرہ۔

”وَصَلُّوا الْارْحَامَ“: رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ایسا عمل بتادیں کہ وہ مجھے جنت میں لے جائے، فرمایا خدا کی عبادت کرو اس کا شریک نہ بناؤ نماز اچھی طرح ادا کرو زکوٰۃ دو اور قربات داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو^(۱) ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت ہو اور عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے^(۲) علماء فرماتے ہیں کہ رشتہ داروں پر صلہ رحمی کرنے میں دگنا ثواب ملتا ہے ایک تو اصل صدقہ کا دوسرا رشتہ داروں پر صلہ رحمی کا۔^(۳)

”وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ“: متعدد روایات میں قیام اللیل (تہجد) کے فضائل کو بیان فرمایا گیا ہے مثلاً ایک روایت میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جو ان کے اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں اور ان کے اندر سے باہر کی سب چیزیں نظر آتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو اچھی طرح بات کریں، لوگوں کو کھانا کھلائیں اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور ایسے وقت میں تہجد پڑھیں کہ جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔^(۴)

اسی طرح ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے جاگنے کو لازم پکڑ لو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کا قیام اللہ کی طرف سے تقرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کے لئے کفارہ ہے گناہوں سے روکنے والا اور مصیبت کو دور کرنے والا ہے۔^(۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضل الصدقة“ ص ۱۶۸ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ ہے۔
تَجْنِجُ حَدِيثًا: اخرجہ الترمذی فی ابواب صفة القيامة وقال حديث صحيح، و اخرجہ الدارمی فی فضل صلوة اللیل، وابن ماجہ فی باب ما جاء فی قیام اللیل.

راوی حدیث حضرت عبد اللہ بن سلام کے مختصر حالات:

نام عبد اللہ، ابو یوسف کنیت، جرقب، خاندان قیقاع سے تعلق تھا، ایام جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا آپ ﷺ نے بدل کر عبد اللہ فرمادیا۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو چند سوالات کرنے کے بعد اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ:
”فَإِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ عَالِمٌ أَهْلَ الْكِتَابِ وَفَاضِلُهُمْ فِي زَمَانِهِ بِالْمَدِينَةِ“ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۲)
تَوْجِیْہًا: عبد اللہ بن سلام مدینہ میں اہل کتاب کے سب سے بڑے عالم تھے۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ ان کے دو بیٹے تھے یوسف اور محمد۔ یوسف کو آپ ﷺ نے اپنی گود میں لیا سر پر ہاتھ بھی پھیرا نام بھی خود آپ ﷺ نے ان کا یوسف رکھا۔

جو صدقہ میں دیا وہی باقی رہ جاتا ہے

۷ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ: مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِفُهَا قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا.

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایک بکری ذبح کی (اہل بیت نے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کیا باقی رہ گیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ بجز شانے کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بجز شانے کے سب ہی باقی رہ گیا۔“

لُغَاتِي: كَتِفُهَا: شَانَهُ، كَنْدَهَا، جَمَعَ كَتَفَهُ، أَكْتَفَ آتَى هـ۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ جو اللہ کے لئے خرچ کر دیا گیا وہ تو حقیقت میں باقی ہے کہ اب وہ اللہ کے خزانے میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا اور پھر اس پر قیامت کے دن ثواب ملے گا اور جو باقی رہ گیا وہ نہ معلوم کہاں خرچ ہو جائے۔ اس میں اشارہ ہے قرآن کی اس آیت کی طرف ﴿مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ جل شانہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے“ (۱) ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال اس کے سوا اس کا کچھ نہیں جو کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا اللہ کے راستے میں خرچ کر کے ذخیرہ کر لیا، اس کے علاوہ جو کچھ رہ گیا وہ سب ختم ہونے والا ہے۔ (۲) حضرت سہل عبد اللہ بن ستری رحمہ اللہ کے راستے میں بہت صدقہ دیا کرتے تھے ان کی والدہ اور بھائیوں نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے ان کی شکایت کی کہ یہ سب کچھ خرچ کرنا چاہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ یہ چند دنوں میں فقیر ہو جائیں گے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سہل رحمہ اللہ سے دریافت فرمایا انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی بتائیں کہ اگر کوئی مدینہ طیبہ کا رہنے والا استاق میں (جو ملک فارس میں ایک شہر کا نام ہے) زمین خرید لے اور پھر وہاں منتقل ہونا چاہے تو کیا وہ مدینہ طیبہ میں کوئی چیز چھوڑے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ کہنے لگے بس یہی بات ہے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب فضل الصدقة“ ص ۱۶۹ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ

مذکور ہے۔

مُخْرَجُ حَدِيثٍ: اُخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ فِي ابْوَابِ صِفَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

راویہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات:

نام عائشہ اور خُمر القُب ہے، ام عبد اللہ کنیت، والد کا نام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، والدہ کا نام زینب تھا ام رومان کنیت تھی۔ بعثت سے چار برس بعد شوال میں پیدا ہوئیں۔ پہلے جبیر بن مطعم کے صاحب زادے سے منسوب ہوئی تھیں مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آپ رضی اللہ عنہا سے اجازت لے کر ام رومان سے کہا پھر انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ کر پانچ سو درہم مہر سے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا۔ امام زبیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔ ان سے (۲۲۱۰) احادیث مروی ہیں (۱۷۴) پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا، بخاری میں (۵۴)، اور مسلم میں (۶۸) احادیث منفرد ہیں، (تہذیب الکمال) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں رمضان ۶۸ھ میں انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر ۶۸ سال تھی، جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔



مرنے والا راحت پاتا ہے یا اس سے راحت پائی جاتی ہے

① عَنْ أَبِي قَتَادَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ: مُسْتَرِيحٌ أَوْ مُسْتَرَاخٌ مِنْهُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاخُ مِنْهُ فَقَالَ: الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نُسُوبِ الدُّنْيَا وَآذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللَّهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ.

ترجمہ: ”حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ایک جنازہ گزرا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ راحت پانے والا ہے یا اس سے لوگوں کو راحت مل گئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! راحت پانے والا اور جس سے دوسروں کو راحت مل گئی وہ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مؤمن بندہ اپنی موت کے ذریعہ دنیا کی رنج و اذیاء سے راحت پاتا ہے اور خدا کی رحمت کی طرف چلا جاتا ہے اور نافرمان بندہ کے مرنے سے اس سے شر و فساد سے بندے، شہر، درخت اور جانوروں کو راحت ملتی ہے۔“

لِغَاثِكِ: الْمُسْتَرِيحُ: اِسْتَرَاحَ، اِسْتِرَاحَةً، اَرَامَ، پانا، اِلَيْهِ سَكُونُ پانا، اسم فاعل مُسْتَرِيحٌ اور اسم مفعول مُسْتَرَاخٌ ہے۔ اذاهَا: (س) اَذَى وَآذَاءٌ، تَكْلِيفُ پانا۔ الذَّوَابُّ: جمع ہے بمعنی ہر رنگینے والا جانور۔

تشریح: جب کوئی نیک آدمی دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی موت کے ذریعہ سے اس پر جو دنیا کے رنج و غم تھے وہ اس سے نجات پا گیا۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ اعمال وغیرہ کی مشقت و محنت سے اب وہ بچ گیا بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اہل دنیا کی اذیاء تکالیف سے موت کے ذریعہ بچ گیا۔ تمام معنی ہی مراد ہو سکتے ہیں ان میں آپس میں کوئی تضاد نہیں (۱) ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رحمہ اللہ کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی چیز پر کبھی اتنا رشک نہیں آتا جتنا رشک اس مؤمن پر آتا ہے جو قبر میں سلا دیا جاتا ہے کیونکہ وہ دنیا کی مشقتوں سے راحت پالیتا ہے۔ (۲)

”یستریح منه“: جب کوئی گناہ گار آدمی دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی موت کے ذریعہ سے سب چیزوں کو راحت نصیب ہو جاتی ہے کیونکہ نظام عالم اس انسان کے ساتھ چلتا ہے جب یہ درست ہوگا تو نظام عالم درست اور جب یہ غلط ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے تمام عالم میں خرابی آتی ہے (۳) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد فاجر کی موت سے سب کو راحت پہنچتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بارش وغیرہ بند ہوتی ہے جس کی وجہ سے درختوں اور جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے وغیرہ جب یہ مرا تو بارش وغیرہ کی وجہ سے درختوں اور جانوروں کو راحت ملی۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تمنی الموت“ ص ۱۳۹ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ ہے۔

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم فی کتاب الجنائز عنہ، واخرجہ البخاری فی کتاب الرقاق (باب سكرات الموت)

راوی حدیث حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام حارث تھا، ابوقادہ کنیت، فارس رسول اللہ لقب۔ ہجرت سے تقریباً ۱۰ سال پہلے پیدا ہوئے۔ عقبہ ثانیہ کے بعد اسلام میں داخل ہوئے۔ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ کا عامل بنایا ہوا تھا۔ خدا اور رسول سے بہت زیادہ خوف کھانے والے تھے خاص کر کے جب انہوں نے ”کَذِبَ عَلَيَّ الرَّسُولُ“ والی روایت سنی تو اور زیادہ محتاط ہو گئے (مسند امام احمد ۷۹۲) ان کی مرویات کی تعداد ۱۷ ہے۔ سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے، بعض نے ۴۰ھ کہی، اور کوفہ میں انتقال فرمایا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ۵۰ھ اور ۶۰ھ کے درمیان انتقال ہوا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اوسط میں یہی لکھا ہے اور اس پر دلائل دیئے ہیں۔



روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں جب تک اس کے سامنے کھانا کھایا جائے

۹ عَنْ بُرَيْدَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: دَخَلَ بِلَالٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَغَدَّى فَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْغَدَاءُ يَا بِلَالُ قَالَ: إِنِّي صَائِمٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَأْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِي الْجَنَّةِ أَشْعَرْتُ يَا بِلَالُ إِنَّ الصَّائِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهُ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَكُ مَا أَكَلَ عِنْدَهُ.

ترجمہ: ”حضرت بريدة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کھانا کھا رہے تھے آپ نے بلال کو آواز دے کر فرمایا کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں روزے سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تو اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بہترین رزق بلال کا جنت میں ہے بلال کیا تم یہ جانتے ہو کہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں اور فرشتے اس کی بخشش کی دعاء کرتے رہتے ہیں جب تک اس کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے۔“

لُعَاتِكِ: تَعَدَّى: غَدَى (س) عَدَا، صَحَّ كَأَكْهَانَا، اس کے مقابل میں عشا آتا ہے شام کا کھانا۔ فَضِلْ: (س ك) فَضْلًا، صاحب فضل ہونا، صاحب فضیلت ہونا۔ أَشْعَرْتُ: شَعَرَ (ن. ك) شِعْرًا وَشُعُورًا لَهُ بِهِ، جانا سمجھنا، محسوس کرنا۔ عِظَامُ: جمع عَظْم بمعنی ہڈی۔

تَشْرِیح: ارشاد مبارک کا مقصود روزہ کی اہمیت و فضیلت کو بیان کرنا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں ایک کا نام ریان ہے اس میں صرف روزے دار داخل ہوں گے (۱) ایک جگہ ارشاد عالی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشی کے لئے ایک دن روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے دوزخ اڑتے ہوئے کوئے کی مسافت کے بقدر دور رکھتا ہے جو بچہ ہو اور بوڑھا ہو کر مرے (۲) کہا جاتا ہے کہ کوئے کی عمر ہزار برس ہوتی ہے یعنی اگر کوئی ابتداء عمر سے انتہا تک اڑتا رہے تو اندازہ کرو کہ کتنی مسافت طے کرے گا۔ (۳)

امام بیہقی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے دار کا سونا عبادت ہے اور اس کی خاموشی تسبیح ہے اس کا عمل مضاعف ہے اس کی دعاء مقبول ہے اور اس کے گناہ بخشے ہوئے ہیں (۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کے لئے زکوٰۃ ہے اور روزہ رکھنا بدن کی زکوٰۃ ہے (۵) زکوٰۃ کے معنی طہارت و پاکیزگی کے آتے ہیں

اور زکوٰۃ سے مال پاک ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے یعنی جسمانی صحت تندرستی اور بدن کی روحانی پاکیزگی و طہارت کا ذریعہ ہے ^(۱) یعنی روزہ دنیا و آخرت کے اعتبار سے انعامات سے مملوء عبادت ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں باب (بلا ترجمہ) ص ۱۸۱ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ ہے۔
 تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشکوٰۃ فی کتاب الصوم الی البیهقی فی شعب الایمان، و اخرجه ابن
 ماجه (باب فی الصائم اذا اکل عنده).

راوی حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام بریدہ، کنیت ابو عبد اللہ۔ عین ہجرت کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ ۶ھ میں یا اس سے کچھ پہلے ہجرت کا شرف حاصل کیا (طبقات ابن سعد ۴/۱۷۸) سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا (اسد الغابہ ۲/۱۷۵) آپ ﷺ کے ساتھ بے تکلفانہ ملتے تھے آپ ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ تعلق تھا۔ ۸ھ میں آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی اس میں بھی یہ ہمراہ تھے چنانچہ خود بیان کرتے تھے کہ فتح کے دن آپ ﷺ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں (بخاری جلد ۲ مسند احمد ۵/۳۵۰) آپ ﷺ کے ساتھ تقریباً ۱۶ غزوات میں شریک ہوئے (بخاری) آخری لشکر جو آپ نے مرض الموت میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی میں تیار فرمایا اس میں یہ شریک تھے (طبقات ابن سعد ۱۳۶) ان سے مرویات کی تعداد (۱۶۴) ہے ان میں سے ایک بخاری و مسلم دونوں میں ہے باقی (۲) بخاری میں اور (۱۱) مسلم میں منفرد ہیں (تہذیب الکمال ص ۴۷) ۶۳ھ میں یزید کے عہد میں وفات پائی۔

اجازت لینے کا صحیح طریقہ

۱۰ عَنْ جَابِرٍ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِينٍ كَانَ عَلَى أَبِي فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقُلْتُ: أَنَا فَقَالَ: أَنَا أَنَا كَأَنَّهُ كَرِهَهَا.

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس قرض کے بارے میں جو میرے والد کے ذمہ تھا، میں نے دروازے پر دستک دی آپ نے فرمایا کہ کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں میں، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس طرح جواب دینے کو ناپسند فرمایا ہے۔“

لُغَاتُ: فَدَقَقْتُ، دَقَّ (ن) دَقًّا، الْبَابُ، كَهْكُثَانًا۔

تشریح: ”فی دین کان علی امی“: اس قرض کے سلسلہ میں جو والد پر تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ان کے والد ماجد حضرت عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے ان پر لوگوں کا قرض تھا جب قرض خواہوں نے تنگ کرنا شروع کیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس تھوڑی سی کھجوریں تھی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ تمام قرض خواہوں کو بلا کر وہ کھجوریں تقسیم فرمانا شروع کی اس میں اتنی برکت ہوئی کہ تمام کا قرض بھی ادا ہو گیا اور کھجور بھی باقی رہی۔ (۱)

”فقال أنا أنا كأنه كرهها“: میں نے کہا کہ میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بھی اپنے جامع میں علی بن عاصم واسطی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو حاضر ہوئے دروازہ پر دستک دی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ تو جواب دیا ”أنا“ (میں ہوں) تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نام کا نہیں جس کا نام ”أنا“ ہو۔ پھر باہر تشریف لائے اور ان کو حدیث بالا حضرت جابر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ والی سنائی۔ حدیث بالا سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرنے کے بعد اپنا پورا نام بتانے اور پھر اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے دروازے پر یہ کیا ”السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ عُمْرًا“ سلام کرنے کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو جائے؟ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاستیذان“ ص ۴۰۰ پر ہے۔ پوری حدیث بھی یعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ ہے۔

تَحْتِجْ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری فی کتاب الاستیذان، واخرجه مسلم فی کتاب الادب (باب کراهة قول المستأذن أنا اذا قيل من هذا).

راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام جابر، ابو عبد اللہ کنیت۔ عقبہ ثانیہ میں اپنے والد کے ساتھ مسلمان ہوئے اس وقت ان کی عمر ۱۸-۱۹ سال تھی۔ حدیث حاصل کرنے کا شوق حد سے زیادہ تھا۔ ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں کا سفر فرماتے تھے۔

عبد اللہ بن انیس رضام میں تھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس ایک حدیث ہے اونٹ خرید اور وہاں پہنچے (ابو المفرد، بخاری) سلمہ بن مخلد سے حدیث سننے مصر کا سفر کیا (طبرانی) متعدد حج کئے دو کا تذکرہ حدیثوں میں آتا ہے۔ پہلا حج حجۃ الوداع دوسرا ایک اور جس میں محمد بن عباد بن جعفر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پوچھا تھا۔ (مسند احمد ۳/۲۹۶) ان کی روایات کی تعداد ۵۴۰ ہے۔ ۹۴ سال میں حجاج کے ظلم و ستم کے سال انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ حجاج بن یوسف میرا جنازہ نہ پڑھائے اس بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ بعض تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب حجاج بن یوسف کو انتقال کی خبر ملی وہ آیا اور نماز جنازہ بھی اسی نے پڑھائی۔ (تہذیب التہذیب)

بعض کو بعض کی وجہ سے روزی دی جاتی ہے

① عَنْ أَنَسٍ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: كَانَ أَخَوَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ.

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے جن میں ایک تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور دوسرا بھائی کمائی کرتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ کمانے والے بھائی نے اپنے اس بھائی کی آپ ﷺ سے شکایت کی اس پر آپ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس کی ہی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔“
لُغَاتٌ: يَحْتَرِفُ: اِحْتَرَفَ، پیشہ اختیار کرنا، تلاش کرنا، حیلہ کرنا، کمائی کرنا۔

تشریح: ”والاخر يحترف“: اس حدیث میں دو بھائیوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے ان میں سے ایک تو کمائی کرنے والا تھا دوسرا بھائی حصول معاش سے بے فکر ہو کر اطاعت و عبادات اور حصول علم میں وقت گزارتا تھا اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کوئی شخص حصول علم یا دینی خدمات کی خاطر اپنی دنیاوی مشغولیات کو ترک کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ (۱)

دوسرا مسئلہ اس حدیث بالا سے یہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ ضرورت مند اور غریب اعضاء کی خبر گیری اور ان کی مالی امداد کرنے سے آدمی کے اپنے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ (۲)

”لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ“: ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس کی ہی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ رازق کی ذات تو اللہ کی ہے کبھی آدمی بہت زیادہ سمجھ دار اور پڑھا لکھا ہوتا ہے مگر روزی اس سے بہت دور ہوتی ہے اور کبھی معاملہ اس کے برعکس بھی دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ روزی کا تعلق آدمی کی کمائی پر منحصر نہیں ہے تو یہاں پر بھی آپ ﷺ نے اس کے بھائی کو سمجھایا کہ ممکن ہے کہ تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ یہ احسان کہ اس کی معاشی ضروریات کا بوجھ برداشت کر کے اس کو دین کے لئے فارغ کرنا یہی بات اللہ کو پسند آئی ہو جس کی بناء پر اللہ تم کو روزی دے رہے ہوں جب یہ صورت ہے تو اب تم کو احسان جتلانا اور شکایت کرنی صحیح نہیں ہے۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب التَّوَكُّلِ وَالصَّبْرِ“ ص ۴۵۳ پر انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔
تَخْرِجُ حَدِيثًا: أخرجه الترمذی فی أبواب الزهد (باب ماجاء فی الزهاده فی الدنيا).

راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام انس، ابو حمزہ کنیت، خادم رسول اللہ ﷺ لقب تھا، والدہ کا نام ام سلیم سہلہ تھا آپ ﷺ کی خالہ ہوتی تھیں، حضرت انسؓ ہجرت نبوی سے دس سال پہلے مدینہ میں ہی پیدا ہوئے، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوطالبؓ نے حضرت انسؓ کو آپ ﷺ کی خدمت کے لئے پیش فرمایا آپ نے اس کو قبول فرمالیا، پھر سفر حضر میں ساتھ ساتھ ہی ہوتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بحرین کا عامل بنایا ہوا تھا حضرت انسؓ مکہ بن صحابہ سے ہیں جن کی روایات کی تعداد (۱۲۸۶) جن میں سے بخاری میں (۸۰) مسلم میں (۷۱) روایات منفرد ہیں اور (۱۲۸) روایات میں بخاری اور مسلم متفق ہیں، ۱۰۳ سال کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی، آخری صحابی یہی تھے جن کا انتقال ہوا۔ فسطون بن مدرک کا بانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔



مجلس میں آنے والے کے لئے کھسک جانا بھی آداب مجلس میں داخل ہے

۱۷ عَنْ وَائِلَةَ بِنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحَّزَحَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا إِذَا رَأَاهُ أَخُوهُ أَنْ يَتَزَحَّزَحَ لَهُ.

ترجمہ: ”حضرت وائلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جب کہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، رسول اللہ ﷺ اس شخص کے لئے اپنی جگہ سے کچھ کھسک گئے اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بیٹھنے کی جگہ تو کافی کشادہ تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، یہ مسلمان کا حق ہے کہ جب وہ اپنے بھائی کو دیکھے تو اس کے لئے کھسک جائے۔“

لُغَاتُكَ: فَتَزَحَّزَحَ: دور ہونا، ہٹنا قال تعالى ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾. سَعَةً: وَسِعَ (ض. ح) سَعَةً وَسِعَةً الْمَكَانَ، کشادہ ہونا، گنجائش ہونا قال تعالى ﴿لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ﴾.

تشریح: اس حدیث میں آداب مجلس میں سے ایک اہم ادب کی طرف اشارہ ہے کہ جب بھی مجلس میں کوئی مسلمان بھائی آ کے بیٹھنا چاہے تو بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ اس کے لئے کھسک جائیں اگرچہ مجلس میں جگہ موجود ہی ہو جیسے کہ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے اس سے آنے والے کے دل میں اہل مجلس کی قدر پیدا ہو جائے گی دوسری شریعت نے آنے والے کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ آئے تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے جمع کو چیرتے اور کودتے پھلا نکتے ہوئے آگے جانے کی کوشش نہ کریں ایسا کرنے سے پہلے آنے والوں اور بیٹھنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ایسا کرنے والوں میں بڑائی اور غرور کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ بات تو اس سے بھی زیادہ بری ہے کہ بعد میں آنے والے پہلے بیٹھنے والوں کو ان کی جگہ سے اٹھا کر خود ان کی جگہ بیٹھ جائیں اس کی مخالفت تو احادیث صحیحہ سے بھی ہوتی ہے۔ ”لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ فَيَجْلِسَ فِيهِ وَلَكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا“ (۱) کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آگے والے کو جگہ دے دیا کرے اس سے دوسروں کے دل میں نفرت اور کدورت پیدا ہوتی ہے اور اس میں اپنے کو بڑا سمجھنے اور اہمیت جتانے کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب القیام“ ص ۴۰۴ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: رواه صاحب المشكوة (في باب القيام وعناه الى البهيقي في شعب الايمان). بخاری
ومسلم مسند احمد عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالى عنه.

راوی حدیث حضرت واثلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

یہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب کے بھائی ہیں، قبیلہ قرشی عدوی سے تعلق رکھتے ہیں، ان سے حضرت عمر بہت محبت کرتے تھے، ان کے انتقال پر
حضرت عمر کو بہت دنوں تک افسوس رہا، ان سے صرف یہی ایک روایت منقول ہے۔



کھانا سیدھے ہاتھ سے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا چاہئے

۱۳ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: كُنْتُ غُلَامًا فِي حِجْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَمِ اللَّهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.

ترجمہ: ”حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور میرا ہاتھ رکابی میں گھوم رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اس جا نب سے کھاؤ جو تمہارے نزدیک ہے۔“

لُغَاتُكَ: غُلَامًا: نوجوان، غلام، مزدور جمع غُلَمَانٌ، غِلْمَةٌ. حِجْرٌ: الْحِجْرُ، الْحَجَرُ، گود، عقل، گھوڑی، الْحَجَرُ، پتھر قال تعالى ﴿حَرِّثُ حِجْرًا﴾. تَطِيشٌ: طَاشَ (ض) طَيْشًا، گردش کرنا، عقل زائل ہونا۔ صَحْفَةٌ: بڑا پیالہ جمع صِحَافٌ قال تعالى ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ﴾. سَمِ: سَمَى، يُسَمِّي، تَسْمِيَةً، بسم اللہ کہنا۔ يَلِيكَ: وَلِي، وَلِيًّا، قَرِيبًا، قَرِيبٌ ہونا، متصل ہونا۔

تشریح: اس حدیث میں کھانے کے آداب میں سے تین بنیادی اور اہم آداب کو بیان کیا گیا ہے:

اول: ”سَمِ اللَّهَ“: کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جب کھانا کھانے والا بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان بھی کھانے میں شریک ہو جاتا ہے اور جب وہ پڑھتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے (۱) ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جب شروع میں آدمی بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو درمیان میں یاد آنے پر یوں پڑھ لے ”بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ“ (۲) ایک دسترخوان پر جتنے آدمی بیٹھے ہوں سبھی کے لئے بسم اللہ پڑھنا لازمی و ضروری ہے۔ (۳)

دوم: ”کل بيمينك“: دائیں ہاتھ سے کھائے ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، علامہ توربشتی رحمہ اللہ کے بقول بائیں ہاتھ سے کھانے والا شیطان کے زیر اثر و تابع دار ہو جاتا ہے وہ اس کو بائیں ہاتھ سے کھانے پینے پر ابھارتا ہے۔

سوم: ”کل مماليك“: تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانے کے برتن میں آدمی اپنے سامنے سے کھائے جب کہ ایک قسم کا کھانا ہو اور اگر مختلف قسم کی چیزیں ہوں مثلاً میوے وغیرہ تو اب اختیار ہے کہ جو پسند ہو اس کو کھائے۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الاطعمۃ“ ص ۳۶۳ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْرِیجُ حَدِیْثِ: اخرجہ البخاری فی کتاب الأطعمة (باب ما یقول علی الطعام والأکل بالیمین) و اخرجہ مسلم فی کتاب الأشربة (باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما) ببعض نقص وزيادة.

راوی حدیث حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

یہ حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں۔ ہجرت سے دو سال پہلے حبشہ میں پیدا ہوئے، اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اور جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا اس وقت یہ بچے تھے (نسائی) اس لئے بعد میں آپ ﷺ کی پرورش میں آ گئے۔ بچے تھے اس لئے سیکھنے کا خوب موقع ملا۔ یہ آپ ﷺ سے بھی اور اپنی والدہ سے بھی روایات نقل کرتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/۴۰۸) عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں انتقال ہوا (اسد الغابۃ) ابن الاثیر فرماتے ہیں کہ انتقال ۸۳ھ میں ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/۴۰۸)



بسم اللہ پڑھنے کی برکت

﴿عَنْ أُمِّهِ بْنِ مَحْشِيٍّ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهِ إِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهُ، فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ اسْتَقَاءَ مَا فِي بَطْنِهِ.﴾

ترجمہ: ”امیہ بن محشیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کھانا کھا رہا تھا اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی یہاں تک کہ صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا جب اسے اٹھا کر اپنے منہ کی طرف لے جانے لگا تب اس نے پڑھا ”بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ“ یہ دیکھ کر آپ ﷺ ہنسنے لگے پھر فرمایا، شیطان اس شخص کے ساتھ برابر کھاتا رہا لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا تو شیطان نے قے کردی جو کچھ اس کے پیٹ میں گیا تھا۔“

لُغَاتُ: لُقْمَةٌ: بِالضَّمِّ لُقْمَةٌ، یعنی جتنی چیز ایک بار میں نگل سکے جمع لُقْمٌ، اللَّقْمَةُ، الطَّعَامُ، لقمہ بنانا۔ فِيهِ: مِنْهُ جَمْعُ أَفْوَاهٍ. اسْتَقَاءَ: بِهِ تَكْلَفٌ قے کرنا قَاءَ (ض) قَيْئًا مَا أَكَلَهُ، قے کرنا۔

تشریح: اس حدیث پاک میں بسم اللہ کے پڑھنے کی برکت کا ذکر ہے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے صرف بسم اللہ بھی پڑھ لی تو بھی کافی ہے اور اس سے بھی سنت ادا ہو جائے گی مگر افضل اور بہتر یہ ہے کہ پوری ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ پڑھی جائے۔ ایک دوسری روایت میں ”بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى بَرَكَاتِهِ“ بھی دعاء منقول ہے (۱) بسم اللہ کھانے سے پہلے پڑھنا ہر ایک کے لئے مسنون ہے خواہ مرد ہو یا عورت جنبی ہو یا حائضہ، یا نفاس میں۔

مگر علماء کرام فرماتے ہیں، جنبی، حیض اور نفاس والی عورت اس کو پڑھتے وقت تلاوت کی نیت نہ کرے بلکہ ذکر کی نیت کرے ورنہ پڑھنا حرام اور ناجائز ہوگا۔

”شیطان انسان کے کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔“ اکثر علماء کرام اس کو حقیقت پر محمول فرماتے ہیں کہ حقیقت میں شیطان کھانے لگتا ہے جب اول بسم اللہ نہ پڑھے۔ بعض علماء کرام اس کو مجاز پر محمول کرتے ہیں کہ بسم اللہ نہ پڑھنے سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

”استقاء مافی بطنہ“: شیطان نے سب کچھ قے کر دیا جو اس کے پیٹ میں تھا۔ بعض محدثین کرام اس کو بھی حقیقت پر محمول فرماتے ہیں کہ شیطان نے حقیقت میں سب کچھ قے کر دیا ہے، بعض علماء کرام اس کو مجاز پر محمول فرماتے ہیں کہ بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ سے جو برکت ختم ہو رہی تھی وہ سب پھر واپس لوٹ آئی۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الاطعمۃ“ ص ۳۶۵ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور انہی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِیجِ حَدِیْث: اخرجہ ابوداؤد فی باب التَّسْمِیَةِ عَلَی الطَّعَامِ، وَاخْرَجَهُ أَحْمَدُ فِی مَسْنَدِهِ مَعَ اخْتِلَافٍ یَسِیر۔

راوی حدیث حضرت امیہ بن مخشیؓ کے مختصر حالات:

امیہ بن مخشیؓ قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے ہیں ان کو مخشی کہتے ہیں میم مفتوح اور خا سا کن اور شین مکسور اور یاء مشدّد ہے۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے ان سے طعام کے بارے میں حدیث آئی ہے اور ان سے روایت کرنے والے عموماً ان کے بھتیجے شی بن عبد الرحمن ہیں۔



آداب سفر کی تعلیم

۱۵ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلَاثَةٍ عَلَى بَعِيرٍ فَكَانَ أَبُو لُبَابَةَ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ زَمِيلَي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَكَانَتْ إِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا: نَحْنُ نَمْشِي عَنْكَ قَالَ: مَا أَنْتُمَا بِأَقْوَى مِنِّي وَمَا أَنَا بِأَغْنَى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا.

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن ہماری حالت یہ تھی کہ ہم میں سے ہر تین آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے چنانچہ حضرت ابولبابہ، حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو ان دونوں نے عرض کیا کہ آپ کے بدلے میں ہم پیدل چلیں گے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ ہی آخرت کے ثواب حاصل کرنے میں میں میں مستغنی ہوں۔“

لُغَاتُكَ: يَوْمٌ: بمعنى دن، وقت، جمع أَيَّام. بَعِيرٌ: وہ اونٹ جس کی عمر چار سال یا نو سال ہو، جمع بُعْرَانِ آتی ہے۔ زَمِيلِي: سواری پر پیچھے بیٹھنے والا، ساتھی، ہم جماعت، جمع زُمَلَاء. عُقْبَةُ: باری، جمع عُقَب، آتی ہے۔

تَشْرِيحٌ: ”نحن نمشي عنك“: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر کس درجہ انکساری اور تواضع تھی۔ آدمی ان ہی صفات سے بڑا بنتا ہے اگر تواضع و انکساری آدمی میں نہ ہو تو پھر تکبر و غرور جگہ پکڑ لیتی ہے، پھر آدمی اپنے آپ کو خود ہی بڑا سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نگاہ میں ذلیل ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ”مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ“ (۱) جو تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اللہ اس کو پست کرتا ہے۔

اس حدیث سے دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ رکھتے تھے کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی تھی (۲) جیسے کہ اس حدیث میں ہے کہ جہاں پر آپ کے پیدل چلنے کی باری آتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلتے اسی طرح مسجد نبوی کے بناتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عام صحابہ کی طرح محنت فرما رہے تھے اور پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اور اسی طرح جب سفر میں کھانا پکانے کا مسئلہ آیا تو سب نے اپنے اپنے کام کو تقسیم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے لئے جنگل سے لکڑی لانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ (۳)

”قال ما أنتما بأقوى مني“: اس جزء سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا کی طرف اپنا احتیاج اور بے چارگی کا اظہار کرنا ہے۔ اگرچہ آپ معصوم تھے اور خدا کے سب سے زیادہ قریب تھے (۴) اس کے باوجود خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب آداب السفر“ ص ۳۳۹ پر ہے پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور انہی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: رواه البغوی فی شرح السنّة كما عزاہ صاحب المشکوٰۃ.

راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام عبداللہ، عبد الرحمن کنیت، والد کا نام مسعود، والدہ کا نام ام عبد تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں، سر سے کانوں تک خوبصورت لمبی زلف تھی (طبقات ابن سعد ۱۱۳/۳) ابتداء میں بکریوں اور بھیڑوں کو چراتے تھے ایک واقعہ کے بعد مسلمان ہوئے اور پھر ہمیشہ کے لئے اپنی پوری زندگی آپ ﷺ کی خدمت میں وقف کر دی۔ اولاً حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ منورہ میں مستقل ہجرت کر کے چلے گئے۔ فقہ حنفی کا دار و مدار زیادہ تر آپ رضی اللہ عنہ کی ہی روایات پر ہے۔ ان سے مرویات کی تعداد (۸۴۸) ہے ان میں سے (۶۴) بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، باقی (۲۱) بخاری میں اور (۳۵) مسلم میں الگ الگ ہیں (تہذیب الکمال) عمر مبارک ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی ۲۳ھ میں انتقال ہوا۔ صحیح روایت کے اعتبار سے جنازہ کی نماز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور پھر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ۱۱۳/۳)



نجاتِ آخرت کا ذریعہ

۱۶ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ: أَمْلِكُ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلَيْسَعَكَ بَيْنَكَ وَابْنِكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ.

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ (دنیا اور آخرت میں) نجات کی کیا صورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبان اپنے قبضہ میں رکھو اور تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔“

لُعَاتِكَ: أَمْلِكُ: (ض) مَلِكًا، مَلِكًا الشَّيْءَ، مَالِكٌ هُوَ: ابْنُكَ: (ض) بُكَاءٌ. رَوَاهُ: خَطِيئَتِكَ: بمعنى گناہ جمع خطايا، خَطِيئَتِي (س) خَطَاءٌ بمعنى غلطی کرنا۔

تشریح: ”ما النجاة“: دنیا اور آخرت کی بھلائی اور کامیابی کا کیا راستہ ہے۔

”أَمْلِكُ عَلَيْكَ لِسَانَكَ“: اپنی زبان کو ایسی چیزوں اور ایسی باتوں سے محفوظ رکھو کہ جن میں خیر و بھلائی نہ ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی زبان کو بند رکھو اور اپنے اعمال کی نگہداشت رکھو اور اپنی برائیوں اور بھلائیوں پر نظر رکھو اسی میں نجات مضمّن ہے (۱) اسی جملہ سے امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومن بات کم اور کام زیادہ کرتا ہے اور منافق کام کم اور بات زیادہ کرتا ہے۔ (۲)

”وَلَيْسَعَكَ بَيْنَكَ“: تمہارا گھر تمہاری کفایت کرنے والا ہو کہ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر زیادہ مت رہو کہ اس کی وجہ سے آدمی بہت سے گناہوں اور فتنوں سے بچ جاتا ہے (۳) علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقصود اس جملہ سے یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں یکسوئی اور گوشہ نشینی اختیار کر کے دل جمعی کے ساتھ اپنے مولیٰ کی عبادت کرے۔ (۴)

”وابنك على خطيئتك“: روو اپنی خطاؤں پر۔ ایک دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب آنکھیں روئیں گی بجز تین آنکھوں کے: ① جو آنکھ خدا کے خوف سے (دنیا میں) روتی ہو۔ ② اللہ کی حرام کردہ چیزوں پر بند ہو جاتی ہو۔ ③ خدا کی راہ میں جاگی ہو۔ (۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ جو دنیا میں ہنستے ہوئے گناہ کرتے ہیں وہ جہنم میں روتے ہوئے جائیں گے۔ (۶)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۳ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

پتخینج حدیث: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزهد (باب ماجاء فی حفظ اللسان) وقال حدیث حسن، واخرجہ أحمد فی مسنده ۴/ ۱۴۸۔

راوی حدیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام عقبہ، ابو عمر و کنیت تھی۔ آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ مسلمان ہوئے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ عقبہ رضی اللہ عنہ فقیہ، کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے ماہر، فصیح اللسان، شاعر سب کچھ کے جامع تھے (تذکرہ الحفاظ ۱/ ۳۶) قرآن کی تلاوت کے ساتھ خاص شغف تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک قرآن بھی لکھا تھا جو نویں صدی تک مصر میں موجود تھا (تہذیب التہذیب ۷/ ۲۴۳) احادیث کے حاصل کرنے کا بھی بے حد شوق تھا اس کے لئے انہوں نے کئی سفر کئے، ایک حدیث کو سننے کے لئے مدینہ سے مصر تک کا سفر کیا (مسند احمد ۲/ ۱۵۹) ان سے مرویات کی تعداد (۵۵) ہے جس میں سے (۷) میں بخاری اور مسلم دونوں متفق ہیں باقی بخاری میں ایک اور مسلم میں سات الگ الگ ہیں۔ (تہذیب الکمال ۲۲۹) وفات میں اختلاف ہے ۵۸ھ میں اکثر کے نزدیک وفات ہوئی۔



موزی جانور کو مارنے کا حکم

⑦ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: بَيَّنَّارَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّي فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاولَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنَعْلِهِ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدْعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهُ أَوْ قَالَ: نَبِيًّا وَغَيْرَهُ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهُ فِي إِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهُ عَلَى إَصْبَعِهِ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ.

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات جب کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے (جب) زمین پر ہاتھ رکھا تو بچھونے آپ ﷺ کو کاٹ لیا آپ نے اپنے جوتے سے اسے مار ڈالا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اللہ بچھو پر لعنت کرے کہ یہ نہ نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ ہی غیر نمازی کو، یا یہ فرمایا کہ نہ یہ نبی کو چھوڑتا ہے اور نہ ہی غیر نبی کو، اس کے بعد آپ ﷺ نے نمک اور پانی منگوایا اور دونوں کو ایک برتن میں گھول کر اس کو انگلی کے اس حصے پڑ ڈال رہے تھے جہاں بچھونے کا ٹاٹھا اور انگلی کو ملتے تھے اور معوذتین پڑھ کر دم کرتے تھے۔“

لُعَانَتِكَ: فَلَدَغَتْهُ: لَدَغَ (ف) لَدَغًا وَتَلَدَغًا بِمَعْنَى دَسَا. عَقْرَبٌ: بچھو، جمع عَقَارِبُ، گھڑی کی سوئی کو بھی کہتے ہیں۔ فَنَاولَهَا: مُنَاوَلَةٌ بِمَعْنَى دِينَامُگَرِیہاں مراد لینا ہے۔ نَعْلٌ: جوتا، ہر وہ چیز جس سے قدم کی حفاظت کی جائے۔ مِلْحٌ: نمک، جمع مِلَاح، قال تعالى ﴿هَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾. يَصُبُّهُ: صَبَّ (ن) صَبًّا الْمَاءَ، پانی بہانا، انڈیلنا۔ يَمْسَحُهَا: مَسَحَ (ف) مَسَحًا يَدَهُ، ہاتھ پھیرنا۔ يُعَوِّذُهَا: پناہ میں دینا، تَعَوَّذَ، اس نے پناہ لی۔

تَشْرِیح: ”فقتلها“: اس کو قتل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز میں بچھو، سانپ یعنی ایذا دینے والے جانور کو دیکھے تو اس کو مار سکتا ہے، حدیث بالا میں تو آپ ﷺ کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے اور ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں قول بھی ہے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بچھو کو دیکھے اس حال میں وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسے جوتے سے مار دے۔

”أَوْ قَالَ نَبِيًّا وَغَيْرَهُ“: یہاں پر راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے نمازی، غیر نمازی فرمایا، یا نبی غیر نبی فرمایا، مگر سنن ابن ماجہ کی روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آئی ہے اس میں آتا ہے کہ اللہ بچھو پر لعنت کرے کہ یہ نہیں چھوڑتا نبی اور غیر نبی کو۔ اور

ایک روایت بیہقی میں ہے کہ جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اس میں آتا ہے کہ اللہ لعنت کرے بچھو پر کہ یہ نمازی اور غیر نمازی کسی کو نہیں چھوڑتا۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں حدیث بالا میں تو راوی کو شک واقع ہوا ہے مگر دو الگ الگ روایات میں نبی اور غیر نبی نمازی اور غیر نمازی دونوں کا ذکر آگیا ہے۔^(۱)

”يعوذها بالمعوذتين“: آپ ﷺ معوذتین (یعنی ”قل أعوذ برب الناس“ اور ”قل أعوذ برب الفلق“ الخ) پڑھ کر دم کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات اور آپ ﷺ سے منقول دعاؤں اور وہ کلمات جن کے معنی معلوم ہوں اور قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں تو اس کے ساتھ دم کر سکتے ہیں اور جن کلمات کے الفاظ معلوم نہ ہوں یا اس میں مشرکانہ الفاظ و کلمات ہوں تو وہ بالکل ناجائز ہوگا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”كتاب الطب والرقى“ ص ۳۹۰ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تخریج حدیث: عزاء صاحب المشکوۃ الی البیہقی فی شعب الایمان و اخرجه ابن ماجه (باب ماجاء فی قتل الحیة والعقرب فی الصلوة)۔

راوی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام: علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے، اسلام لانے کے وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی یا ۱۶ یا بعض کے نزدیک ۸ سال یا دس سال تھی، آپ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے سوائے غزوہ تبوک کے اس میں آپ ﷺ نے ان کو مدینہ میں روک دیا تھا۔
حلیہ مبارک: رنگ گندم گول تھا، آنکھیں بڑی بڑی تھیں، قد پست تھا پیٹ بھاری تھا۔ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۲۵ھ کو خلیفہ بنائے گئے۔ خلافت کی مدت چار سال نو ماہ کچھ دن ہے۔ ان سے روایات کی تعداد (۵۸۶) ہے۔
وفات: عبدالرحمن بن ملجم نے کوفہ میں ۱۸ رمضان کو جمعہ کی صبح کو زخمی کر دیا پھر تین دن کے بعد انتقال ہو گیا۔ جنازے کی نماز آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

ایمان و اسلام کا فقہی اصول

۱۸ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَنَاسٍ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاتَّيْتُ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَهَبْتُ أَطْعَمُهُ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ، فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: أَقَتَلْتَهُ وَقَدْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِكَ تَعَوُّدًا قَالَ: فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ؟

ترجمہ: ”حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجا چنانچہ میں ایک شخص کی طرف چھپٹا اور اسے نیزہ مارنے لگا تو اس نے کہا کہ ”لا الہ الا اللہ“ پھر بھی میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ (اس واقعہ کی) خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم نے اس کو اس صورت میں بھی قتل کر دیا جب کہ اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس نے جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟“

لُغَاتُ: أَطْعَمُهُ: (ن. ف) طَعَنًا نیزہ مارنا۔ فَهَلَّا: کلمہ تخفیف و تندیم ہے مرکب ہے ”هل لا“ سے اگر ماضی پر داخل ہو تو ترک فعل پر ملامت کے لئے اور اگر مضارع پر داخل ہو تو برا بیچتہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ شَقَقْتُ: شَقَّ (ن) شَقًّا وَمُشَقَّةً. تَشْرِيجُ: ”فهلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ“: اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس کے باطن پر مطلع ہو سکتے تھے کہ اس نے دل کی گہرائی سے کلمہ پڑھا ہے یا محض اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے لئے پڑھا ہے یہ بات تو ظاہر ہے کہ تم اس کے دل کو چیر کر اس کی حقیقت تو معلوم نہیں کر سکتے تھے اس وجہ سے معقول بات یہ تھی کہ تم اس کے ظاہر پر حکم لگاتے اور مؤمن سمجھتے۔ (۱) ملا علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ نووی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے، اس سے ایک اصول معلوم ہوا کہ آدمی کے ظاہر پر اور جو آدمی نے کہا اس پر حکم لگایا جائے گا باقی اس کے دل میں کیا ہے اور حقیقت کیا ہے اس کا علم اللہ کو ہی ہے۔ (۲)

سوال: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب ایک آدمی کو قتل کر دیا تو ان پر دیت کیوں لازم نہیں کی گئی؟

جواب: یہاں پر حضرت اسامہ کی اجتہادی غلطی تھی۔ اجتہادی غلطی سے اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو اس پر دیت نہیں آتی کیونکہ مجتہد اپنی خطا میں معذور ہوتا ہے (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ناراضگی کا اظہار اس لئے فرمایا کہ اگرچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور ان سے غلطی ہوئی اس پر وہ معذور تھے اس کے باوجود ان کو توقف کرنا چاہئے تھا اور اپنے اجتہاد پر اتنی جلدی عمل نہیں کرنا چاہئے تھا۔ (۴)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب القصاص“ ص ۳۹۹ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

پُتْحِیحِ حَدِیْثٍ: اخرجه البخاری فی کتاب المغازی (باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم) عن أسامة، واخرجه مسلم فی کتاب الایمان (باب تحريم قتل الکافر بعد أن قال لا اله الا الله).

راوی حدیث حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

اسامہ نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام زید تھا۔ بچے میں ہی بخت کے بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنا محبوب غلام اور منہ بولا بیٹا بنایا تھا، آپ ﷺ کی ہی خدمت میں رہتے تھے آپ ﷺ ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے، ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اس کا باپ (زید) سب سے زیادہ محبوب تھا یہ (اسامہ) مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ (بخاری کتاب المغازی)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں ۵۴ھ میں مدینہ میں ہی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی (استیعاب ۱/۲۹)۔ ان سے مرویات کی تعداد (۱۲۸) ہے جن میں سے (۱۵) بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں باقی دو دو میں بخاری اور مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال ۲۶)



قرضہ اچھی طرح ادا کرنے کا حکم

۱۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: إِنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ أَصْحَابُهُ فَقَالَ: دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرَوْا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطَوْهُ إِيَّاهُ قَالُوا: لَا نَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ قَالَ: اشْتَرَوْهُ فَأَعْطَوْهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً.

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے (قرض کا) تقاضہ کیا اور اس میں بہت سختی کی صحابہ کرام نے (بدلہ لینے کا) ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ ہر حق دار کو کہنے کا حق ہے بلکہ ایسا کرو کہ ایک اونٹ خرید کر اسے دے دو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس کے اونٹ جیسا ہم بازار میں نہیں بارہے بلکہ اس سے اچھا پارہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا ہی خرید لو اور اسے دے دو اس لئے کہ تم میں بہتر وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔“

لُغَاتُكَ: تَقَاضَى: الدَّيْنِ، قَرْضٌ وَصَوْلٌ كَرْنِي كِي بَاتِيں كَرْنَا، قَضَى (ض) قَضَاءً حَاجَةً، پوری كَرْنَا۔ فَأَغْلَظَ: فِي الْقَوْلِ، سخت كَلَامِي سے پیش آنا، غَلْظَ (ن. ض. ك) غَلْظًا وَغِلْظَةً، موٹا ہونا، سخت ہونا۔ هَمَّ: (ن) هَمًّا بِالشَّيْءِ ارَادَهُ كَرْنَا قَالَ تَعَالَى ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا﴾ مَقَالًا: قَالَ يَقُولُ، کہنا بولنا۔

تَفْسِيْرُی: ”تَقَاضَى“: اس نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا۔ آگے کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے اونٹ ادھار لیا تھا۔

”فَاغْلَظَ“: اس مطالبہ میں اس نے سختی کی۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ مطالبہ کرنے والا کافر ہو یا بقول بعض کے یہودی ہوگا اور بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ مسلمان ہی ہوگا مگر دیہات کا رہنے والا جس کو مقام نبوت کے آداب معلوم نہیں ہوں گے کہ نبی کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ (۱)

”فَانْ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا“: کیونکہ ہر حق دار کو کہنے کا حق حاصل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کسی پر قرض ہو تو وہ اس پر سختی کر سکتا ہے اگر اس پر بھی قرض دار ادا نہ کرے تو وہ قاضی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ قاضی اس کو قرض ادا کرنے کو کہے گا مگر جب وہ ٹال مٹول کرے تو اس کو قید خانہ میں بھی ڈال سکتا ہے۔

”فَانْ خَيْرَكُمْ احْسَنَكُمْ قَضَاءً“: تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنا قرض

لیا گیا ہے واپسی کے وقت اس سے زائد اور اچھا لوٹانا چاہئے یہ مستحب ہے مگر اس میں فقہاء کرام ایک شرط کا اضافہ فرماتے ہیں کہ قرض لیتے وقت اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو کہ تم کو اس سے اچھا دینا ہوگا ورنہ یہ سود بن جائے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الافلاس والانظار“ ص ۲۵۱ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْنِیْحُ حَدِیْث: اخرجہ البخاری فی کتاب استقراض الابل، اخرجہ البخاری فی مواضع متعدّدة، و اخرجہ المسلم فی کتاب المساقاة والمزارعة (فی باب جواز استقراض الحيوان واستحباب توفيته خيراً ممّا عليه).

راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام عمیر، ابو ہریرہ کنیت، خاندانی نام عبدالشمس تھا آپ ﷺ نے یہ نام بدل کر عمیر رکھا۔ رنگ گندم گوں، شانے کشادہ، دانت آبدار تھے، آگے کے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی، خیبر کے سال حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور پھر آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا (اسد الغابہ ۵/۳۱۶) احادیث کے یاد کرنے کا حد درجہ شوق تھا اسی وجہ سے بہت کم عرصہ میں بہت سی احادیث یاد فرمالیں۔ بعض لوگوں کو شکوک و شبہات بھی ہوتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے ان کو بلا کر احادیث پوچھنا شروع کی اور ایک کا تب چپ چاپ ان کو لکھتا رہا پھر دوسرے سال ابو ہریرہ سے پھر ان احادیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے وہی جوابات دیئے حتیٰ کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ کیا۔ (مستدرک حاکم ۳/۵۱۰)

روایات کی تعداد (۵۳۷۴) ہے ان میں سے (۳۲۵) میں بخاری اور مسلم متفق ہیں اور (۷۹) بخاری اور (۹۳) میں مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال ۴/۳۱۶) یہ آفتاب حدیث ۵۷ھ میں ۸ سال کی عمر میں غروب ہو گیا۔ ولید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (تہذیب التہذیب و اسد الغابہ ۵/۳۱۷)



کیا عورت کا بھی مرد سے پردہ ہے؟

④ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا) أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِمْوْنَةَ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يَبْصُرُنَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَعَمِيَا وَإِنْ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تَبْصِرَانِهِ.

ترجمہ: ”ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں کہ اچانک (ناہینا صحابی) ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ آگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ تم ان سے پردہ کرو، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا، کیا وہ ناہینا نہیں ہیں؟ کہ وہ تو ہمیں نہیں دیکھ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟“

لُغَاتُكَ: أَقْبَلَ: متوجہ ہونا، سامنے کرنا۔ احْتَجِبَا: پردہ کرنا۔ عَمِيَا: مفرد ہے۔ عَمِيَ (س) عَمِيَ، اندھا ہونا۔ تَشْرِيحُ: یہ حدیث ان علماء کرام کے لئے دلیل ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کا عورتوں سے پردہ ہے اور دیکھنا حرام ہے بعینہ اسی طرح عورتوں کا مرد سے پردہ ہے عورتوں کو بھی مردوں کو دیکھنا حرام ہے (۱) مگر جمہور علماء کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے اجازت ہے کہ وہ بغیر شہوت کے ضرورت کی بنیاد پر مردوں کو دیکھ سکتی ہیں مگر مرد کے ناف سے رانوں تک تو ہر حال میں عورتوں کے لئے دیکھنا حرام ہوگا۔ یہ علماء کرام اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند حبشی مدینہ منورہ میں نیزہ بازی کا کھیل دکھلانے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلایا انہوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر کافی دیر تک وہ کھیل دیکھا (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کیلئے مردوں کا دیکھنا جائز ہے۔ (۳)

سُؤَالٌ: ہو سکتا ہے یہ اس وقت کا واقعہ ہو جب کہ پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا؟

جَوَابٌ: یہ واقعہ ۹ھ کا ہے پردے کا حکم اس سے پہلے بالاتفاق نازل ہو چکا تھا۔ (۴)

سُؤَالٌ: ممکن ہے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نابالغ ہوں؟

جَوَابٌ: بالغ ہو چکی تھیں بلکہ اس وقت ان کی عمر سولہ (۱۶) سال تھی۔ (۵)

جمہور علماء کرام حدیث بالا کو تقویٰ پر محمول فرماتے ہیں فتویٰ تو یہ ہے کہ دیکھ سکتی ہیں مگر تقویٰ تو یہی ہے کہ نہ دیکھا جائے۔ یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہوگی کہ عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے جب کہ عورت جنسی خواہش سے مامون ہو اگر معمولی سی بھی جنسی خواہش ہو تو حرام ہو جائے گا اور ہمارا زمانہ تو فتنے کا ہے^(۱) اس لئے اس زمانہ میں بہت ہی خیال رکھنے کی ضرورت ہوگی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب النظر الى المخطوبة وبيان العورات“ ص ۲۶۹ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْنِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ أحمد فی مسنده ۶/ ۲۹۶ و اخرجہ الترمذی فی ابواب الأدب (باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال) و اخرجہ ابوداؤد فی کتاب اللباس (باب فی قوله تعالى: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾).

راویہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات:

نام ہندہ، ام سلمہ کنیت۔ قبیلہ مخزوم سے تھیں۔ ”اصابہ“ میں ہے: ”كَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مَوْصُوفَةً بِالْجَمَالِ الْبَارِعِ“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ خوب صورت تھیں۔ بال نہایت گھنے تھے (مسند احمد ۶/ ۲۸۹) پہلے نکاح ابوسلمہ (عبداللہ بن عبدالاسد) سے ہوا اور جب جمادی الثانی ۳ھ میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (زرقانی ۳/ ۲۷۳) تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح دیا مگر انہوں نے انکار کر دیا جب آپ ﷺ نے ان کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے قبول کر لیا اور پھر شو ال ۳ھ میں آپ ﷺ سے نکاح ہو گیا۔ محمد بن لبید رحمہ اللہ کہتے ہیں امہات المؤمنین احادیث کا مخزن تھیں مگر ان میں حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا کوئی حریف نہ تھا۔ ان سے (۳۷۸) روایات منقول ہیں (تہذیب الکمال) حرہ کے سال میں ۶۳ھ میں جب کہ ان کی عمر ۸۴ برس تھی، انتقال ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی (زرقانی ۳/ ۲۷۶) اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا عجیب فیصلہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَتْ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِأَبْنِ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ وَقَالَتْ الْأُخْرَى: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ: اتَّوْنِي بِالسَّكِينِ أَشُقُّهُ بَيْنَكُمَا فَقَالَتِ الصَّغْرَى: لَا تَفْعَلْ يَرْحَمَكَ اللَّهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضَى لِلصَّغْرَى.

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو عورتیں تھیں دونوں کے پاس ان کے لڑکے بھی تھے ایک بھیڑیا آیا ان میں سے ایک کے بچے کو اٹھا کر لے گیا ان دونوں نے ایک دوسری سے کہا کہ تمہارے بچے کو بھیڑیا لے گیا ہے دونوں اپنے مقدمہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں انہوں نے ان میں سے بڑی عورت کے لئے اس بچے کا فیصلہ سنایا پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گذریں ان سے بھی پورا واقعہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا، میرے پاس ایک چھری لاؤ میں اس لڑکے کو بیچ سے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کے درمیان بانٹ دوں، چھوٹی عمر والی عورت نے کہا خدا آپ پر رحم کریں ایسا نہ کیجیے یہ لڑکا اسی کو دے دیں، اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس لڑکے کو چھوٹی عمر والی عورت کے لئے فیصلہ کر دیا۔“

لُغَاتُ: الذِّئْبُ: بھیڑیا، جَمْعُ ذِئَابٍ، أَذْوَ، ذُؤْبَان، ذِئْبَ (س) ذَابًا، خَبَاثَتِ فِي بَيْتِهِ بِطَرَحٍ هَوْنًا۔ صَاحِبَتُهَا: صَاحِبِ کی مونث ہے بمعنی ساتھی۔ سہیلی جَمْعُ صَاحِبَاتٍ اور صَوَاحِبِ آتی ہے۔ فَتَحَاكَمَتَا: إِلَى الْحَاكِمِ، مقدمہ لے جانا۔ السَّكِينِ: چھری جَمْعُ سَكَكِينَ، السَّكِينَةُ، اطمینان وقار، قَالَ تَعَالَى ﴿وَأَنْتَ كُلٌّ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ سَكِينًا﴾ تَشْرِیحُ: علماء کرام فرماتے ہیں ممکن ہے کہ دونوں عورتیں ایک ہی جگہ رہتی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے دونوں بچے ہم شکل اور ہم عمر ہوں مگر احتمال اس کے خلاف کا بھی نکل سکتا ہے دونوں عورتیں جانتی تھیں کہ کس کے بچے کو بھیڑیا لے گیا ہے مگر وہ دوسرے کے بچے کو لے کر اپنے بچے کا غم دور کرنا چاہتی تھیں۔ (۱)

”فقضی بہ للکبری“: قانون یہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی چیز ہو اور دوسرے کے پاس کوئی واضح دلیل نہ ہو تو وہ چیز اس کی سمجھی جاتی ہے جس کے قبضہ میں وہ ہے اور وہ بچہ بڑی کے پاس تھا اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بچے کو بڑی کے حوالے کر دیا۔ (۲) بعض دوسرے محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ بچے کی شکل بڑی کے ساتھ ملتی ہو اس لئے اس کو دے دیا (۳)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے قیاسی اعتبار سے کہا کیونکہ اپنے بچہ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تو اس سے حضرت سلیمان نے معلوم کر لیا کہ بچہ چھوٹی کا ہے۔

سُؤَال: حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام جو کہ نبی تھے ان کے فیصلہ کو کیوں توڑا؟

جَوَاب: حضرت داؤد علیہ السلام نے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا تھا صرف جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ احتمال ظاہر کیا تھا کہ بڑی کا ہوگا۔^(۱)

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بچپن سے دین کی سمجھ اور ہوشیاری اور فیصلہ کرنے کی طاقت عطا فرمائی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے اسی طرح کے متعدد واقعات احادیث کی کتب میں مذکور ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب بدأ الخلق وذكر الانبياء عليهم السلام“ ص ۵۰۸ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری فی کتاب الفرائض (فی باب اذا ادعت المرأة ابناً) وفی کتاب الانبياء (باب قول الله عز وجل ﴿وَوَهَبْنَا لِداوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ اَوَابٌ﴾) و اخرجہ مسلم فی کتاب الاقضية (باب اختلاف المجتهدین)۔

نوٹ: راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات حدیث نمبر ۱۹ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

(۱) مرقاۃ ۱۱/۲۷ و مظاہر حق ۵/۲۹۰، معارف القرآن، قرطبی۔

سواری پر آگے بیٹھنے کا حق اس کے مالک کا ہی ہے

① عَنْ بُرَيْدَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: يَنْمَارَسُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي إِذَا جَاءَ رَجُلٌ مَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: ارْكَبْ وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا أَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرٍ دَابَّتِكَ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِي قَالَ: جَعَلْتُهُ لَكَ فَارْكَبْ.

ترجمہ: ”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیدل چل رہے تھے اسی دوران اچانک ایک شخص اپنے گدھے کو آپ ﷺ کے پاس لایا کہا کہ یا رسول اللہ آپ اس پر سوار ہو جائیں، اور وہ شخص خود پیچھے ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں بیٹھوں گا کیونکہ جانور کے آگے بیٹھنے کے تم ہی زیادہ مستحق ہو الا یہ کہ مجھے تم اس کا حق دار بنادو۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے آپ کو اس کا حقدار بنادیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس کے آگے بیٹھ گئے۔“

لُغَاتُكَ: تَأَخَّرَ: پیچھے ہونا۔ صَدْر: سینہ، سامنے کا حصہ۔ جَمْعُ صُدُورٍ: تَجْعَلُهُ: جَعَلَ (ف) جَعَلًا: بنانا یہاں مراد صراحت کے ساتھ اجازت دینا۔

تشریح: حدیث بالا سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ سفر میں بھی حق شناسی ہو ایسا نہ ہو کہ سفر میں سب بھول جائے جیسے کہ آپ ﷺ کے عمل سے ظاہر ہے کہ آپ نے سواری کے اگلے حصہ پر بیٹھنے سے انکار کیا کہ جس کی سواری ہے وہی آگے بیٹھنے کا مستحق ہے الا یہ کہ وہ صریح طور پر اپنے حق کے چھوڑنے کا اعلان کر دے۔ جب صاحب حق نے صریح طور پر کہا تب آپ ﷺ آگے بیٹھے۔ (۱)

دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ آپ ﷺ میں انکساری تو اضع کمال درجہ موجود تھی کہ آپ ﷺ نے پیچھے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا اسی پر آپ ﷺ راضی تھے (۲) حضر میں تو آدمی تواضع کر لیتا ہے مگر دوران سفر یہ بہت مشکل کام ہے اللہ تعالیٰ نے بھی مختصر رفاقت والے کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرنے کی خصوصیت سے تاکید فرمائی ہے ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ کہ اپنے پہلو کے ساتھی کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ مراد وہ شخص ہے جو کہیں بھی آپ کے ساتھ ہو جائے سفر کے دوران کی مختصر رفاقت کا بھی یہ حق ہے اس کو کسی قول و عمل سے کوئی جسمانی یا ذہنی اذیت نہ پہنچے (۳)

نوٹ: روای حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات حدیث نمبر ۹ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

آپ کے اسفار اس کے عملی نمونہ ہیں۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: اخرجه الترمذی فی ابواب الاداب (باب ماجاء انّ الرجل أحقّ بصدر دابّته) و اخرجه ابوداود فی کتاب الجهاد (باب ربّ الدابة أحقّ بصدرها) و اخرجه الدارمی ۱۹۷/۲۔



حضور اکرم ﷺ کا انداز مزاح

۳۳ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدٍ نَاقَةٍ فَقَالَ: مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النَّوْثُ.

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے لئے جانور مانگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اونٹنی کا بچہ سواری کے لئے دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اونٹ کو بھی اونٹنی ہی جنتی ہے۔“

لُغَاتُكَ: اسْتَحْمَلَ: اٹھانے کے لئے درخواست کرنا مراد سواری مانگنا۔ حَامِلٌ: (ض) حَمَلًا، اٹھانا اور لادنا۔ النَّوْثُ: جمع ناقة کی نیز اس کی جمع نَاقٍ، أَنْوَقٌ، أَنْوَقٌ، أُنْثَى، نِيقٌ، نَاقَاتٌ وغیرہ بھی آتی ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کے ایک مزاح کا ذکر ہے۔ مزاح کا معنی اردو میں خوش طبعی ہے بشرطیکہ اس میں کسی کی دل شکنی نہ ہو اور ایذا نہ پہنچائی جائے اگر اس میں ایذا بھی ہو تو اس کو عربی میں ”غریہ“ کہتے ہیں۔

خوش طبعی جائز ہے مگر اس کی عادت نہ بنائی جائے کہ ہر وقت ہی ہنسی اور مزاح ہو اس سے آدمی کی شخصیت مجروح ہوتی ہے (۱) آپ ﷺ بھی کبھی کبھار مزاح فرمایا کرتے تھے جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مخاطب کی دل بستگی اور آپس میں محبت و موانست کو مستحکم کیا جائے اسی وجہ سے علماء کرام فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار خوش طبعی کرنا سنت مستحبہ ہے۔ حدیث بالا میں آپ ﷺ کی ایک ظرافت کا واقعہ ہے کہ اونٹ کے بجائے آپ نے اونٹنی کا بچہ دینے کو فرمایا وہ صحابی یہ سمجھے کہ اونٹنی کا کوئی چھوٹا سا بچہ ہوگا اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ اس بچہ پر میں سواری کیسے کروں گا فرمایا کہ اونٹ جتنا بھی بڑا ہو جائے وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا۔

علماء کرام فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک طرف تو مزاح (خوش طبعی) اور ظرافت ہے اور دوسری طرف اس امر لطیف کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب آدمی سے کوئی بات کہی جائے تو اس کو چاہئے کہ اس بات پر غور و فکر کرے بغیر سوچے سمجھے جواب نہ دے کہ اگر معمولی سا بھی غور کر لیتے تو یہ سوال نہ کرتے۔ (۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المزاح“ ص ۴۱۶ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجه ابو داود فی کتاب الادب (باب ماجاء فی المزاح).

نوٹ: راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات حدیث نمبر ۱۱ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

(۲) مراۃ ۱۷۱/۹، مظاہر حق ۴/۳۹۴

(۱) مراۃ ۱۷۱/۹

تین قیمتی نصیحتیں

۱۲ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: عِظْنِي وَأَوْجِزْ فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُودَعٍ وَلَا تَكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاجْمَعْ الْيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ.

ترجمہ: ”حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمائیے جو مختصر ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو ایسی نماز پڑھو جو دنیا سے رخصت کرنے والے کی ہو اور تم زبان سے ایسی کوئی بات نہ نکالو جس سے دوسرے دن تم کو عذر کرنا پڑے اور اس چیز سے ناامید ہو جاؤ جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔“

لُغَاتُكَ: عِظَ: وَعَظَ (ض) وَعَظًا وَعِظَةً نصیحت کرنا۔ وَدَّعَ: تَوَدَّعًا رخصت کرنا، چھوڑنا، اپنی زندگی سے رخصت ہونا، صَلَاةَ مُودَعٍ: یعنی زندگی کی آخری نماز۔ عُدْرَ: (ض) عذر، الزام سے بری کرنا، معذرت کرنا، الایاس: ناامیدی، یَسَسَ (س) یَتَاسًا منہ، ناامید ہونا۔

تَشْرِیحُ: ”عِظْنِي وَاوْجِزْ“ نصیحت کریں مگر مختصر ہو۔ ایک دوسری حدیث میں بھی آتا ہے ”خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ“ کہ بہترین بات وہ ہے جو کم مختصر ہو اور مدلل ہو۔

”صلوة مودع“ نماز رخصت کرنے والی کی کہ نماز ایسی ہو کہ اللہ کے سوا تمام مخلوق کو رخصت اور چھوڑنے والی ہو (۱) دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز ایسی پڑھو کہ رخصت کرنے والی کی ہو یعنی زندگی کی آخری نماز تصور کر کے پڑھو جو اس تصور کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی اس میں کتنا خضوع و خشوع ہوگا۔

”لا تكلّم بكلام تعذر منه غدا“ ایسی بات زبان سے نہ نکالو جس کے سبب تمہیں کل یعنی قیامت کے دن عذر کرنے پڑیں۔ (۲)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایسی باتیں نہ کرو جس کے سبب تم کو دوسرے دن اپنے رفقاء کے سامنے عذر کرنا پڑے اور تم ان کے سامنے پشیمان ہو۔ (۳)

”واجمع الایاس ممافی أیدی الناس“ اس چیز سے ناامید ہو جاؤ کہ جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ جتنا مال و متاع

اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے وہ مل کر ہی رہے گا لوگوں سے امید لگانے سے کیا فائدہ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے مال و متاع پر نظر رکھنا یہ قلبی افلاس کی علامت ہے جس کا دل غنی ہوتا ہے وہ دوسرے کے مال و دولت سے اپنی امید منقطع کر لیتا ہے۔ (۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرقاق“ ص ۴۴۵ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْرِيجُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشکوٰۃ فی کتاب الرقاق الی احمد وھوفی مسنده من مرویات ابی ایوب الانصاری (۱۱۲/۵ مع اختلاف یسر)

راوی حدیث حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

خالد نام، ابوایوب کنیت، ابوایوب قبیلہ تجار کے رئیسوں میں سے تھے۔ عقبہ کی گھائی میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب کا ہی گھر آپ ﷺ کے لئے مسکن ٹھہرا۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی زندگی کا اکثر حصہ جہاد ہی میں گذارا۔

اہل سیر فرماتے ہیں: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تین چیزیں زیادہ نمایاں تھیں:

① حب رسول ﷺ ② جوش ایمانی ③ حق گوئی۔

ان تین باتوں پر اہل سیر نے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں ان کی روایات کی مقدار ۱۵۰ ہے۔ وفات ۵۲ھ میں جب کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ الشکر کا سپہ سالار تھا اسی سفر میں بیمار ہوئے یزید آپ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے گیا اور پوچھا کہ کوئی وصیت کرنی ہو تو اس کی تعمیل کی جائے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دشمن کی سرزمین میں جہاں تک جاسکو میرا جنازہ لے جانا، چنانچہ قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن کیا گیا۔ کفار کی بے ادبی کے خوف سے زمین کو برابر کر دیا گیا اور مسلمانوں نے کفار سے کہا کہ اگر تم نے کچھ مزار کے ساتھ گستاخی کی تو تمہارا ناقوس بجائے والا کوئی نہ ہوگا۔

(ابن سعد ۵) اب بھی قسط وغیرہ کے زمانے میں لوگ ان کے وسیلہ سے بارانِ رحمت مانگتے ہیں۔ (اسد الغابہ)

آداب مسجد

۲۵ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُزِرْمُوهُ دَعُوهُ فَتَرْكُوهُ حَتَّى بَالَ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَالْقَذْرِ وَإِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللَّهِ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَأَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے اچانک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا آپ ﷺ کے صحابہ اس سے کہنے لگے ٹھہر جا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اس کا پیشاب مت کاٹو) بلکہ اس کو کرنے دو۔ جب اس دیہاتی نے پیشاب کر لیا تو آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ مسجدیں اس قسم کی گندگی اور پیشاب کرنے کے لئے مناسب نہیں ہیں یہ تو صرف اللہ کے ذکر اور نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں یا اس کے مثل فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجلس میں سے ایک شخص کو حکم دیا جس نے پانی کا ڈول اس پیشاب پر بہا دیا۔“

لُغَاتُ: أَعْرَابِيٌّ: دیہاتی، بدو اس کی جمع أَعْرَابٌ آئی ہے۔ بَالَ: (ن) بَوْلًا، پیشاب کرنا۔ مَهْ: اسم فعل بمعنى رك جا، ٹھہر جا اور کبھی ”مِهْ مِهْ“ تنوین کے ساتھ بھی آتا ہے۔ تُزِرْمُوهُ: (ض) زَرَمًا، مطلب یہ ہے کہ اس کو پیشاب سے نہ روک۔ الْقَذِرُ: میل کچیل، گندگی، پاخانہ، جمع أَقْدَارٌ آتی ہے۔ دَلْوٌ: ڈول، مَوْنُثٌ اور مذکر دونوں استعمال ہوتا ہے اکثر مَوْنُثٌ استعمال ہوتا ہے جمع دَلَاءٌ، أَذِلٌ، ذُلِيٌّ، دِلِيٌّ آئی ہے۔ فَشَنَّهُ: شَنَّ (ن) شَنًّا، بہانا۔

تَشْرِیح: ”لا تُزِرْمُوهُ دَعُوهُ فَتَرْكُوهُ حَتَّى بَالَ“: اس کو پیشاب سے مت روکو چھوڑ دو یہاں تک کہ پیشاب کر لے۔ اس جملہ سے بھی آپ ﷺ کی شفقت و محبت جو ہر امتی سے تھی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اگر اس دیہاتی کو درمیان میں روکا جاتا تو یا وہ بھاگتا یا پیشاب روک لیتا اگر وہ بھاگتا تو مسجد میں ایک جگہ کے بجائے کئی جگہ پیشاب ہو جاتا اور اگر وہ پیشاب کو روک لیتا تو یہ اس کی تکلیف اور بیماری کا سبب بن جاتا (۱) ایک دوسری حدیث جو مشکوٰۃ میں بھی ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو

خطاب فرمایا ”فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُبَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ“ (۱) اس میں صحابہ کرام کو تعلیم دی گئی ہے کہ تم آخری امت ہو تم کو انبیاءِ علیم السلام کی طرح لوگوں کے لئے آسانی نکالنا چاہئے اور لوگوں کو سختی میں نہ ڈالو۔

”فجاء بدلو من ماء“: اس جگہ پر پانی ڈال دیا۔ اس سے علماء کرام نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر زمین وغیرہ پر گندگی لگ جائے تو نجاست کی جگہ پر زیادہ مقدار میں پانی بہا دینے سے وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے (۲) اور احناف کے نزدیک اگر نجاست کی جگہ خشک ہو جائے تو تب بھی وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہاں سے مٹی کو کھرچ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین صرف پانی کے بہانے سے ہی پاک ہو سکتی ہے کسی اور طرح سے نہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر پانی بہانے کا اس لئے حکم دیا تاکہ پیشاب کی بدبو اور رنگ بھی ختم ہو جائے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب تطہیر النجاسة“ ص ۵۲ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجه مسلم في كتاب الطهارة (باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات اذا حصلت في المسجد)، واخرجه البخاري في كتاب الوضوء (باب ترك النبي صلى الله عليه وسلم والناس الا عرابي حتى فرغ من بوله في المسجد وفي باب الماء على البول في المسجد)



نوٹ: راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات حدیث نمبر ۱۱ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

(۳) مرقاۃ ۲/۶۷ مظاہر حق ۱/۳۷۶

(۲) مرقاۃ ۲/۶۷

(۱) مشکوٰۃ ص ۵۲

برکت والا پانی

۱۶ عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: خَرَجْنَا وَفَدًا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرَنَا أَنَّهُ بَارِضُنَا بَيْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضَّضَ ثُمَّ صَبَّهُ لَنَا فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ: اخْرُجُوا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوا بِبَيْعَتِكُمْ وَانْصَحُوا مَكَانَهَا بِهَذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوا مَسْجِدًا قُلْنَا: إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرُّ شَدِيدٌ وَالْمَاءُ يَنْشَفُ فَقَالَ: مُدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طَيِّبًا.

ترجمہ: ”حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جماعت کی شکل میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم سب نے آپ ﷺ سے بیعت کی اور نماز پڑھی پھر ہم نے عرض کیا کہ ہماری سرزمین پر ایک گر جا گھر بنا ہوا ہے (اس کا کیا کریں) اس کے بعد ہم نے آپ ﷺ سے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا آپ ﷺ نے پانی منگایا اور وضو فرمایا اور کلی کی اس کو کسی چھاگل میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور جب تم اپنے ملک میں پہنچو تو اس گر جا گھر کو توڑ کر اس کی جگہ پر یہ پانی چھڑک دینا اور وہاں مسجد بنا لینا، ہم نے عرض کیا ہمارا شہر تو بہت دور ہے اور گرمی سخت ہے لہذا یہ پانی (وہاں پہنچتے پہنچتے) خشک ہو جائے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں پانی اور ملا لینا اس کی پاکیزگی اور برکت میں اضافہ ہوگا۔“

لُعَاتِكُمْ: وَفَدًا: جمع وافد کی، چند لوگ جمع ہو کر کسی کے پاس جائیں اس کی جمع ”وُفُود“ اور ”أَوْفَاد“ بھی آئی ہے، وَفَدًا (ض) وَفَدًا إِلَيْهِ عَلَيْهِ، قاصد بن کر آنا۔ بَايَعْنَاهُ: بیعت کرنا۔ بَيْعَةٌ: گر جا گھر عیسائیوں کا عبادت گھر جمع بَيْعٌ، بَيْعَاتُ بَيْعَاتُ قَالَ تَعَالَى ﴿..... صَوَامِعُ وَبَيْعٌ﴾ اسْتَوْهَبْنَاهُ: طلب کرنا،۔۔۔۔۔ کی درخواست کرنا۔ فَضْلٌ: زائد، باقی ماندہ۔ اِدَاوَةٌ: وضو کا چھوٹا برتن، جمع اِدْوِ آئی ہے۔ اِنْصَحُوا: نَضَحَ (ف) نَضَحًا، چھڑکنا پانی ڈالنا۔ يَنْشَفُ: نَشَفَ (س. ف) نَشَفًا، خشک ہونا، پانی کا جذب ہونا۔ مُدُّوهُ: مَدَّ (ن) مَدًّا، بڑھانا، زیادہ کرنا۔

تَفْصِيلٌ: ”ان بارضنا بیعة لنا فاستوهبنا“: ہماری زمین میں ایک گر جا گھر ہے پس ہم نے پانی طلب کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم نصاری تھی (۱) اور اس گرجے میں عبادت کرتی تھی۔ جب دین اسلام کی شعاعیں ان کے ملک میں پہنچیں تو ان کو بھی خواہش ہوئی اور اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب اس مذہب عیسوی کا زمانہ ختم ہو گیا اب دین اسلام کا سورج طلوع ہو چکا ہے تو ہم بھی نبی آخر الزماں ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جائیں اس پر یہ قوم مدینہ میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام میں داخل ہو گئی پھر اسلام میں گر جا گھر کا تو تصور نہیں اس پر انہوں نے اس کے توڑنے کو کہا کہ اس کو اب توڑ دیں گے مگر ہم وہاں پر کچھ عرصہ عبادت کر چکے ہیں اس لئے ہمیں وہاں پرانے خیالات ستائیں گے اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ آپ ﷺ ہم کو اپنے وضو کا برکت والا پانی مرحمت فرما دیں اس کو ہم وہاں چھڑک دیں تاکہ وہ خیالات فاسدہ اور کفر و شرک کے جراثیم ختم ہو جائیں۔ (۲)

”لا یزیدہ الا طیباً“: آپ کی کلی سے تو برکت پیدا ہوگی مگر جو مزید پانی ملایا جائے گا اس میں برکت کہاں سے آئے گی؟ یہ سوال ان کے ذہن میں آسکتا تھا اس سوال کے کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے جواب دے دیا کہ جو پانی ملایا جائے گا اس سے بھی برکت ہوگی وہ من جانب اللہ ہوگی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب المساجد ومواضع الصلوة“ ص ۶۹ پر ہے۔ پوری حدیث بھی یعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَحْرِیجِ حَدِیْثِ: أخرجه النسائی فی کتاب المساجد وترجم علیہ.

راوی حدیث حضرت طلق بن النضرؓ کے مختصر حالات:

ان کا نام طلق، والد کا نام علی، کنیت ابوعلی حنفی یمامی ہے، ان کو طلق بن ثمامہ بھی کہتے ہیں، ان سے ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ والے روایت لیتے ہیں۔ اس سے ان کا بیٹا قیس ہی روایت نقل کرتے ہیں۔



(۱) مرقاۃ ۲/۲۰۴، مزید حالات کے لئے تہذیب الکمال ۲/۲۶۳، تہذیب التہذیب ۵/۳۳، تقریب التہذیب ۱/۲۸۰، اسد الغابۃ ۳/۹۲، طبقات ابن سعد ۱/۳۱۶، الثقات ۳/۲۰۲، موسوعة رجال الکتب السنۃ ۲/۲۰۹۔
(۲) مظاہر حق ۲/۵۰۱

بہترین کلمات

۱۷ عَنْ جُوَيْرِيَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا) أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَ: مَا زِلْتُ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكَ عَلَيْهَا قَالَتْ: نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكَ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَوْ زِدْتَ بِمَا قُلْتَ مِنْهُ الْيَوْمَ لَوَزَنْتَهُنَّ "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ."

ترجمہ: ”حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت نماز فجر کے لئے ان کے پاس سے تشریف لے گئے اور یہ اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی (تسبیح میں مشغول تھیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کے بعد تشریف لائے تو یہ اسی حال میں بیٹھی ہوئی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم اسی حال پر ہو جس پر میں نے چھوڑا تھا؟ عرض کیا کہ جی ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے (جدا ہونے کے بعد) چار کلمے تین مرتبہ پڑھے اگر ان کو ان کے مقابلہ میں تو لا جائے جو تم نے صبح سے پڑھا ہے تو وہ ان پر وزن میں غالب ہو جائیں گے وہ کلمے یہ ہیں۔ ”سبحان اللہ وبحمده عدد خلقه ورضا نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته۔“

لُغَاتٌ: بُكْرَةٌ بمعنی صبح، اُتِيَتْهُ بُكْرَةٌ، میں اس کے پاس صبح کے وقت آیا، قال تعالى ﴿بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ مَسْجِدُهَا: عبادت خانہ، جمع مَسَاجِد، سَجَدَ (ن) سَجُودًا، عبادت کے لئے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھنا۔ أَضْحَى: بمعنی چاشت کا وقت، افعال ناقصہ میں سے ہے مگر یہاں پر فعل تام استعمال ہوا ہے۔ وَزَنْتَ: (ض) وَزَنًا، بمعنی تولنا۔ مداد: مثال و طریقہ، یہاں پر تعداد کے مطابق مراد ہے۔

تفسیر: اس حدیث میں کم وقت میں زیادہ ثواب ملنے والی تسبیح بتائی گئی ہے کہ کوئی چند گھنٹے تسبیح کرتا رہے اس سے بہتر یہ فرمایا کہ چار کلمات پڑھ لے اس کا ثواب چند گھنٹے کی تسبیحات سے زیادہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر میں کیفیت کا اعتبار زیادہ ہوتا ہے کمیت کا نہیں مطلب یہ کہ وہ تسبیحات جن کے مضامین اعلیٰ اور معنی خیز ہوں اور خوب اخلاص کے ساتھ ہوں اگرچہ دیکھنے میں وہ کم ہوں مگر وہ ان کلمات سے اعلیٰ و افضل ہوں گے جن کے معنی میں جامعیت نہ ہو اور اخلاص کامل کے ساتھ نہ پڑھا گیا ہو، اس بات پر علماء قیاس کرتے ہیں کہ آدمی تھوڑی عبادت کرے دل جمعی کے ساتھ یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ آدمی عبادت کرے تو زیادہ مگر اس میں دل جمعی نہ ہو۔ حدیث بالا میں جن کلمات کی فضیلت بیان کی گئی وہ یہ ہیں ”سبحان اللہ وبحمده عدد خلقه ورضا نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته۔“

”میں پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی اور اس کی تعریف کرتا ہوں اس کی مخلوق کی تعداد کے بقدر اور اس کی ذات کی مرضی کے موافق اور اس کے عرش کے وزن کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے موافق۔“

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب ثواب التَّسْبِيحِ وَالتَّحْمِيدِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ“ ص ۲۰۰ ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجه مسلم فى كتاب الذكر والدعاء (باب التسبيح أول النهار وعند النوم).

راویہ حدیث حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات:

نام ابتداء میں برہ تھا، آپ ﷺ نے بدل کر جویریہ رکھا اس نام میں بدفالی تھی (مسلم ۲/۲۳۱) والد کا نام حارث تھا، پہلا نکاح سافع بن صفوان سے ہوا، اور جب غزوہ مرسیع ہوا، اس میں یہ گرفتار ہوئیں تو ان کے والد نے کہا کہ میری بیٹی لونڈی نہیں بنے گی کیونکہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں، ان کے والد نے زرفدیہ ادا کیا جب وہ آزاد ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا (طبقات ابن سعد ۸/۸۴) ان سے چند روایات منقول ہیں، ان سے ابن عمر، جابر، ابن عباس، عبداللہ بن اسحاق، فضیل، ابویوب مراعی، کلثوم وغیرہ رحمہم روایت کرتے ہیں، ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی، مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔



حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت

۷۸ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنِّي خَطَايَايَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ! فَلَمَّا أَذْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ: نَعَمْ إِلَّا الدِّينَ، كَذَلِكَ قَالَ جَبْرِئِيلُ.

ترجمہ: ”ابوقادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بتائیے اگر میں اللہ کے راستہ میں مارا جاؤں اور ایسے میں صبر کرنے والا ہوں، ثواب کا طلب کرنے والا ہوں آگے بڑھنے والا ہوں پیچھے مڑنے والا نہ ہوں کیا اس کے بدلے میں اللہ میرے گناہوں کو معاف کر دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، پھر جب وہ شخص منہ پھیر کر جانے لگا تو آپ ﷺ نے اس کو آوازی اور فرمایا، ہاں مگر قرض، مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے یہی کہا ہے۔“
لُعَاتِك: صَابِرٌ (ض) صَبْرًا، بہادری کرنا، دلیری کرنا۔ مُحْتَسِبًا: ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کام کو کرنا۔ مُقْبِلًا: أَقْبَلَ إِلَيْهِ، متوجہ ہونا، آنا۔ مُدْبِرًا: أَدْبَرَ عَنْهُ، پشت پھیرنا ”دَبَّرَ وَ تَدَبَّرَ الْأَمْرَ“، انجام سوچنا، قال تعالیٰ ﴿كَأَنَّهُمَا جَانٌّ وَلِيٌّ مُدْبِرًا﴾. يُكَفِّرُ اللَّهُ لَهُ الذَّنْبَ: گناہ کا معاف کرنا۔ الدِّينَ: قرض، جمع دُيُونٌ، أَذَيْنٌ، قال تعالیٰ ﴿تَوْصُونَ بِهِآؤُ دِينٍ﴾.

تشریح: اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ بہت ہی زیادہ اہم ہے کہ اللہ جل شانہ اپنے حقوق (یعنی حقوق اللہ) کو تو معاف کر دیں گے مگر بندوں کے حقوق (یعنی حقوق العباد) کو معاف نہیں کریں گے۔^(۱)
”إِلَّا الدِّينَ“: مگر قرض کہ شہادت جیسی عظیم عبادت سے بھی قرض معاف نہیں ہوتا مگر بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق شہادت سے ہے مگر ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحری جنگ میں شہید ہونے والوں کے تمام گناہ یہاں تک کہ حقوق العباد بھی معاف ہو جاتے ہیں۔^(۲)

”كَذَلِكَ قَالَ جَبْرِئِيلُ“: اسی طرح سے کہا ہے جبرئیل نے مگر یہ وحی قرآن میں تو موجود نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی صرف یہ نہیں جو قرآن کی شکل میں ہمارے سامنے ہے اس کے علاوہ بھی جبرئیل علیہ السلام پیغام لاتے رہتے تھے جو حدیث کی شکل میں موجود ہے۔^(۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الافلاس والانظار“ ص ۲۵۲ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔
تخریج حدیث: أخرجه مسلم في كتاب الامارة (باب من قتل في سبيل الله كفر خطايا الا الدّين) رواه النسائي في كتاب الجهاد.

نوٹ: راوی حدیث حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات حدیث نمبر ۸ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

قیمتی نصیحتیں

۲۹ عَنْ أَبِي ذَرٍّ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوْلِهِ إِلَى أَنْ قَالَ): قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَوْصِنِي قَالَ: أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ أَزِينُ لَأَمْرِكَ كُلِّهِ قُلْتُ: زِدْنِي قَالَ: عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ: زِدْنِي قَالَ: عَلَيْكَ بِطَوْلِ الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مِطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ: إِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضَّحِكِ فَإِنَّهُ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُورِ الْوَجْهِ قُلْتُ: زِدْنِي قَالَ: قُلِ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ: زِدْنِي قَالَ: لَا تَخَفْ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَا تَمُوتُ قُلْتُ: زِدْنِي قَالَ: لِيَحْجِزَكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ.

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اس کے بعد خود ابوذر رضی اللہ عنہ نے یا ابوذر سے نقل کرنے والے راوی نے) طویل حدیث بیان کی یہاں تک کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہی تمام معاملات کو زینت بخشنے والا ہے۔ میں نے عرض کیا کچھ اور نصیحت فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن اور ذکر کو اپنے لئے لازم سمجھو کیونکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ تمہارے لئے آسمان میں ذکر کا باعث ہوگا اور زمین پر نور کا سبب ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ طویل خاموشی کو اپنے لئے لازم سمجھو کیونکہ خاموشی یہ شیطان کو بھگانے اور تمہارے دینی کاموں کے کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور چہرے کی زینت کو ختم کر دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچی بات کہو اگرچہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرو، میں نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاہئے کہ لوگوں کے عیوب جاننے سے تمہارے اپنے اعمال تم کو روک دیں جو تمہارے اندر ہیں (یعنی اپنے عیوب پر نظر رکھو دوسرے کے عیوب تلاش کرنے کی تم کو فرصت ہی نہیں ملے گی)۔“

لِغَاثِكَ: اَوْصِنِي: اَوْصِي، وصیت کرنا اِلَیْهِ، وصیت کرنے والا مقرر کرنا۔ اَلَصَّمت: صَمَتَ (ن) صَمَتًا وَصَمَاتًا، خاموش رہنا۔ مطردة: طَرَدَ (ن) طَرَدًا، ہٹانا، دور کرنا قال تعالیٰ ﴿مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ اِنْ طَرَدْتُهُمْ﴾۔ عَوْن: مدد کرنا، مددگار، خادم جمع اَعْوَان۔ لَوْمَةً: لَامَ (ن) لَوْمًا ملامت کرنا لَا اِثْمَ، ملامت کرنے والا۔ لِيُحْجَزَ: حَجَزَ (ن) ض) حَجَزًا، منع کرنا، حَجَزَ عَلَيْهِ الْمَال مال کو روک لینا۔

تَشْرِیح: ”بتقوی اللہ“: سب سے پہلی نصیحت جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ اللہ کے خوف کو اختیار کیا جائے یہی وہ چیز ہے جو انسان کو اعمال پر برا بیغیتہ کرتی ہے جس سے تمام اعمال خیر کا کرنا آسان ہو جاتا ہے اور تقویٰ سے آدمی کے اعمال مزین ہو جاتے ہیں اور اس میں روح پڑ جاتی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”كَمَا أَنَّ السَّمَاءَ مُزَيَّنَةً بِالْكَوَاكِبِ كَذَلِكَ قُلُوبُ الْعَارِفِينَ مُزَيَّنَةٌ بِالْمَعَارِفِ وَالتَّقْوَى“ (۱) جیسے کہ آسمان مزین ہے ستاروں سے اسی طرح سے عارفین کے دل مزین ہوتے ہیں معارف اور تقویٰ سے۔

”ذکر اللہ“: جو کام بھی اللہ کو خوش کرنے کے لئے کیا جائے اس کو ذکر کہتے ہیں۔

سُئِلَ: ذکر اللہ کی تعریف میں تلاوت بھی داخل ہے کیونکہ وہ بھی اللہ کو خوش کرنے کے لئے کی جاتی ہے تو پھر تلاوت کو الگ کیوں بیان فرمایا؟

جواب: عربی میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی کہ ایک عمومی بات کو ذکر کرنے کے بعد خصوصی بات کو بھی ذکر کر دیتے ہیں تو اسی طرح یہاں پر بھی ہوا۔ (۲)

”بطول الصَّمت“: کہ خاموشی اختیار کرنے سے انسان کو ایک تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں و قدرتوں پر غور و فکر کرنے کا موقعہ بھی زیادہ ملتا ہے اور شیطان جو زبان کے ذریعہ انسان کو فتنوں میں مبتلا کرتا ہے آدمی اس سے بھی بچا رہتا ہے اسی وجہ سے فرمایا گیا (۳) ”مَنْ صَمَتَ نَجَا“ جو خاموش رہا وہ کامیاب ہو گیا۔ (۴)

”كثرة الضحك فانه يميمت القلب“: زیادہ ہنسنے سے انسان کے علم و معرفت کا نور جاتا رہتا ہے جو حقیقت میں انسان کے دل کی طہارت ہے پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ آدمی عبادت اور طاعت سے دور ہوتا جاتا ہے اس کا علاج قرآن میں یہ فرمایا گیا ﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا﴾ کہ آدمی اگر معمولی سا ہنسا تو اب چاہئے جتنا ہنسا تھا اس سے زیادہ تنہائی میں رونے اس رونے سے وہ نور انشاء اللہ واپس آ جائے گا۔ (۵)

”ليحجزك عن الناس ما تعلم من نفسك“: اگر انسان کی نظر اپنے عیوب کی طرف ہوگی تو ہر آدمی میں اتنے عیوب ہیں کہ اس کو دوسرے کے عیب دیکھنے کی فرصت ہی نہ ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”طَوَّلِي لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ“۔ (۶) قابل مبارک ہے وہ شخص جس کو اس کا عیب لوگوں کے عیب گیری سے باز رکھے۔

ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا یہ شعر ہے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر * رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر * تو جہاں میں کوئی بُرا نہ رہا

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۴-۴۱۵ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِیجِ حَدِیْثٍ: عزاء صاحب المشکوٰۃ (باب حفظ اللسان) الی البہیقی فی شعب الایمان و اخرجه ابو نعیم فی الحلیۃ بطولہ فی ترجمۃ أبی ذر (۱/۱۶۸)



غیبت اور بہتان تراشی میں فرق

۳۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَذَرُونَ مَا الْغَيْبَةُ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ، قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهْتَهُ.

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے کہ اگر وہ اس کو سنے تو ناپسند کرے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر اس میں وہ عیب واقعہ موجود ہو جو میں نے بیان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر اس میں وہ عیب موجود ہو جو تم نے بیان کیا ہے تب ہی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب موجود نہیں ہے جو تم نے کہا تب تو وہ بہتان (الزام تراشی ہے)۔“

لُغَاتُكَ: أَتَذَرُونَ: دَرَى (ض) دَرَايَةٌ بِمَعْنَى جَانَا. الْغَيْبَةُ: إِغْتَابَ، إِغْتَابًا، غَيْبَتَ كَرْنَا. بَهْتَهُ: بَهْتَ (ف) بُهْتًا وَبُهْتَانًا، تَهْتَكُنَا، قَالَ تَعَالَى ﴿هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾

تشریح: غیبت کی تعریف حدیث بالا میں فرمائی گئی ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق ایسی باتیں کرنا کہ جس میں اس کا عیب ظاہر ہو اور وہ اس کو ناپسند کرتا ہو خواہ اس عیب کا تعلق اس شخص کے بدن سے ہو یا عقل سے یا دین سے یا دنیا سے یا اخلاق سے یا افعال و کردار سے یا اس کے مال و اسباب سے یا اولاد سے یا اس کے ماں باپ سے۔ اس عیب کا ذکر الفاظ سے ہو یا اشارہ و کنایہ سے سب عیب میں داخل ہوگا اور سب پر حکم حرام کا لگایا جائے گا۔

غیبت کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ”الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزَّوْنِ“ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ اور ایک روایت جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات مجھے لے جایا گیا تو میرا گدرا ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہرے اور بدن کا گوشت اس سے نوچ رہے تھے میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے ہیں۔ پیٹھ پیچھے کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کے سامنے اس کے عیب کو بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ اس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ اس میں تو آدمی کی زیادہ دل شکنی اور ایذا رسانی ہوتی ہے یہ صورت تو

زیادہ بے حیائی اور سنگدلی کی ہوتی ہے تو اس صورت میں زیادہ گناہ ہوگا بخلاف اس کے کہ جو پیٹھ پیچھے چھپ کر برائی کرتا ہے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم“ ص ۴۱۲ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔



برائی سے نفرت ایمان کی علامت

❶ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ أَقْلِبْ مَدِينَةَ كَذَا وَكَذَا بِأَهْلِهَا فَقَالَ: يَا رَبِّ إِنَّ فِيهِمْ عَبْدَكَ فَلَنَا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ أَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِي سَاعَةٍ قَطُّ.

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو جہاں کے حالات اس طرح کے ہیں ان کے باشندوں سمیت الٹ دو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے پروردگار، اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے کہ جس نے ایک لمحہ بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس شہر کو اس پر الٹ دو کیونکہ اس شخص کے چہرے کا رنگ ان لوگوں کے گناہوں کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے نہیں بدلا۔“

لُغَاتُ: أَوْحَى: إِيْحَاءُ اللَّهِ إِلَيْهِ، وَجِي بَهِيْنًا، أَلِ فُلَانٍ إِشَارَةً كَرْنَا چپکے سے بات کہنا۔ أَقْلِبْ: قَلَبَ (ض) قَلْبًا الشَّيْءَ، پلٹ دینا (س) اَلْطَّهْ هُونُوْثُ وَالْا هُونَا۔ يَعْصِيكَ: عَصَى يَعْصِي (ض) عَصِيَانًا نافرمانی کرنا، مخالفت کرنا صفت عاص، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ﴾ طَرْفَةً: آنکھ کا جھپکنا، طَرْفَةً، طَلَحَ بَات كَرْنَا لَمْ يَتَمَعَّرْ وَجْهَهُ: چہرہ کا رنگ متغیر ہونا، مَعَرَ (س) مَعَرًا الشَّعْرَ، بال گر جانا۔

تفسیر: ”فَانَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِي“ یہ حدیث تو ایک شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے مگر ایک دوسری حدیث میں پوری قوم کے بارے میں یہ مضمون آیا ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں تیری قوم میں سے چالیس ہزار اچھے لوگوں کو اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا، یا اللہ برے تو برے ہیں نیکوں کو ہلاک کرنے کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد ہوا کہ انہوں نے لوگوں کی برائیوں کو دیکھا مگر میرے لئے کبھی ان پر غصہ نہیں ہوئے۔^(۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگرچہ اس نے خود نافرمانی تو نہیں کی مگر اس کے سامنے جو گناہ ہوتا رہا یہ اطمینان کے ساتھ اس کو دیکھتا رہا برائی لوگوں میں عام ہوتی رہی مگر ان برائی کرنے والوں پر ناراض نہیں ہوا۔

”ساعة قط“: اگر وہ اپنی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے برائی کا ارتکاب کرنے والوں کے

نوٹ: راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات حدیث نمبر ۱۰ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

(۱) احیاء العلوم و تنبیہ الغافلین

خلاف غیظ و غصہ اور نفرت کا اظہار کرتا تو اس کی زندگی کی باقی عمر میں اس کی اس تقصیر سے درگزر کر دیا جاتا مگر اس عابد نے اپنی پوری زندگی میں ایک لمحہ بھی ان لوگوں کی فکر نہیں کی تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آدمی کے ذمہ صرف اپنی عبادت ہی نہیں بلکہ اپنی عبادت کے ساتھ دوسرے کے دین کی فکر بھی اس کے ذمہ ہے مگر صد افسوس آج یہ غم امت کے دلوں سے جاتا رہا ہے بقول شاعر:

حق نے کر ڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد * خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الامر بالمعروف“ ص ۴۳۸ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِیجُ حَدِيثٍ: عزاء صاحب المشکوٰۃ فی باب الامر بالمعروف الی البهیقی فی شعب الایمان.



حیات دنیا کی حقیقت

۱۱ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَسَدِهِ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ: مَالِي وَلِلدُّنْيَا وَمَا أَنَا وَالِدُنْيَا إِلَّا كَرَائِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا. تَرْجَمَهُ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی (بورے) پر سوئے اور جب سو کر بیدار ہوئے تو آپ کے بدن مبارک پر اس کے نشانات تھے یہ دیکھ کر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اگر آپ ہمیں اجازت مرحمت فرمادیں تو ہم آپ کے لئے نرم بستر بچھا دیں اور اچھے کپڑے کا انتظام کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے دنیا سے اور دنیا کو مجھ سے کیا سروکار، میری اور اس دنیا کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سایہ کی تلاش میں آئے اور وہاں کچھ دیر سایہ سے فائدہ اٹھائے پھر اس سایہ کو چھوڑ کر چل دے۔

لُغَاتُكَ: حَصِيرٌ: چٹائی، بوریا جمع حُصْرٌ أَحْصَرَهُ آتی ہے۔ أَثَرٌ: فِيهِ، اثر کرنا، اسْتَظَلَّ: بہ، سایہ حاصل کرنا، ظَلَّ (س) ظِلَالَهُ، سایہ والا ہونا۔ رَاحَ: (ن) رَوَّاحًا، شام کے وقت جانا یا مطلق جانا۔

تَشْبِيْهِ: ”مالی وللدنیا“: کہ مجھ کو اس دنیا سے محبت ہے اور نہ ہی اس دنیا کو مجھ سے محبت ہے۔ اگر ”ما“ کو نفی کے لئے مانا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں اس دنیا کا عیش و عشرت چاہنے والے آدمی کی طرح نہیں کہ جو اس دنیا کے آرام کے لئے نرم نرم گدے اور نفیس و اعلیٰ قسم کے کپڑوں وغیرہ کا استعمال کرے۔ اور اگر ”ما“ کو استفہام کے لئے مانا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مجھ کو اس دنیا سے کون سی محبت ہے کہ میں اس کے عیش و عشرت کو اختیار کروں اور اس دنیا کی میری طرف رغبت یا میری اس دنیا کی طرف رغبت سے مجھے کون سا نفع حاصل ہوگا کیونکہ میں تو آخرت کا طلب گار ہوں اور یہ دنیا کی چیزیں آخرت والوں کے لئے نہیں ہیں کہ اس میں رغبت کرنے والا آخرت کی چیزوں سے محروم ہو جاتا ہے۔^(۱)

”کراکب استظل“: اس جملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب مثال دی کہ سوار کسی درخت کے نیچے سایہ کو تلاش کرے کہ اس میں سوار سواری سے اترے بغیر آرام کرے۔ خود ہی غور کر لیا جائے کہ آدمی سواری پر سوار ہے تو بہت ہی معمولی وقت کے لئے وہ آرام کرے گا زیادہ آرام کرنا ہوتا تو وہ سواری سے نیچے اترتا^(۲) اور اس مثال میں دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ آدمی کا سفر لمبا ہو تو وہ دور ان سفر زیادہ آرام نہیں کرتا اسی طرح یہ دنیا مسافر خانہ ہے اور ہمارا سفر آخرت کی طرف رواں دواں ہے تو ہم ہر

نوٹ: راوی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات حدیث نمبر ۱۵ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

(۲) مظاہر حق ۲/۱۹۵ مرقاۃ ۹۰/۳۷

(۱) مظاہر حق ۲/۱۹۵ مرقاۃ ۹۰/۳۷

اس چیز سے اجتناب کریں گے جو آخرت کے سفر کے لئے رکاوٹ بنے گی۔ (۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الرِّفَاق“ ص ۴۴۲ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔
تَحْنِیْجُ حَدِیْثٍ: اخرجہ الترمذی فی ابواب الزَّہْد، وابن ماجہ فی کتاب الزَّہْد (باب مثل الدنیا).



اپنے ماتحتوں سے نرمی کا حکم

۳۲ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا "إِعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ اللَّهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ" فَالْتَفَتُ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هُوَ حُرٌّ لَوْجِهَ اللَّهِ فَقَالَ: أَمَا إِنَّكَ لَوَلَمْ تَفْعَلْ لَلْفَحْتَكَ النَّارُ أَوْ قَالَ: لَمَسْتُكَ النَّارُ.

ترجمہ: ”ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب میں اپنے غلام کو مار رہا تھا اتنے میں میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی ابو مسعود! یاد رکھو اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو۔ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں اللہ کی خوشنودی کے لئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یاد رکھو اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تم کو دوزخ کی آگ جلاتی۔ یا یوں فرمایا کہ تمہیں دوزخ کی آگ لگتی۔“

لُغَاتُ: أَقْدَرُ: بہت قدرت رکھنے والا، قَدَرَ (ن. ض. س) قَدَرًا، وَقَدَرَةً.

تفسیر: اس کے مثل ایک اور روایت آئی ہے، ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا مَّا لَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ أَوْ لَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يَعْتِقَهُ“ (۱)۔ ”ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا جرم ہی نہیں ہے یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔“ ان احادیث پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی اصول مساوات کے تحت سفید و سیاہ، آقا غلام، حاکم محکوم عربی عجمی سب یکساں سطح اور مرتبہ پر ہیں اس لئے کہ اسلام کی نگاہ ساری اشیاء مثلاً مال، دولت، منصب، خاندانی وجاہت، برتری کا باعث نہیں اسلام سے پہلے کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں طاقتور کا حکم کمزور کے لئے قانون تھا اس کی اطاعت لازم ہوتی اس لئے غلامی نے بے بسی میں جنم لیا مگر آپ ﷺ نے اس پر کاری ضرب لگائی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث بالا کے ذریعہ سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ غلاموں کے ساتھ نرمی اور مروت کا معاملہ کیا جائے۔ (۲)

”ہو حر“: وہ آزاد ہے۔

سُئِلَ: کیا جس غلام کو مارا گیا اس کو آزاد کرنا ضروری ہے؟

جواب: یہ آزاد کرنا مستحب تو ہوگا واجب نہیں۔ آپ ﷺ نے آزاد کرنے کو اس لئے فرمایا کہ اس کو مارنے کے ذریعہ جو گناہ ہو گیا ہے وہ آزاد کرنے کے احسان کے بدلہ میں ہو کر اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب النفقات وحق المملوك“ ص ۲۹۱ پر ہے۔ پوری حدیث بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه مسلم (باب صحبة المماليك) أخرجه الامام أحمد في مسنده، ۱۲۰/۴، وأخرجه ابوداود في كتاب الادب (باب في حق المملوك).

راوی حدیث حضرت ابوسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام عقبہ، ابوسعود کنیت۔ عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول فرمایا، عہد نبوت اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں مدینہ میں ہی مقیم رہے کچھ دنوں کے لئے بدر کے مقام میں رہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ منتقل ہو گئے (بخاری ۵۷۱/۲) اور پھر وہاں مکان بنوایا تھا (اصابہ ۲۲۵/۳) سنتوں کا بہت غایت درجہ اہتمام تھا ایک روز لوگوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ پھر خود نماز پڑھ کر بتائی (مسند احمد ۱۲۲/۵) مؤرخین نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان میں دو صفات بہت ہی نمایاں تھیں (۱) پابندی احکام رسول اللہ ﷺ (۲) امر بالمعروف۔ ۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ ان سے مرویات کی تعداد ۱۰۲ ہے۔

ضرورت کی ہر چیز اللہ سے مانگنی چاہئے

❷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا) قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ: يَا غُلَامُ! احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ.

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خیال رکھو اللہ تعالیٰ تمہارا خیال رکھے گا، اللہ کو تم یاد کرو اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو، جب تم مدد چاہو تو اللہ ہی سے مدد چاہو اور یہ جان لو اگر تمام مخلوق مل کر بھی تمہیں نفع دینا چاہے تو ہرگز تمہیں نفع نہیں پہنچا سکے گی علاوہ صرف اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر وہ متفق ہو جائیں اس بات پر کہ تم کو کسی قسم کا نقصان پہنچائیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے علاوہ صرف اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا کر رکھ دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔“

لُغَاتُ: تُجَاهَكَ: بمعنی سامنے، مقابل، عرب کہتے ہیں ”قَعْدُوا تُجَاهَهُ“، وہ لوگ اس کے سامنے بیٹھے۔ الْأَقْلَامُ: جمع الْقَلَم کی، قلم کا اطلاق نب بنانے کے بعد ہوتا ہے نب بننے سے پہلے اس کو ”قَصَبَة“ اور ”يِرَاعَة“ کہتے ہیں۔ جُفَّت: (ض) جَفَأًا، جُفُوفًا، خشک ہونا۔ الصُّحُف: جمع ہے الصَّحِيفَة کی، اس کی دوسری جمع الصَّحَائِفُ بھی آتی ہے بمعنی لکھا ہوا کاغذ، قال تعالیٰ ﴿صُحُفِ اِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى﴾. يَا غُلَامُ: غلام کے دو معنی آتے ہیں ایک حقیقی معنی ہیں یعنی غلام، دوسرا چھوٹے بچے کو بھی کہتے ہیں، مراد یہاں پر معنی ثانی ہے۔ (۱)

تَشْرِيحُ: ”تجدہ تجاہک“: اپنے سامنے پاؤ گئے۔ یعنی اگر اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے گا اور طرح طرح سے تمہاری مدد و اعانت کرے گا (۲) یا مطلب یہ ہے کہ تم مقام احسان پر پہنچ جاؤ گے ایسا محسوس ہوگا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اللہ کے سوا ہر چیز تمہارے سامنے بالکل معدوم معلوم دے گی۔ (۳)

”وإذا سألت فاسئل الله“: جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو کیونکہ ہر چیز کے خزانے اللہ ہی کے پاس ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا اس پر اللہ غضب ناک ہوتا ہے۔ اللہ کے سامنے سوال کرنا اپنی عجز و انکساری کا اظہار بھی بندہ کرتا ہے جو عبودیت کی شان ہے۔

اللہ یغضب ان ترکت سوالہ * وبنی آدم حین یسأل یغضب^(۱)
تَرْجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ تو اس وقت خفا ہوتا ہے جب تم اس سے سوال نہ کرو اور انسان اس وقت خفا ہوتا ہے جب کہ کوئی اس سے سوال کرے۔“

”رفعت الافلام وجفت الصحف“: مطلب یہ ہے کہ جو احکامات صادر ہوئے ہیں قیامت تک کے لئے وہ سب لکھے جا چکے ہیں تقدیر و قسمت کے فیصلے لوح محفوظ میں محفوظ ہو چکے ہیں یعنی جس طرح اللہ نے تمام انسانوں کی تقدیر لکھ دی ہے اب قیامت تک اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا (۲) قلم نے کہا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھو۔ تو قیامت تک جو کچھ وقوع ہونے والا ہے وہ سب کچھ قلم نے لکھ دیا۔ (۳)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب التوکل والصبر“ ص ۴۵۳ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِیجِ حَدِیْثِ: أخرجه احمد ۱/۲۹۳ والترمذی فی ابواب صفة القيامة.

راوی حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام عبد اللہ، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباس، والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ (اسد الغایہ) ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عباس کی خالہ تھیں ان کی برکت سے ان کو نبی کریم ﷺ کی گھر کی زندگی کے بارے میں بھی کافی مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ جب ان کی عمر ۱۳ سال تھی تو آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے مگر نبی کریم ﷺ ان کو یہ دعاء دے چکے تھے۔ ”اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّوْبِلَ“ اے اللہ اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تویل کا طریقہ سکھا۔ (مسند احمد ۱/۳۲۸) یہ وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔ آخری عمر میں طائف منتقل ہو گئے تھے پھر طائف میں ہی ۶۸ھ کو انتقال ہوا اور محمد بن الحنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان سے روایات کی تعداد (۲۶۶۰) ہے ان میں سے (۷۵) بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، اور (۱۸) بخاری میں اور (۴۹) مسلم میں منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال ۲۰۲)

جانوروں کو ایذا رسانی سے ممانعت

۱۵ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَنْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ فَرَأَيْنَا حُمْرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتْ الْحُمْرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرُشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بَوْلِدَهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا وَرَأَى قَرْيَةً نَمَلَةٌ حَرَّقَتْهَا قَالَ: مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ؟ فَقُلْنَا: نَحْنُ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذَّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ.

ترجمہ: ”حضرت عبدالرحمن بن عبداللہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک لال (چڑیا) کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے، تو ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے اس کے بعد وہ لال (چڑیا) آئی اور اپنے پروں کو زمین پر بچھانے لگی اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بچوں کو کس نے پکڑ کر تکلیف پہنچائی ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کرو، (ایک اور موقعہ) پر آپ ﷺ نے چبوتی نئی کا سوراخ دیکھا جسے ہم لوگوں نے آگ لگا دی تھی اس کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا، ان چوٹیوں کو کہیں نے جلایا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہم لوگوں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کسی کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ کسی کو آگ سے جلائے سوائے آگ کے مالک کے۔“

لُعَامَتُ: حُمْرَةٌ: ایک سرخ رنگ کی چڑیا کا نام ہے جمع حُمَرَاءُ آتی ہے۔ فَرْخَانِ: تثنیہ ہے ”فَرْخُ“ کا معنی پرندہ کا بچہ اس کی جمع فَرَاحُ اور أَفْرَاحُ، أَفْرِخَةٌ اور فُرُوحُ آتی ہے۔ تَفْرُشُ: فَرَشَ وَأَفْرَشَ فَلَا نَافِسَاطًا کسی کے لئے بچھونا بچھانا۔ فَجَعَ: (ف) فَجَعًا، مصیبت زیادہ بنانا۔ رَنَحَ: پہنچانا۔

تَشْرِيفٌ: آپ ﷺ تمام ہی عالم والوں کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے۔ آپ کی یہ رحمت لطف و محبت صرف انسانوں تک ہی نہیں بلکہ پرند، چرند، چوپائے وغیرہ بھی اس سے مستفیض ہوئے۔ عرب میں زمانہ جاہلیت میں طرح طرح کے عیوب موجود تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جانوروں کو بلاوجہ تکلیف دیتے تھے اور پھر اس سے اپنے سفلی جذبات کو تسکین کرتے تھے تو آپ ﷺ نے متعدد احادیث میں ان کی ان قبیح عادات کی مذمت فرمائی۔ منجملہ ان احادیث کے حدیث بالا بھی ہے۔

”رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا“: کہ اس کو اس کے بچے واپس کر دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ شغل کے طور پر یا بچنے کے لئے

پزندوں کے بچوں کو ان کے گھنسلوں سے اٹھاتے ہیں تو ان کا یہ عمل قابل زجر اور ممنوع ہے۔^(۱)
 اگر کسی چیونٹی نے کسی انسان کو کاٹا تو اس چیونٹی کو مارا جاسکتا ہے مگر اس کے ساتھ اور چیونٹیوں کو مارنا جائز نہیں۔ ”لا ینبغی
 أن یعذب بالنار الا رب النار“: کسی کے لئے مناسب نہیں کہ کسی کو آگ کے ذریعہ عذاب دے مگر اس کے مالک (یعنی اللہ
 تعالیٰ) کو۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ سخت عذاب آگ سے ہوتا ہے تو یہ حق صرف اللہ کا ہے مخلوق میں کسی کو اجازت
 نہیں کہ وہ کسی کو آگ میں جلائے۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب قتل اهل الردة والسعة بالفساد“ ص ۳۰۷ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور
 اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِیجُ حَدِیْثٍ: اخرجہ ابو داود فی کتاب الجہاد (باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار)۔

راوی حدیث عبد الرحمن بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

یہ روایت کرتے ہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ان سے ایک جماعت نے روایات نقل کی ہیں۔ (ان کے تفصیلی حالات نہیں
 ملے)۔

فضیلت علم

۳۱ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ وَأَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ أَمَّا هُوَلَاءِ فَيَدْعُونَ اللَّهَ وَيَرْغَبُونَ إِلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَأَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُونَ الْفِقْهَ أَوْ قَالَ: الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُونَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيهِمْ.

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا گذر دو مجالس پر ہوا جو مسجد نبوی میں قائم تھیں آپ نے فرمایا کہ دونوں خیر پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے بہتر ہے ایک جماعت دعاء و استغفار میں مصروف ہے اور اللہ سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے لہذا خدا چاہے تو انہیں دے بھی دے اور اگر چاہے تو انکار کر دے اور نہ دے دوسری جماعت فقہ یا علم حاصل کر رہی ہے اور ناواقفوں کو سکھا رہی ہے چنانچہ یہ لوگ بہتر ہیں اور خود میں بھی تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ ﷺ خود ان کے پاس بیٹھ گئے۔“

لُغَاتُ: مَجْلِسَيْنِ: شنیہ ہے مجلس کی بمعنی بیٹھنے کی جگہ، کچہری۔ بُعِثْتُ: (ف) بَعَثًا بھیجا، قال تعالیٰ: ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا﴾

تفسیر: مسجد نبوی ﷺ میں دو مجالس لگی ہوئی تھیں ایک ذکر و دعاء میں مشغول تھی دوسری مجلس علم کے سیکھنے سکھانے میں مشغول تھی آپ ﷺ نے دوسری کی فضیلت اپنے قول اور عمل دونوں سے فرمائی۔ اس بناء پر علماء کرام فرماتے ہیں کہ علم کا سیکھنا سکھانا عبادت سے افضل ہے۔ اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون آتا ہے۔ ”تَذَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ أَحْيَائِهَا“۔ (۱) ”رات میں تھوڑی دیر علم کا مذاکرہ تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے۔“

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ایک گھڑی بیٹھ کر علم حاصل کروں تو یہ مجھے ان سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ شام سے صبح تک پوری رات عبادت میں گزاروں۔ (۲)

ایک روایت میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔ اسی طرح ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم کا ایک باب سیکھ لو یہ تمہارے لئے سو رکعت سے بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے ”ہزار عابدوں کی موت حلال و حرام جاننے والے ایک دانا و بینا کی موت کے مقابلہ میں بیچ ہے۔“

بہر حال عالم کی فضیلت بہت سی روایات میں وارد ہوئی ہے مگر یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ عالم سے وہ عالم مراد ہے جو تحصیل علم اور عبادات ضروریہ کے بعد اپنے اوقات کا بقیہ حصہ دین کے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول رکھے اور اگر ایسا عالم ہو جس کو اشاعت اسلام سے کوئی دلچسپی نہ ہو تو بظاہر وہ حدیث بالا کی فضیلت میں داخل نہ ہوگا۔^(۱)

گدایان را ازیں معنی خبر نیست * کہ سلطان جہاں با ماست امروز

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب العلم“ ص ۳۶ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔
تخریج حدیث: أخرجه الدارمی ۸۴/۱ فی باب فضل العلم والعالم۔



نوٹ: راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے مختصر حالات: حدیث نمبر ۲ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) مظاہر حق ۲۶۲/۱

ماختوں پر زیادتی کا حساب دینا ہوگا

۲۷ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنَّ لِي مَمْلُوكَيْنِ يَكْذِبُونَنِي وَ يَخُونُونَنِي وَيَعْصُونََنِي وَأَشْتِمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ أَقْتَصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَاحِسِينَ﴾ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا أَجِدُ لِي وَلِهَؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُفَارَقَتِهِمْ أَشْهَدُكَ أَنَّهُمْ كُلُّهُمْ أَحْرَارٌ.

ترجمہ: ”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آ کر بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ میرے پاس چند غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں اس وجہ سے میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور ان کو مارتا ہوں تو قیامت کے دن اللہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، جب قیامت ہوگی اس وقت پورا حساب ہوگا انہوں نے جو تمہاری خیانت کی اور تمہاری نافرمانی کی اور تمہارے ساتھ جو جھوٹ بولا ہے اور جو کچھ تم نے ان کو سزا دی ہے پس اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم کے بقدر ہوئی تو تمہارا معاملہ برابر ہوگا نہ تمہیں کوئی ثواب ملے گا اور نہ تم پر کوئی عذاب ہوگا، اور اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے کم ہوئی تو وہ تمہارا زائد حق ہوگا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو پھر ان کے لئے تم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ شخص الگ جا کر بیٹھ گیا اور رونے چلانے لگا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا کہ ”اور قیامت کے دن ہم انصاف کا ترازو کھڑا کریں گے اور رکھیں گے ہم ترازو میں انصاف قیامت کے دن پھر ظلم

نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کے تو ہم لے آئیں گے ان کو، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو یہ سن کر اس آدمی نے کہا، یا رسول اللہ! میں اپنے اور ان کے درمیان بھلائی کی اس کے سواء کوئی صورت نہیں پاتا کہ ان کو اپنے سے جدا کر دوں لہذا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔“ (۱)

لُغَاتُكَ: مَمْلُوكَيْنِ: بمعنی غلام، جمع مَمَالِيكَ. يَخُونُونَنِي: خَانَ (ن) خَوْنًا وَخِيَانَةً وَمَخَانَةً امانت میں خیانت کرنا يَعْصُونَنِي: عَصَى (ض) عَصِيًّا وَمَعْصِيَةً، نافرمانی کرنا، مخالفت کرنا۔ اَشْتَمُهُمْ: شَتَمَ (ن) ض) شَتَمًا، گالی دینا۔ كَفَافًا: حاجت کے مطابق گذرنے کے لائق ہونا۔ اِقْتَصَصَ: مِنْ فُلَانٍ، قصاص لینا، روایت کرنا، نقل کرنا۔ فَتْحِي، زائل ہونا، جھکنا، کنارے ہو جانا۔ يَهْتَفُ: هَتَفَ (ض) هَتَفًا وَهَتَافًا، چلا کر بلانا، آواز کرنا۔ اَلْمَوَازِينَ: جمع مِيزَان کی ہے بمعنی ترازو، وَزَنَ (ن) وَزَنًا وَزِنَةً، وزن کرنا، تولنا۔ اَلْقِسْطُ: عدل انصاف۔ مِثْقَالٌ: وزن، مقدار، جمع مِثْقَالِیل. خَرَدَلٌ: واحد خَرْدَلَةٌ آتی ہے بمعنی رائی۔

تَشْرِیح: ”اَنْ لى مملوكين“: میرے پاس چند غلام ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے پاس غلام اور باندی دونوں ہوں مگر یہاں پر صرف غلاموں کا ذکر تغلیباً کیا ہو۔ (۲)

”كان كفافاً“: تو تمہارا معاملہ برابر برابر رہے گا۔ لفظ ”کفاف“ اس چیز کو کہتے ہیں جو ضرورت و حاجت کے بقدر ہو۔ اب اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم نے ان غلاموں کو انکے جرائم کے برابر سزا دی ہوگی تو تمہارا اور ان غلاموں کا معاملہ برابر برابر رہے گا (۳)

”كان فضلاً لك“: لفظ ”فضل“ اس چیز کو کہتے ہیں جو واجب حق سے زائد ہو۔ اب اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا ان غلاموں کو ان کے جرائم سے کم سزا دینا یہ قیامت میں تمہارے لئے اجر اور انعام کا سبب بنے گا۔

اس حدیث کے ذریعہ ملازم کے حقوق کا اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اپنے غلام یا خادم، نوکروں کے ساتھ جانوروں والا معاملہ کرتے ہیں اور معمولی معمولی بات پر بڑی بڑی سزائیں دیتے ہیں ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کو جسمانی، روحانی ایذا دیتے ہیں تو ان کو اس حدیث بالا سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ آج تو ان پر ظلم کیا جا رہا ہے مگر یقیناً ایک ایسا دن بھی عنقریب آنے والا ہے جس دن حساب کتاب ہوگا اور ایک ایک فعل و قول کا مواخذہ ہوگا۔

”ونضع الموازين القسط“: آپ ﷺ نے کئی مقامات پر اپنی بات کی تاکید میں قرآنی آیات پڑھیں تاکہ بات اور زیادہ مضبوط ہو جائے۔

”یہ کی“: وہ آدمی رونے لگا۔ یہ ان صحابی کا تقویٰ اور کمال احتیاط اور خوف خدا تھا کہ وہ رونے لگے اور انہوں نے کہا کہ

نوٹ: راویہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات حدیث نمبر ۷ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

میں ایسی چیز اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا جس کے ذریعہ سے مواخذہ ہو سکتا ہے۔ اسی کا نام کمال عبدیت ہے کہ آدمی ہر اس چیز سے اجتناب کرے جس کے ذریعہ سے خدا کی ناراضگی ہو سکتی ہو۔^(۱)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الحساب والقصاص والمیزان“ ص ۲۸۶ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تَخْرِیجُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی فی ابواب التفسیر (تفسیر سورة الانبیاء).



حضور اکرم ﷺ کی اتباع ضروری ہے

۱۸ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أُخْبِرُوا بِهَا كَانَتْهُمْ تَقَالُوهَا فَقَالُوا: أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَأُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ الْآخَرُ: أَنَا أَصُومُ النَّهَارَ أَبَدًا وَلَا أَفْطِرُ، وَقَالَ الْآخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَكَذَا أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا خَشَاكُمُ لِلَّهِ وَأَتَّقَاكُمْ لَهُ لِكِبِّي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تین شخص آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے پاس آئے تاکہ آپ کی عبادت کا حال معلوم کریں۔ جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کو کم خیال کر کے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے، آپ کے مقابلہ میں ہم کیا ہیں اللہ نے آپ کے اگلے اور پیچھے تمام گناہوں کی مغفرت کر دی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اب ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا دوسرے نے کہا کہ میں دن میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور افطار نہ کروں گا تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے ہمیشہ الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اتنے میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے سن لو خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ والا ہوں میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو شخص میری سنت سے انحراف کرے وہ مجھ سے نہیں۔“

لُعَاثِكُمْ: رَهْطٌ: آدمی کی قوم اور قبیلہ میں تین سے دس تک کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو اس لفظ کا کوئی واحد نہیں ہے۔ تَقَالُوهَا، تَقَالَى الشَّيْءُ، کم سمجھنا، قَلَّ (ض) قَلًّا وَقَلًّا قَلَّةً، کم ہونا۔ اِعْتَزَلَ: عنہ الگ ہونا، جدا ہونا۔ لَا خَشَاكُمُ: بہت ڈر نے والا، خَشِيَ (س) خَشِيَةً، ڈرنا۔ اَتَّقَاكُمْ: اِتَّقَى، بہت بچنے والا، وَقَى (ض) وَقَايَةً، حفاظت کرنا، اَرْقُدُ: رَقَدَ (ن) رَقَدًا رِقَادًا، سونا، مَرَقَدٌ، سونے کی جگہ۔ رَغِبَ: (س) رَغْبَةً عنہ اعراض کرنا۔

تَشْرِیْح: ”رہط“: بمعنی جماعت۔ دس سے کم کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چالیس سے کم کو کہتے ہیں^(۱) یہاں آنے والے تین صحابی تھے ① حضرت علیؓ ② حضرت عثمان بن مظعونؓ ③ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یا مقداد بن اسودؓ انہوں نے آپؐ میں کہا کہ آپؐ تو معصوم و مغفور ہیں چنانچہ ان تینوں نے اپنی اپنی طبیعت کے اعتبار سے ایک ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عبادت وہی معتبر اور قابل تحسین ہوگی جو خدا اور خدا کے رسول کی قائم کردہ حدود کے اندر ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی مثال دی کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ اس مثال میں اشارہ ہے کہ دنیا سے بالکل منہ موڑ لینا رہبانیت ہے! صرف حقوق اللہ لازم نہیں ہیں بلکہ حقوق العباد بھی لازم ہیں اور اس واقعہ سے بدعت کی بھی نفی ہوتی ہے کہ بدعت میں کسی عبادت میں کمی یا زیادتی کی جاتی ہے عبادت تو وہی معتبر ہے جو جس طرح شریعت نے بتائی ہے بغیر کمی اور زیادتی کے اس کو اسی طرح کیا جائے۔^(۲)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالکتاب والسنة“ ص ۲۷ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

مُتَحَرِّجٌ حَدِيثٌ: اخرجہ البخاری فی کتاب النکاح (باب الترغیب فی النکاح) و اخرجہ مسلم فی أوائل کتاب النکاح.

نوٹ: راوی حدیث حضرت انسؓ کے مختصر حالات حدیث نمبر ۱۱ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۲) مظاہر حق ۲۰۱-۲۰۰

(۱) مرقاۃ ۱/۲۱۹

سنت و بدعت

۱۹۹ عَنِ الْعَرَبِاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَارِسُورُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَٰذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودَعٍ فَأَوْصِنَا فَقَالَ: أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبِشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرُوا بِتَقْوَى اللَّهِ وَتَحَرُّوا عَنْ عَصَايَ وَتَحَرُّوا عَنْ مَعْصِيَتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَظُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

ترجمہ: ”حضرت عرباض رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں دیر تک نہایت بلیغ انداز میں نصیحتیں فرمائیں جس سے لوگوں کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور دل دھڑکنے لگے تب ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! آج کی یہ نصیحتیں رخصت کرنے والے لوگوں کی ہیں لہذا آپ ہمیں کچھ اور وصیتیں فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور احکام سننے اور ان پر عمل کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ حکم دینے والا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو بھی زندہ رہے گا وہ آپس میں بہت اختلافات دیکھے گا لہذا تم پر لازم ہے کہ تم میرے اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں ان کے طریقوں کو مشعل راہ بناؤ اور انہیں ڈاڑھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو دین میں نئی عبادات سے بچتے رہنا اس لئے کہ ہر نئی عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

لُغَاتُكَ: ذَرَفَتْ: (ض) ذَرَفًا، ذَرِيفًا الدَّمْعُ، بَهَنًا۔ وَجَلَّ (س) وَجَلًّا بِمَعْنَى دُرْنَا، قَالَ تَعَالَى ﴿لَا تَوَجَلْ إِنْ أَنْبَشْتُكَ بِغُلَامٍ عَلَيْهِمُ﴾. مُودَعٌ: اسم فاعل، وَدَّعَ تَوَدَّعًا، رَخَصْتَ كَرْنَا۔ تَمَسَّكُوا: مضبوطی سے پکڑنا۔ عَصَا: (س) عَصَا دَانَتْ سَے پکڑنا، دَانَتْ سَے کائنا۔ النَّوَاجِدُ: جمع ہے نَاجِدٍ کی بمعنی داڑھ، نَجَدَ (ض) نَجْدًا داڑھوں سے کائنا۔ مُحَدَّثَاتِ: جمع ہے مُحَدَّثَةٍ کی بمعنی نئی بات حَدَّثَ (ن) حُدُوًّا، نو پیدا ہونا۔

تشریح: ”اوصیکم بتقوی اللہ“: سب سے پہلی نصیحت آپ نے تقویٰ کی کی کیونکہ تمام دین کی اساس یہی خدا کا خوف ہے کہ جب میری کسی کے دل میں آجاتا ہے تو پھر اس کو تمام اوامر پر عمل کرنا اور تمام نواہی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

”وان کان عبدا حبشیا“:

سؤال: غلام کو تو حاکم بنانا جائز نہیں؟

جواب اول: غلام کا ذکر علی سبیل المبالغہ ہے کہ اس کی بھی اطاعت کرو مخالفت نہ کی جائے جیسے کہ آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسجد بنائے اگرچہ چڑیا کے گھونسلے کے مانند ہی کیوں نہ ہو، ظاہر ہے کہ مسجد چڑیا کے گھونسلے کی مانند تو نہیں ہوتی۔

جواب دوم: بمقصد یہاں پر یہ ہے کہ غلام جو سربراہ مملکت کا نائب ہے جیسے کسی خاص علاقہ کا حاکم بنایا گیا ہو۔ (۲)

فسیری اختلاف کثیر: میرے بعد بہت سے اختلاف کو دیکھے گا۔ کہ اس زمانے میں فتنوں کا، بدعتوں اور خواہشات نفسانی کا دور ہوگا۔ (۳)

فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين: علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، خلفائے راشدین سے مراد خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کی ترتیب یہ ہے، ”أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ۔“ یہاں پر ان خلفاء کو بیان کرنے کا مقصد ان کی تفہیم و تصویب رائے کو بیان کرنا مقصود ہے۔

المهديين: ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی صفت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ خلفاء اربعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اجتہاد کر کے جو استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے۔ (۴)

کل بدعة ضلالة: ہر بدعت گمراہی ہے۔ بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے۔

بدعت کی تعریف مجالس الابرار میں یہ ہے۔ ”الْبِدْعَةُ السَّيِّئَةُ الَّتِي لَيْسَ لَهَا مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ أَصْلٌ وَسَنَدٌ ظَاهِرٌ أَوْ خَفِيٌّ مَلْفُوظٌ أَوْ مُسْتَنْبَطٌ“۔ ”بدعت سیئہ اس کو کہتے ہیں جس کی اصل نہ قرآن میں ہو نہ ہی حدیث میں اور نہ ظاہر یا خفی کوئی بھی اس کے بارے میں سند ملتی ہو نہ لفظوں میں اور نہ ہی مضمون سے۔ (۵) اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ گمراہی ہے اور گمراہی انسان کو جہنم میں لے جائے گی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”باب الاعتصام بالكتاب والسنة“ ص ۲۹ پر ہے پوری حدیث بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی فی ابواب العلم (باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة) أخرجه ابوداود وأخرجه أحمد فی مسند ۱۲۶۰۔ ۱۲۸۔

راوی حدیث حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام عریاض، والد کا نام ساریہ، کنیت ابو جحیح سلمی۔ اصحاب صفہ میں سے تھے ملک شام میں رہتے تھے آخری وقت میں اللہ سے ملنے کا شوق بہت بڑھ گیا تھا اور یوں دعاء کرتے تھے: ”اے اللہ میری عمر زیادہ ہوگی، ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں، بس اب تو اپنی طرف اٹھالے۔“ ۵۷ھ میں انتقال ہوا اور شام ہی میں مدفون ہوئے۔

اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟

۵۰ عَنْ مَعَاذِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ رَدَفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مَوْخَرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ: يَا مَعَاذُ! هَلْ تَذَرِي مَا حَقَّ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ: لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَكَبَرُوا.

ترجمہ: ”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک گدھے پر آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھا میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یقیناً اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ مانیں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو جنہوں نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا انہیں عذاب نہ دیں۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ! کیا میں اس بات کی خوش خبری دوسروں کو نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا، انہیں یہ خوش خبری نہ سناؤ کہ وہ اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔“

لُغَاتُكَ: رَدَفَ: پیچھے سوار ہونے والا۔ مَوْخَرَةُ الرَّحْلِ: کجاوہ کا پچھلا حصہ۔ أَلَا يُشْرِكُوا: اَشْرَكَهُ فِيْ، اَمْرُهُ، کام میں شریک ہونا، اَشْرَكَ بِاللَّهِ، شریک ٹھہرانا، شرک کرنا۔ اُبَشِّرْ، بَشِّرْ، خوش کرنا خوشخبری دینا، قَالَ تَعَالَى: ﴿فَبَشِّرْنَاهُ بِاسْحَاقٍ﴾. فَيَتَكَبَرُوا: اِتَّكَلَّ عَلَى اللَّهِ، بھروسہ کرنا، مطمع و فرمانبردار ہونا، اِتَّكَلَّ فِيْ اَمْرِهِ عَلَى فُلَانٍ، اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا۔ وَاَكْلًا، سپرد کرنا، قَالَ تَعَالَى: ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾.

تیسری چیز: رَدَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: میں آپ کے پیچھے سوار تھا۔ اس کو بیان کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی اس کی کئی وجہیں ممکن ہیں:

اول: آپ ﷺ کی جو خاص شفقت و عنایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر تھی اور بارگاہ نبوی میں جو خاص مقام قرب ان کو حاصل تھا اس کو بیان کرنا مقصود ہے۔

دوم: یا یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہ بات بتانا چاہتے ہوں کہ یہ حدیث مجھ کو خوب اچھی طرح یاد ہے یہاں تک کہ اس وقت کی یہ بڑی بات کہ میں کہاں تھا یہ بھی یاد ہے۔ (۱)

سوم: یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح مشتاق و محبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ انداز میں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں اسی جذبے سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ فرمایا۔^(۱)

علی حمار: گدھے پر سوار تھے۔ یہ آپ ﷺ کے کمال تو اضع کو بیان کرنا ہے کہ باوجود سردار ہونے کے آپ ایک معمولی سی سواری پر سوار تھے۔^(۲)

حق العباد علی اللہ: بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے۔

سؤال: اللہ پر تو کسی کا کوئی حق نہیں؟

جواب: اس سے پہلے بندوں کا حق بیان کیا گیا تھا اس کے مقابلہ کے اعتبار سے یہ فرما دیا گیا ورنہ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔^(۳)
 اُن یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا: ابتداء اسلام کے زمانے میں اسلام اور کفر کے درمیان سب سے بڑا واضح فرق تو حید اور شرک ہی تھا اس لئے اس عنوان کو اختیار کیا گیا یا اس کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کرنا اور شرک سے بچنا اسلام کی روح اور مرکزی مسئلہ ہے۔^(۴)

اُن لا یعذب من لا یشرک بہ شیئا: کہ عذاب نہ دے اس شخص کو جس نے شریک نہ مانا ہو۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ تو حید کا ذاتی اقتضاء یہی ہے کہ ایسا آدمی عذاب دوزخ سے محفوظ رہے اور جنت میں جائے اگر اس نے اپنی بد بختی سے کچھ ایسے بد اعمال بھی کئے ہیں جس کا ذاتی اقتضاء قرآن وحدیث میں عذاب پانا اور دوزخ میں جانا بتلایا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا کچھ نہ کچھ اثر ضرور دکھائیں گے۔^(۵)

یہ حدیث مشکوٰۃ میں ”کتاب الایمان“ ص ۱۳-۱۴ پر ہے۔ پوری حدیث بھی بعینہ انہی الفاظ اور اسی راوی کے ساتھ آئی ہے۔
 تخریج حدیث: اخرجه البخاری فی کتاب الجہاد (باب اسم الفرس والحمار) و (باب من جاهد نفسه فی طاعة الله) و اخرجه مسلم فی کتاب الایمان (باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة)

راوی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

نام معاذ، ابو عبد الرحمن کنیت، امام الفقہاء، کنز العلماء اور عالم ربانی القاب ہیں۔ رنگ سفید، چہرہ روشن، قد دراز، بال گھونگھریالے، آگے کے دانت نہایت چمک دار تھے، نبوت کے بارہویں سال میں جب اسلام مدینہ میں آیا تو انہوں نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور چند ہی دنوں کے بعد ان کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے برگزیدہ افراد میں ہونے لگا۔ یہ ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کی حیات میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۶ سال تھی ۱۸ھ میں انتقال ہوا۔ انتقال بیت المقدس اور ”عوز“ نامی ایک جگہ ہے، جس میں ”بیان“ نامی شہر تھا جو ”نہاردن“ کے قریب واقع تھا، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ ان سے روایات کی تعداد (۱۵۷) ہے دو میں بخاری اور مسلم دونوں متفق ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

فقط..... محمد حسین صدیقی (استاذ حدیث جامعہ بنوریہ)

کتابیات

اسماء کتاب مصنفین کرام ولادت وفات

== الف ==

احیاء العلوم.....	محرر بن محمد غزالی طوسی.....	۳۵۰ھ.....	۵۰۵ھ.....
ارشاد الطالبین.....	بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	۱۱۲۳ھ.....	۱۲۲۵ھ.....
اشعة المعات.....	شیخ عبدالحق محدث دہلوی.....	۹۵۸ھ.....	۱۰۵۲ھ.....
اعلاء السنن.....	مولانا ظفر احمد تھانوی.....	۱۳۱۰ھ.....	۱۳۹۴ھ.....
التعلیق الصبیح.....	مولانا محمد ادریس کاندھلوی.....	۱۳۹۴ھ.....	
العلم والعلماء.....	مولانا ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر.....	۳۶۸ھ.....	۴۶۳ھ.....
الکوکب الدری.....	مولانا رشید احمد گنگوہی.....	۱۲۶۹ھ.....	۱۳۲۶ھ.....
بدائع الصنائع.....	ابوبکر بن مسعود ابن احمد کاسانی.....		
انوار الباری.....	مولانا سعید احمد رضا بجنوری.....	۱۹۰۷ھ.....	۱۴۱۸ھ.....

== ب ==

بذل الجہود.....	مولانا غلیل احمد مہاجر مدنی.....	۱۲۶۹ھ.....	۱۳۲۶ھ.....
بنایہ شرح ہدایہ.....	بدرالدین محمود عینی.....	۷۶۳ھ.....	۸۵۵ھ.....
بیان القرآن.....	مولانا اشرف علی تھانوی.....	۱۲۸۰ھ.....	۱۳۶۲ھ.....

== ت ==

تفسیر قرطبی.....	ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر.....	۶۷۱ھ.....	
تفسیر مظہری.....	بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی.....	۱۱۲۳ھ.....	۱۲۲۵ھ.....
تفسیر معارف القرآن.....	مفتی محمد شفیع <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>		
تلخیص ابلیس.....	شیخ جمال الدین عبد الرحمن الجزری.....	۵۱۱ھ.....	۵۹۷ھ.....
تنظیم الاشتات.....	مولانا محمد ابوالحسن.....	۱۳۳۸ھ.....	

جامع ترمذی ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ ۲۷۹ھ
جواہر الحکم مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ۱۳۱۶ھ ۱۳۸۵ھ

== ز ==

زجاجة مشکوٰۃ ابوالحسنات سید عبداللہ بن مولانا سید مظفر الدین

== س ==

سنن ابوداؤد ابوداؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی ۲۰۲ھ ۲۷۵ھ
سنن ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی ۲۰۹ھ ۲۷۳ھ
سنن نسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی خراسانی ۲۱۵ھ ۳۰۳ھ

== ش ==

شامی سید محمد امین المعروف بہ ابن عابدین شامی

== ص ==

صحیح بخاری امام محمد بن اسماعیل البخاری ۱۹۴ھ ۲۵۶ھ
صحیح مسلم امام مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری ۲۰۴ھ ۲۱۶ھ

== ع ==

عمدة القاری شرح صحیح البخاری بدر الدین محمود عینی ۷۲ھ ۸۵۵ھ

== ف ==

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مولانا عزیز الرحمن ۱۱۷۵ھ ۱۲۴۷ھ
فتاویٰ عالمگیری اورنگ زیب عالمگیر نے مرتب کروائے
فتح الباری شرح صحیح البخاری ۷۷۳ھ ۸۵۰ھ
فتح العزیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ ۱۲۳۹ھ
فتح القدیر کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی المعروف بہ ابن ہمام ۷۸۸ھ ۸۶۱ھ
فتح الملہم مولانا شبیر احمد عثمانی ۱۳۰۵ھ ۱۳۶۶ھ

..... فضل الباری شرح صحیح البخاری
..... فیض الباری شرح صحیح البخاری علامہ انور شاہ کشمیری ۱۲۹۲ھ

= ک =

..... کتاب الآثار امام محمد بن حسن الشیبانی ۱۳۵ھ ۱۸۹ھ
..... کنز العمال علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین ۹۷۵ھ

= م =

..... مرقاۃ المفاتیح علی بن سلطان محمد ہروی المعروف بہ ملا علی قاری ۱۰۱۳ھ
..... مسند احمد امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ ۲۴۱ھ
..... مشکوٰۃ المصابیح شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ ۷۲۸ھ
..... مظاہر حق نواب قطب الدین ۱۲۱۹ھ ۱۲۸۹ھ

= ن =

..... نووی شرح صحیح مسلم ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی ۶۳۱ھ ۶۷۷ھ

= ۵ =

..... ہدایہ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی فرغانی ۵۱۱ھ ۵۹۳ھ

